آئینہ مذہبِ شیعہ

شیعہ مذہب کے اصول وقواعد
اور
عقائد وافکار کا جائزہ

تالیف

ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری

ترجمہ

حافظ ابو الحسنین الاثری

مکتبۃ آل البیت کراچی

آئینہ مذہب شیعہ

شیعہ مذہب کے اصول وقواعد

اور

عقائد وافکار کا جائزہ

تالیف

ڈاکٹر ناصر بن عبد اللہ بن علی القفاری

ترجمہ

حافظ ابو الحسنین الأثری

مکتبۃ آل البیت، کراچی

أصول مذهب الشيعة

الإمامية الإثنى عشرية

عرض و نقد

تالیف

ڈاکٹر ناصر بن عبد اللہ بن علی القفاری

ترجمہ

حافظ ابو الحسنین الأثری

مکتبة آل البیت، کراچی

تیسرا باب

❁ شیعہ کے دیگر انفرادی اصول اور اعتقادات 699

❁ **پہلی فصل**: امامت 701

❁ شیعہ کے نزدیک امامت کا مفہوم اور اس کا آغاز: 701

❁ شیعہ کے نزدیک امامت کا مرتبہ و اہمیت: 704

❁ نظریہ امامت کی راز داری: 706

❁ ائمہ کو ایک متعین تعداد میں محصور کر دینا: 709

❁ ائمہ کو متعین تعداد میں منحصر کرنے پر نقد وتبصرہ: 719

❁ مسئلہ امامت پر شیعہ کا استدلال: 725

❁ شیعہ کے قرآن سے دلائل: 728

❁ شیعہ کے سنت سے دلائل: 735

❁ شیعہ کی سنت سے بنیادی دلیل: 740

❁ نص (وصیتِ امامت) شیعہ کی کتابوں میں: 748

❁ مسئلہ نص (وصیت) میں معلوم اور متفق (عقلی) امور کے ساتھ استدلال: 755

❁ بارہ اماموں میں سے کسی ایک کی بھی امامت کے منکر کا حکم: 766

❁ ① صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین: 768

❁ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزعومہ معائب: 785

❁ ② شیعہ کی اہلِ بیت کی تکفیر: 787

❁ ③ شیعہ کا مسلمان خلفا اور ان کی حکومتوں کو کافر قرار دینا: 791

❁ ④ بلادِ اسلامیہ پر دار الکفر کا حکم: 792

❁ ⑤ مسلمان قضات (جج): 795

❁ ⑥ مسلمانوں کے ائمہ اور علما: 797

۞ ⑦ اسلامی فرقے:........ 798

۞ ⑧ ساری امت ہی...!:........ 801

۞ امت کی عمومی تکفیر اور لعن طعن سے مستثنیٰ گروہ:........ 803

۞ نقد وتبصرہ:........ 804

۞ شیعہ عقائد کے خلاف دلائل:........ 806

۞ ① قرآنِ کریم:........ 806

۞ ② سنتِ مطہرہ:........ 812

۞ ③ ائمہ شیعہ کی صحابہ کرام کی ثنا خوانی:........ 813

۞ عقل، تاریخ، تواتر (تعامل) اور اجماع کی دلالت:........ 818

۞ دوسری فصل: عصمتِ امام........ 825

۞ عصمت کا لغوی معنی:........ 825

۞ عقیدۂ عصمت کا آغاز:........ 826

۞ عقیدہ عصمت کے اطوار ومراحل:........ 828

۞ شیعہ کا اپنے ائمہ کی عصمت پر استدلال........ 833

۞ قرآن کریم سے استدلال:........ 833

۞ ان کے استدلال پر تنقید وتبصرہ:........ 834

۞ شیعہ کے سنت سے دلائل:........ 837

۞ مسئلہ عصمت پر شیعہ کے عقلی دلائل:........ 839

۞ نظریۂ عصمتِ ائمہ پر عام تنقید:........ 843

۞ تیسری فصل: تقیہ........ 855

۞ تقیہ کی تعریف:........ 855

۞ شیعہ کا تقیہ کے لیے استدلال:........ 871

۞ چوتھی فصل: مہدیت اور غیوبت (روپوشی)........ 873

۞ شیعہ فرقوں کے نزدیک مہدیت وغیوبت:........ 873

- شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک نظریۂ غیبوبت کا آغاز اور ارتقا 877
- حسن عسکری کی وفات کے بعد شیعہ کی حالت: 877
- عقیدۂ غیبوبت کے اسباب: 880
- اثنا عشریہ کے نظریۂ غیبوبت کا خالق: 883
- اثنا عشریہ کے نزدیک مہدیت کے خط و خال: 900
- غیبوبت (پوشیدگی) کے وقوع پر استدلال: 914
- مدتِ غیبوبت کی طوالت کا دفاع: 917
- مہدی (مزعومہ) واپسی کے بعد 923
- أ۔ شیعہ کے مہدی منتظر کی شریعت: 923
- ب۔ قائم منتظر کی سیرت: 927
- ج۔ قائم کا لشکر: 937
- شیعہ اور ان کے مہدی کی پوشیدگی: 938
- نیابتِ منتظر: 943
- اثنا عشریہ کے عقیدۂ غیبوبت اور مہدیت پر تبصرہ و تنقید: 950
- **پانچویں فصل**: رجعت (دنیا میں واپسی) 959
- رجعت کا معنی: 959
- رجعت کے لیے ان کا استدلال: 965
- نظریۂ رجعت پر نقد و تبصرہ: 974
- **چھٹی فصل**: ظہور 978
- اس نظریے پر تبصرہ: 980
- **ساتویں فصل**: عقیدۂ بدا (انکشاف) 982
- شیعہ کا بدا پر استدلال: 994
- عقیدۂ بدا کی تردید میں اثنا عشری کتابوں کی روایات: 996
- **آٹھویں فصل**: طینۃ (خمیر) 998

اس عقیدے پر تبصرہ وتنقید: 1004

تیسرا باب

شیعہ کے دیگر انفرادی اصول اور اعتقادات

اس باب میں درج ذیل آٹھ فصلیں ہیں:

① امامت۔

② عصمتِ امام۔

③ تقیہ۔

④ مہدی اور رُوپوشی۔

⑤ رجعت۔

⑥ ظہور۔

⑦ بدا۔

⑧ طینہ۔

پہلی فصل:

امامت

شیعہ کے نزدیک امامت وہ اصل اور بنیاد ہے، جس کے گرد ان کی احادیث گھومتی ہیں اور جس کی طرف ان کے عقائد لوٹتے ہیں۔ ان کی فقہ، اصول، تفاسیر اور تمام علوم میں اس کا اثر جھلکتا ہے۔ جدید و قدیم دونوں ادوار میں شیعہ نے اس کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ درج ذیل سطور میں اس کی اہم جوانب، مفہوم، آغاز، ان کے مذہب میں اس کا مرتبہ، آغاز میں اس کو چھپانا، پھر شیعہ علما کا اس سے استدلال شروع کرنا، ان کی سب سے اہم شمار کی جانے والی دلیل پر بحث وتمحیص، پھر ان کی منکرینِ امامت کی تکفیر کے متعلق گفتگو ذکر ہوگی۔

یاد رہے کہ انھوں نے صحابہ کرام، اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم مسلمان حکمران، قضاۃ، اسلامی ممالک اور ان کی اقوام، تمام رجحانات کے حامل اسلامی فرقوں اور امتِ اسلامیہ کو بالخصوص اور معین طور پر کافر قرار دیا ہے۔ یہ تمام امور آیندہ صفحات میں شیعہ کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے واضح ہوجائیں گے۔

شیعہ کے نزدیک امامت[1] کا مفہوم اور اس کا آغاز:

شیعہ کے ہاں امامت کی جو موجودہ صورت ہے، شاید سب سے پہلے اس کے متعلق ابن سبا نے سخن آرائی کی ہے، جس نے یہ قول عام کرنا شروع کر دیا کہ امامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وصیت ہے اور صرف وصی (نامزد) کے نام میں محصور ہے۔ اگر اس کے سوا کسی دوسرے نے اس کو سنبھالا تو اس کی تکفیر اور اس سے براءت کا اظہار کرنا لازمی ہے۔ شیعہ کتب اعتراف کرتی ہیں:

[1] امامت کا لغوی معنی تقدم اور آگے بڑھنا اور پیشوائی کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں: "ام القوم" أم بهم. وہ ان کے آگے بڑھا، اس عمل کا نام امامت ہے، امام اس کو کہا جاتا ہے، جس کی لوگ اقتدا کریں، خواہ وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہوں یا گمراہی کے مسافر۔ امام کا لفظ خلیفہ پر بھی بولا جاتا ہے اور اس عالم پر بھی جس کی اقتدا کی جاتی ہے اور امام پر بھی جس کی نماز میں اقتدا اور پیروی کی جاتی ہے۔ (اللسان، القاموس، المصباح، مادة: أم) اہل سنت کے نزدیک امامت کی تعریف ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: الأحكام السلطانية للماوردي (ص: ٥) مقدمة ابن خلدون (٢/ ٥١٦۔ ٥١٨)

''ابن سبا وہ پہلا شخص تھا، جس نے امامتِ علی کی فرضیت کا قول مشہور کیا، ان کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا، ان کے مخالفین سے پردہ اٹھایا اور ان کو کافر قرار دیا۔''[1]

کیوں کہ وہ یہودی نژاد تھا اور اس کا خیال تھا:

''یوشع بن نون موسی کے وصی ہیں، جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے حضرت علی کے متعلق بھی یہی نظریہ پیش کر دیا۔''[2]

اس پر اب شیعہ علما کا اتفاق ہو چکا ہے۔ چناں چہ ابن بابویہ قمی، جس نے چوتھی صدی ہجری میں شیعہ عقائد لکھے، وہ کہتا ہے:

''وہ (شیعہ) اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہر نبی کا کوئی وصی (نامزد) ہوتا ہے، جس کو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وصیت کرتا ہے۔''[3] وہ ذکر کرتا ہے کہ اوصیا کی تعداد ''ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔''[4]

مجلسی اپنی اخبار و روایات میں ذکر کرتا ہے: ''علی آخری وصی ہیں۔''[5] کافی کے بعض ابواب کے عناوین کچھ اس طرح ہیں:

''باب أن الإمامة عهد من الله عزوجل معهود من واحد إلى واحد''[6]

''یہ باب کہ امامت اللہ کی طرف سے عہد ہے، جو یکے بعد دیگرے ہر ایک کے لیے صادر ہوا ہے۔''

''باب ما نص الله عزو جل ورسوله على الأئمة واحدا فواحدا''[7]

''یہ باب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ایک ایک کر کے ترتیب کے ساتھ ائمہ کی وصیت کی ہے۔''

ان دونوں ابواب میں کلینی نے اپنی روایات کا ایک مجموعہ ذکر کیا ہے، جن کو وہ اپنی ایسی دلیلیں قرار دیتے

---

[1] رجال الكشي (ص: ۱۰۸۔ ۱۰۹) القمي: المقالات والفرق (ص: ۲۰) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ۲۲) الرازي: الزينة (ص: ۳۰۵) نیز دیکھیں: الملل والنحل (۱/ ۱۷٤) شہرستانی نے ابن سبا کے متعلق کہا ہے کہ وہ سب سے پہلا شخص ہے، جس نے امامتِ علی کے منصوص علیہ ہونے کا قول پیش کیا۔

[2] المصدر السابق.

[3] عقائد الصدوق (ص: ۱۰٦)

[4] المصدر السابق.

[5] بحار الأنوار (۳۹/ ۳٤۲) جس کا یہ مطلب ہوا کہ علی کے بعد کوئی وصی نہیں اور ان کے بعد امامت باطل ہے، کیوں کہ وہ اوصیا نہیں۔ یہ روایت یک قلم اثنا عشریہ مذہب کی عمارت کو منہدم کر دیتی ہے۔

[6] أصول الكافي (۱/ ۲۲۷)

[7] المصدر السابق (۱/ ۲۸٦)

ہیں، جن کو شک چھو کر بھی نہیں گزرا۔ اس لیے شیعہ کے عالم مقداد حلی (المتوفی ۸۲۱ھ) نے کہا ہے:

''شیعہ کے نزدیک امامت کے مستحق شخص کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے معہود (جس کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے) ہونا ضروری ہے نہ کہ ہر وہ شخص جس پر اتفاق ہو جائے۔''[1]

شیعہ کا عصر حاضر کا مرجع تقلید محمد حسین آلِ کاشف الغطا، یہ قاعدہ مقرر کرتا ہے:

''امامت، نبوت کی طرح ہی ایک منصب الٰہی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں نبوت اور رسالت کے لیے جس کو چاہتا منتخب کرتا ہے، جو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نص اور تعیین کی طرح ہے، اسی طرح وہ امامت کے لیے بھی جس کو چاہتا پسند فرماتا ہے اور اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی تنصیص وتعیین کرے اور اس کو اپنے بعد کے لوگوں کا امام مقرر کرے۔''[2]

آپ دیکھ رہے ہیں کہ شیعہ کے نزدیک امامت کا مفہوم نبوت ہی کے مفہوم کی طرح ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں انبیا کا انتخاب کرتے ہیں، ایسے ہی وہ ائمہ کا بھی چناؤ کرتے ہیں، ان کی تعیین کرتے ہیں، مخلوق کو ان کے متعلق آگاہ کرتے ہیں، ان کے ساتھ حجت قائم کرتے ہیں، ان کی معجزات کے ساتھ تائید و نصرت فرماتے ہیں، ان پر کتابیں نازل فرماتے ہیں، ان کی طرف وحی کرتے ہیں اور وہ جو بھی کہتے یا کرتے ہیں، اللہ کے حکم اور وحی کے ساتھ کرتے ہیں.... مطلب یہ ہوا کہ امامت نبوت ہی ہے اور امام اور نبی میں صرف ناموں کا فرق ہے، اسی لیے مجلسی نے کہا ہے:

''ان روایات سے نبی اور امام کے درمیان فرق نکالنا اشکال سے خالی نہیں۔''[3]

پھر وہ کہتا ہے:

''ہمیں ان کے نبوت کے ساتھ موصوف نہ ہونے میں خاتم الانبیا کے مرتبے کا خیال رکھنے کے علاوہ کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی، نہ ہماری عقلوں تک نبوت اور امامت کے درمیان جو فرق ہے، اس کی رسائی ہے۔''[4]

امامت کے مفہوم کے متعلق یہ ان کا قول اور نظریہ ہے، اس کی تنقید میں اتنا ہی کافی ہے کہ اس میں ان کے پاس ابن سبا اور یہودیت کے علاوہ کوئی سند نہیں۔

---

[1] النافع يوم الحشر (ص: ٤٧)

[2] أصل الشيعة وأصولها (ص: ٥٨)

[3] بحار الأنوار (٢٦/ ٨٢)

[4] المصدر السابق.

شیعہ کے نزدیک امامت کا مرتبہ واہمیت:

مسئلہ امامت اہلِ سنت و کے نزدیک اصولِ دین میں داخل نہیں کہ جس میں مکلّف کو ناواقف رہنے کی گنجایش نہ ہو، جس طرح اہلِ علم کی ایک جماعت نے اس کو ثابت کیا ہے۔[1] لیکن یہ شیعہ کے ہاں (اس کے سبائی مفہوم میں) ایک دوسری ہی شان کا حامل ہے۔ نوبختی ذکر کرتا ہے کہ شیعہ کے کچھ فرقوں نے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ ''امامت نبوت کے بعد تمام امور میں عظیم تر ہے۔''[2] لیکن یہ آلِ کاشف الغطا کی رائے میں ''نبوت کی طرح کا منصب الٰہی ہے۔''[3] کلینی کی کافی کی احادیث کے مطابق یہ نبوت کے مرتبے سے بلند ہے۔''[4] شیعہ کے کئی ایک شیوخ و علما بانگ دہل اس کا اعلان بھی کرتے ہیں۔ شیعہ کے عالم نعمت اللہ جزائری کا کہنا ہے کہ ''امامت عامہ وہ ہے، جو نبوت و رسالت کے درجے سے بھی بلند ہے۔''[5]

عصرِ حاضر کے شیعہ کے مرجعِ تقلید اور آیت اللہ ہادی طہرانی نے کہا ہے:

> ''امامت، نبوت سے بھی عظیم تر ہے۔ یہ تیسرا مرتبہ ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو نبوت اور خلّت (خلیل و دوست بنانے) کے بعد سرفراز کیا...''[6]

کافی میں ایسی روایات ذکر ہوئی ہیں، جو امامت کو اسلام کا سب سے بڑا رکن قرار دیتی ہیں۔ کلینی اپنی سند کے ساتھ جعفر سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

> ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، جن میں نماز، زکات، روزہ، حج اور ولایت شامل ہے۔ جس طرح ولایت کی منادی کرائی گئی ہے، اس طرح کسی چیز کی منادی نہیں کرائی گی۔ لوگوں نے چار کو تو اپنا لیا اور اس کو یعنی امامت کو چھوڑ دیا۔''[7]

آپ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ارکانِ اسلام میں شہادتین کو ساقط کر دیا ہے اور ان دونوں کی جگہ ولایت کو

---

[1] دیکھیں: الآمدي: غاية المرام (ص: ٣٦٣) الغزالي: الاقتصاد (ص: ١٣٤) مقدمة ابن خلدون (٣/ ١٠٨٠)

[2] فرق الشيعة (ص: ١٩)

[3] أصل الشيعة (ص: ٥٨)

[4] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ١٧٥)

[5] زهر الربيع (ص: ١٢)

[6] ودايع النبوة (ص: ١١٤)

[7] أصول الكافي، كتاب الإيمان والكفر، باب دعائم الإسلام (٢/ ١٨) رقم (٣) شرح کافی میں مولف نے اس حدیث کا درجۂ صحت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ "موثق كالصحيح" چناں چہ یہ ان کے نزدیک معتبر ہے۔

رکھ کر اس کو تمام ارکان سے بڑھ کر شمار کیا ہے، جس طرح شیعہ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ ''جس طرح ولایت کی منادی کی گئی ہے، اس طرح کسی چیز کی منادی نہیں کی گئی۔'' ان کی ایک دوسری حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں سابقہ روایت کی عبارت بھی مذکور ہے اور یہ اضافہ بھی ہے کہ راوی کہتا ہے: ''میں نے کہا: اس میں کون سی چیز افضل ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ولایت افضل ہے۔''[1]

ایک تیسری روایت بھی پہلی روایت ہی کی طرح ہے، جس میں یہ اضافہ ہے:

''اس نے ان کو چار[2] فرائض میں سے کچھ اشیا کی رخصت دی، لیکن کسی مسلمان کو ہماری ولایت ترک کرنے کی رخصت نہ دی، نہیں، خدا کی قسم! اس میں کوئی رخصت نہیں۔''[3]

شیعہ نے اپنی روایات میں یہاں تک کہا ہے:

''نبی اکرم ﷺ کو آسمان کی طرف ایک صد بیس مرتبہ لے جایا گیا۔ ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ولایتِ علی اور ان کے بعد والے ائمہ کی ولایت کی وصیت فرائض کی وصیت سے زیادہ کی۔''[4]

''اس نے بندوں پر امامت کے اقرار سے بڑھ کر کسی چیز کی تاکید نہیں کی، لیکن بندوں نے بھی سب سے زیادہ اسی کا انکار کیا ہے۔''[5]

اس گمراہی کو شیعہ کے علما پھیلاتے اور اس کے ساتھ ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔ شیعہ کا عصر حاضر کا ایک مرجع کہتا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جو سب سے عظیم چیز دے کر مبعوث کیا ہے، وہ امامت کا حکم ہے۔''[6]

یہ ہے شیعہ کے نزدیک بارہ اماموں کا مرتبہ اور مقام۔ خدا معلوم اس مزعومہ مرتبے کی کوئی سند اور دلیل بھی

---

[1] المصدر السابق (٢/ ١٨) شیعہ علما کی صراحت کے مطابق یہ حدیث صحیح سند والی ہے۔ دیکھیں: الشافي (٥/ ٥٩) یہ حدیث مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے: تفسیر العیاشي (١/ ١٩١) البرهان (١/ ٣٠٣) بحار الأنوار (١/ ٣٩٤)

[2] مجلسی کہتا ہے کہ چار اشیا میں رخصت سے مراد سفر میں نماز قصر کرنا، بیماری اور سفر میں روزہ چھوڑ دینا اور طاقت نہ ہونے پر حج اور زکات ادا نہ کرنا ہے۔ (مرآة العقول (٤/ ٣٦٩)

[3] أصول الکافي (٢/ ٢٢) مجلسی نے کہا ہے: "حدیث صحیح" یعنی شیعہ کے اصول کے مطابق یہ روایت صحیح ہے۔ (مرآة العقول: ٤/ ٣٦٩)

[4] ابن بابویه: الخصال (ص: ٦٠٠۔ ٦٠١) بحار الأنوار (٢٣/ ٦٩)

[5] الحمیری: قرب الإسناد (ص: ١٢٣) بحار الأنوار (٢٣/ ٦٩)

[6] هادي الطهراني: ودایع النبوة (ص: ١١٥) نیز دیکھیں: محمد حسین آل کاشف الغطا: رسالة عین المیزان (ص: ٤)

ہے کہ نہیں؟ قرآنِ کریم اسلام کی کتابِ عظیم بار بار ارکانِ اسلام ذکر کرتی ہے اور تاکید کے ساتھ ذکر کرتی ہے کہ وہ شہادتین، نماز، روزہ، زکات اور حج ہیں، لیکن اس میں شیعہ کے ائمہ کی ولایت کے متعلق کچھ بھی مذکور نہیں۔

نظریہ امامت کی راز داری:

شیعہ کے مفہوم میں امامت کا مسئلہ اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ اسلامی خلافت کے ارکان کو زمین بوس کرنے کے لیے ایک خفیہ نیٹ ورک قائم کیا گیا، جس نے اس مقصد کے لیے اپنے کارکنان کے لیے یہ عقیدہ اور نظریہ وضع کیا، اس لیے جونہی خلافتِ راشدہ کے عہد سعید میں اس کے چہرے سے نقاب اترا تو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف بڑا سخت گیر مگر حکیمانہ موقف اپنایا۔ چناں چہ انھوں نے ابن سبا کا تعاقب کیا، اس کو مدائن کی طرف جلا وطن کیا اور اسلامی معاشرے میں اس نے جو افکار پھیلانے کوشش کی، انھوں نے ان کی تردید کی۔ خود شیعہ کی کتابوں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔[1] لیکن بعد میں یہ جماعت (ابن سبا کے پیروکار) لوٹ آئی اور انھوں نے انتہائی راز دارانہ انداز میں اس نظریے کا پرچار شروع کر دیا۔

یہ گروہ علی رضا کے زمانے میں کہا کرتا تھا، جس طرح ان کی طرف یہ روایت منسوب کرنے سے ظاہر ہوتا ہے:

> "اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت کو راز دارانہ طریقے سے جبرائیل کے سپرد کیا، جبرائیل نے اس کو محمد (ﷺ) کے کان میں ڈال دیا، محمد (ﷺ) نے وہ خفیہ خفیہ علی کو دے دی اور علی نے اس کو جس کو اللہ نے چاہا، دے دیا، پھر تم اس کو پھیلاتے ہو۔ کون ہے وہ جس نے کسی حرف کو سنا تو اس کو روک لیا......؟"[2]

ابو جعفر نے کہا: آلِ داود کی حکمت و دانائی کی باتوں میں سے ایک یہ حکمت ہے:

> "مسلمان کو اپنے نفس کا مالک ہونا چاہیے، ذات کی اصلاح پر توجہ رکھنی چاہیے، اپنے اہلِ زمانہ کی معرفت ہونی چاہیے، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور ہماری بات نہ پھیلاؤ۔"[3]

یہ روایت اشارہ دیتی ہے کہ ولایت اصلاً تنزیل الٰہی میں اسرار اور خفیہ امور میں داخل ہے اور اس کے بارے میں اظہارِ خیال سے خبردار کیا گیا ہے۔ یعنی اسلام کے ترقی یافتہ عہد زریں میں ولایت اور اس کے

---

[1] دیکھیں: القمي: القالات والفرق (ص: ٢٠) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٢٢۔ ٢٣) اور "رجال الکشي" (ص: ١٠٧) میں مذکور ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابن سبا کو قتل کر دیا تھا۔

[2] یعنی ایسا کوئی نہیں۔ (المازندراني: شرح جامع: ٩/ ١٢٣)

[3] أصول الکافي (٢/ ٢٢٤)

معاملے کے متعلق کسی آواز کی شنوائی نہیں...شارح کافی اس کی یہ علت بیان کرتا ہے:

''جب ان کے زمانے میں تقیہ شدت اختیار کر گیا تو انھوں نے اپنے شیعہ کو اپنے اسرار، امامت، احادیث اور ان کے مذہب کے خصوصی احکام سب کچھ چھپانے کا حکم دے دیا۔''[1]

کلینی کی اس حدیث: ''ہمارا راز افشا نہ کرو نہ ہمارا معاملہ نشر کرو۔''[2] کی شرح میں شارح کافی کہتا ہے:

''یہ امامت اور خلافت کا معاملہ ہے۔''[3] ایک دوسری حدیث میں ہے، جس کو وہ جعفر کی طرف منسوب کرتے ہیں:

''ہماری بات نشر کرنے والا اس کا انکار کرنے والے کی طرح ہے۔''[4]

اس کے متعلق شارح کافی کہتا ہے:

''جان لو! ان کو دشمنانِ دین سے اپنی اور شیعہ کی جان کا خوف تھا۔ وہ ان کی وجہ سے شدید تقیے کی کیفیت میں تھے، اس لیے انھوں نے اپنی امامت یا اپنے آبا کی امامت پر دلالت کرنے والی خبر کو پھیلانے سے منع کر دیا۔''[5]

ان کے درمیان راز داری قائم رکھنے کے لیے ایک دائمی میثاق تھا، انھوں نے کہا ہے:

''ہمارا معاملہ مخفی اور میثاق کے نقاب میں محفوظ ہے۔[6] جس نے ہمارا پردہ چاک کیا، اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔''[7]

شیعہ کی بعض روایات ولایت کے راز کے افشا کے آغاز کی تعیین میں ذکر کرتی ہیں کہ یہ کام کیسانیہ فرقے کے ہاتھوں ہوا۔ ایک روایت میں ہے:

''ہمارا راز چھپا ہوا تھا کہ یہ کیسان[8] کی اولاد کے ہاتھ لگا تو انھوں نے اس کو گلی بازار اور مضافات

---

[1] المازندراني: شرح جامع (٩/ ١١٨)

[2] أصول الكافي (٢/ ٢٢٢)

[3] المازندراني: شرح جامع (٩/ ١١٩)

[4] أصول الكافي (٢/ ٢٢٤)

[5] شرح جامع (١٠/ ٢٦)

[6] کافی کے محقق نے یہاں حاشیے میں کہا ہے کہ میثاق سے مراد وہ عہد ہے، جو اللہ اور اس کے رسول نے ائمہ علیہم السلام سے لیا تھا کہ اس معاملے کو دوسروں سے چھپا کر رکھیں۔ (أصول الكافي: ٢/ ٢٢٧، حاشيه: ١)

[7] أصول الكافي (٢/ ٢٢٧)

[8] کیسان: مختار بن ابی عبید کا لقب ہے، جس کی طرف کیسانی فرقہ منسوب ہے۔ شرح جامع على الكافي (٩/ ١٢١۔ ١٢٢)

کوفہ و بصرہ کی بستیوں میں موضوعِ سخن بنا دیا۔‘‘[1]

یہ جماعت جس نے سبائی منہج کے مطابق ولایت کے بنیادی تانے بانے بنے، یہ اپنے پیروکاروں کو یہ نصیحت کرنا قطعاً نہیں بھولی کہ وہ لوگوں کے درمیان اپنے افکار پھیلانے کے لیے متعدل شیعہ رجحان کا لبادہ پہنے رکھیں۔ اصولِ کافی میں مذکور ہے:

’’اپنی زبانیں روکے رکھو اور اپنے گھروں میں دبکے رہو، تو تمھیں مخالفین سے قطعاً کوئی ضرر نہیں کہ پہنچے گا اور تمھارا معاملہ تمھی تک مخصوص رہے گا اور زیدیہ تمھارے لیے ہمیشہ ڈھال رہیں گے۔‘‘[2]

اس میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ زیدیہ کو طلبِ ولایت کے اظہار کی پاداش میں موردِ الزام ٹھہرایا جائے گا اور ان کی پکڑ دھکڑ ہوگی اور تم تقیے کو اپنائے رکھنے کی بنا پر بچ جاؤ گے، جس طرح شارح کافی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔[3] اگر ولایت، نبوت کی ہم جولی یا اس سے بھی بڑھ کر اہمیت رکھتی ہے تو پھر یہ خفیہ اور راز داری میں کیوں لپٹی ہوئی ہے؟ حتی کہ رسول کریم ﷺ بھی، جن کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان پر جو نازل ہوا ہے اس کی تبلیغ کریں، اس کو چھپا رہے ہیں اور بڑے راز دارانہ انداز میں اسے علی کے سپرد کر رہے ہیں، پھر علی جس کو چاہیں اس کے سپرد کر دیں۔ یہ روایت ان اشخاص کی تعیین بھی نہیں کرتی، جن کو حضرت علی نے رازِ امامت سپرد کیا اور معاملہ ان کی مرضی پر چھوڑ رہی ہے کہ وہ جس کو چاہیں منتخب کر لیں، لیکن حضرت علی کے علاوہ کسی کے پاس اختیار نہیں! اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ولایت جو شیعہ کے نزدیک نجات کا قانون، قبولیتِ اعمال کی بنیاد اور کفر و ایمان کے درمیان فیصل قاطع ہے، اتنی دیر خفیہ کیوں رہی کہ اس کو کیسان کی اولاد نے پھیلانے کی ذمے داری سنبھالی...! پھر وہ اس کام کو اس اصل حکم سے خروج قرار دیتے ہیں، جس کا انھیں حکم دیا گیا تھا!

یہ تمام عبارات اور روایات اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ اس نظریے کے خالق امت کے دشمن ہیں، انھوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس مسئلے کو استعمال کیا، پھر بڑی مشاقی سے اس کو راز داری اور پوشیدگی کی فضا میں گھیر کر آلِ بیت کی طرف منسوب کر دیا، تاکہ وہ ان لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا سکیں، جن کو بعض علمائے آلِ بیت کے ساتھ پیش آنے والے المناک حادثات نے دکھی کر دیا، جن کا ایک اہم سبب تشیع کے لبادے میں چھپے بیٹھے یہ کینہ پرور گروہ بھی تھے۔

---

[1] أصول الكافي (٢/ ٢٢٣)

[2] أصول الكافي (٢/ ٢٢٥)

[3] شرح جامع (٩/ ١٢٦)

ائمہ کو ایک متعین تعداد میں محصور کر دینا:

ابن سبا وصیتِ امامت کو حضرت علی تک محدود رکھتا تھا، لیکن اس کے بعد ایسے لوگ آئے، جنھوں نے اس کو حضرت علی کی اولاد کے کئی افراد تک وسعت دے دی۔ شیعہ جماعتیں اور نیٹ ورکس بڑی رازداری اور مکمل خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں لگے ہوئے تھے، اس کے باوجود جب ان کے یہ کچھ دعوے آلِ بیت کے چند افراد تک پہنچ جاتے تو وہ اپنے جد امجد حضرت علی کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے بڑی شدت کے ساتھ ان کی تردید کرتے، چناں چہ ان کذابوں نے اہلِ بیت کی نسبت عقیدہ تقیہ اختراع کر لیا، تاکہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ اپنے افکار پھیلا سکیں اور ان کو پیروانِ مذہب کا اہلِ بیت کے سچے اور سرعام پیش کردہ افکار سے متاثرہ ہونے کا کوئی خدشہ نہ ہو۔

شیعہ کی ایک اہم کتاب "رجال الکشي" میں یہ روایت ذکر ہوئی ہے، جو یہ انکشاف کرتی ہے کہ شیطان الطاق[1] وہ شخص تھا، جس نے یہ قول مشہور کرنا شروع کر دیا کہ امامت آلِ بیت کے مخصوص افراد میں منحصر ہے۔ جب زید بن علی کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اس افواہ کی حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے اس کے پاس پیغام بھیجا۔ انھوں نے اس سے کہا: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم یہ خیال کرتے ہوئے کہ آلِ محمد میں ایک امام ہے، جس کی اطاعت فرض کی گئی ہے؟ شیطان الطاق نے جواب دیا: ہاں، اور تمھارا باپ علی بن حسین ان میں ایک تھا، تو انھوں نے کہا: یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس کے پاس روٹی کا ایک گرم لقمہ لایا جاتا، وہ اس کو اپنے ہاتھ سے ٹھنڈا کرتا اور میرے منہ میں ڈالتا۔ تمھارا کیا خیال ہے کہ وہ جو میرے لیے روٹی کا گرم ٹکڑا برداشت نہیں کرتا تھا، میرے لیے جہنم کی گرمی برداشت کرتا؟!

> شیطان الطاق نے کہا: میں نے ان سے کہا: اس نے یہ بات اس خوف کے پیشِ نظر تجھ کو بتانے سے گریز کیا کہ کہیں تم انکار کر کے کفر کا ارتکاب نہ کر لو اور اس کے پاس تمھاری شفاعت کا اختیار بھی نہ رہے اور تجھے جنت میں داخل کرنے کی اللہ کی بھی مشیت نہ رہے۔''[2]

کلینی کی کتاب کافی کی ایک روایت میں ہے:

''زید بن علی نے ابوجعفر سے کہا: اے ابوجعفر! میں اپنے باپ کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتا تو وہ مجھ

---

[1] شیعہ اس کو ''مومن طاق'' کا لقب دیتے ہیں۔ (دیکھیں: رجال الکشي: ص: ۱۸۵) اس کے حالات کے لیے اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۲۳۳) دیکھیں۔

[2] رجال الکشي (ص: ۱۸۷)

کوگھی والا ٹکڑا کھلاتے اور مجھ پر شفقت کرتے ہوئے گرم لقمہ ٹھنڈا کر کے دیتے، لیکن انھوں نے مجھ پر جہنم کی گرمی سے ترس نہیں کھایا، کیوں کہ انھوں نے تجھ کو دین کے بارے میں بتا دیا اور مجھے نہیں بتایا؟ تو شیطان الطاق نے ان کو جواب دیا: میری جان آپ پر فدا ہو! انھوں نے آپ پر جہنم کی گرمی سے ترس کھا کر ہی آپ کو یہ نہیں بتایا، ان کو یہ خوف محسوس ہوا کہ اگر آپ نے اس کو قبول نہ کیا تو دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور انھوں نے مجھے بتا دیا، اگر میں قبول کر لوں تو نجات پا جاؤں گا اور اگر قبول نہ کروں تو انھیں اس کی کوئی پروا نہیں کہ میں جہنم میں داخل ہو جاؤں۔''[1]

استاذ محبّ الدین خطیب اس عبارت کو "تنقيح المقال للممقاني"[2] سے نقل کرتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شیطان الطاق ہی وہ پہلا شخص ہے، جس نے یہ گمراہ کن عقیدہ ایجاد کیا، امامت اور تشریع کو محصور و محدود کر دیا اور آلِ بیت میں سے مخصوص افراد کے لیے عصمت کا دعویٰ کر دیا۔[3]

اسی طرح محبّ الدین خطیب نے مختصر تحفہ اثنا عشریہ پر اپنی تعلیق میں بھی ''تنقیح المقال'' سے یہی روایت نقل کی ہے اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

''اس طرح شیطان الطاق نے امامت کا یہ جھوٹ اختراع کیا، جو شیعہ کے ہاں دین کے اصول میں داخل ہو چکا ہے۔ اس نے امام زین العابدین علی بن حسین کو یہ الزام دیا کہ انھوں نے دین کی اساس کو چھپا دیا، حتی کہ اپنے بیٹے سے بھی جو آلِ محمد کے چنیدہ افراد میں تھے۔

اسی طرح اس نے امام زید پر یہ تہمت لگائی ہے کہ وہ اپنے باپ کی امامت پر ایمان لانے کی قابلیت میں خسیس ترین شیعہ کے درجے پر بھی نہیں۔ شیعہ خود اس روایت کو اپنے معتبر ترین مصادر میں روایت کرتے ہیں اور اس میں یہ اعلان و اظہار کرتے ہیں کہ شیطان الطاق بڑی ڈھٹائی سے یہ خیال پیش کرتا ہے کہ وہ امام زید کے والد کے بارے میں ان کے دین کی اصل کے متعلق وہ کچھ جانتا ہے، جو امام زید بھی اپنے والد کے متعلق نہیں جانتے۔ شیطان الطاق کے بارے میں یہ سب بہت زیادہ نہیں۔ اس سے جاحظ نے نقل کیا ہے کہ اس نے امامت کے بارے میں اپنی کتاب میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ نہیں کہا:

---

[1] أصول الكافي (١/ ١٧٤)

[2] دیکھیں: تنقيح المقال (١/ ٤٧٠)

[3] مجلة الفتح (ص: ٥) العدد (٨٦٢) خاتمة العام الثامن عشر، ذوالحجة ١٣٦٧هـ

﴿ ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ ﴾ [التوبة:٤٠]

''جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے۔''[1]

شیعہ کی کتابیں ذکر کرتی ہیں کہ شیطان الطاق جو امامت کے متعلق باتیں اور بحث مباحثہ کرتا تھا اس کی جعفر کو خبر پہنچی تو انھوں نے کہا:

''اگر اس کے مخالفین میں سے کوئی ظریف اور بذلہ سنج اس کے ساتھ بحث کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے، راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: وہ کس طرح؟ تو انھوں نے کہا کہ وہ اس سے کہے: تم یہ جو بات کر رہے ہو، اس کے بارے میں اپنے امام کا کلام پیش کرو۔ اگر اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں پیش کرتا ہوں تو وہ جھوٹ بولے گا اور اگر وہ کہے: نہیں، تو پھر حریف اس سے کہے گا: تم وہ بات کس طرح کہہ رہے ہو جو تمھارے امام نے کہی ہی نہیں؟ پھر جعفر صادق نے کہا: یہ ایسی باتیں کرتے ہیں، اگر میں ان کا اقرار کرلوں اور ان کو پسند کروں، تو میں گمراہی پر قائم ہو جاؤں گا اور اگر ان سے براءت کا اظہار کروں تو یہ مجھ پر گراں گزرے گا، ہم تھوڑے ہیں اور ہمارے دشمن زیادہ۔

''راوی کہتا ہے: میں آپ پر قربان ہو جاؤں! کیا میں آپ کی بات اس تک پہنچا دوں؟ انھوں نے کہا: بات یہ ہے کہ وہ ایسے معاملے میں داخل ہو چکے ہیں کہ ان کو اس سے رجوع کرنے میں حمیت اور تعصب مانع ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے یہ بات ابوجعفر احول تک پہنچائی تو اس نے جواب دیا: خدا کی قسم! مجھے اس سے رجوع کرنے میں حمیت کے علاوہ اور کوئی چیز مانع نہیں۔''[2]

شیطان الطاق کے ساتھ ہشام بن حکم (المتوفی ۱۷۹ھ) نامی ایک شخص بھی اس امر میں شریک ہے، جس کا تعارف گزر چکا ہے۔ بلکہ قاضی عبدالجبار ہمدانی کی تو یہ رائے ہے کہ اسی شخص نے وصیت کا دعویٰ کیا تھا اور لوگوں کی حضرت ابوبکر و عمر، عثمان اور مہاجرین و انصار پر سب و شتم کرنے کے لیے ہمت بڑھائی۔ ہشام بن حکم ہی نے اس کا آغاز کیا اور اس کی ایجاد کی۔ اس سے پہلے کسی نے بھی اس وصیت اور نص کا دعویٰ نہیں کیا۔[3]

---

[1] دیکھیں: مختصر التحفة الاثنى عشرية (ص: ١٩٥۔ ١٩٦، حاشيه) جاحظ کی شیطان طاق سے نقل کردہ یہ بات گذشتہ صفحات (۲۳۲) میں گزر چکی ہے۔

[2] رجال الكشي (ص: ١٩٠۔ ١٩١)

[3] تثبيت دلائل النبوة (١/ ٢٢٥) شاید قاضی صاحب کی وصیت سے مراد اہلِ بیت کے مخصوص افراد و اشخاص کی تعیین ہے، کیوں کہ صرف حضرت علی کے بارے میں نص اور تعیین کا دعویٰ تو اس سے پہلے ابن سبا نے کر دیا تھا۔

"رجال الكشي" کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہشام بن حکم کی مسئلۂ امامت کے لیے سازش کی خبر ہارون الرشید تک پہنچی تھی، کیوں کہ ان سے یحییٰ برمکی نے کہا تھا:

"امیر المومنین! میں نے ہشام کے معاملے کی چھان پھٹک کی ہے، اس کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کی زمین میں آپ کے علاوہ بھی کوئی امام ہے، جس کی اطاعت فرض ہے۔ انھوں نے کہا: سبحان اللہ! اس نے کہا: ہاں! بلکہ اس کا یہ زعم ہے کہ اگر وہ اس کو خروج کا حکم دے گا تو وہ خروج کرے۔"[1]

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہارون الرشید یہ بات سن کو چونک گیا، جو اس کے نئے شے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ہشام بن حکم نے یہ بات بھی پھیلا دی کہ امامت کے بارے میں وہ جو کچھ کہتا ہے، وہ موسیٰ کاظم کے حکم سے کہتا ہے۔ اس نے ان کو یہ الزام دے کر ان کے ساتھ بہت زیادہ برا کیا اور اس پاداش میں خلیفہ مہدی نے ان کو قید میں ڈال دیا، پھر نکال دیا اور ان سے یہ وعدہ لیا کہ وہ اس پر خروج کریں گے نہ اس کی اولاد ہی میں سے کسی کے خلاف بغاوت کریں گے تو انھوں نے جواب دیا:

"خدا کی قسم! یہ میری شان ہے نہ میرے دل میں اس کا کوئی خیال ہی پیدا ہوا ہے۔"[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ موسیٰ کاظم رحمہ اللہ پر بادشاہت پر نظر لگائے بیٹھنے کا الزام تھا، اس لیے ان کو پہلے مہدی پھر ہارون الرشید نے قید میں ڈال دیا تھا۔[3] بہ ظاہر یہی لگتا ہے کہ ان کے خلاف خفیہ طور پر اس افواہ کو پھیلانے والا یہی ہشام بن حکم اور اس کے جال میں آئے ہوئے لوگ تھے۔ لہٰذا شیعہ کی روایات یہ اقرار کرتی ہیں کہ موسیٰ کی قید کا سبب ہشام بن حکم تھا، جو امامت اور اس کے استحقاق کے متعلق ان کی طرف سے باتیں بنا کر پیش کرتا، اس لیے جب ہارون کو ہشام کے بارے میں ایسی باتوں کا علم ہوا تو اس نے اپنے عامل سے کہا: اس کو اور اس کے ساتھیوں پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا، پھر اس نے ابو الحسن موسیٰ کی طرف کسی کو بھیج کر گرفتار کیا اور قید میں ڈال دیا، چنانچہ ان کے دیل کی سلاخوں کے پیچھے جانے کے اسباب میں سے ایک یہ سبب بھی تھا۔"[4]

---

[1] رجال الكشي (ص: ٢٥٨)

[2] ابن كثير: البداية والنهاية (١٠/ ١٨٣)

[3] منهاج السنة (٢/ ١٥٥)

[4] رجال الكشي (ص: ٢٦٢)

بلکہ شیعہ روایات و عبارات نے ہشام کو موسیٰ کاظم کے قتل میں شراکت کا مورد الزام ٹھہرایا ہے،[1] چناں چہ روایت کہتی ہے: ''ہشام بن حکم گمراہ اور گمراہ کن ہے، یہ ابوالحسن کو قتل کرنے میں شریک تھا۔''[2]

ابوالحسن نے اس سے التماس کی، جس طرح ان کی روایات کہتی ہیں کہ وہ ایسے کلام سے رک جائے، وہ ایک مہینا خاموش رہا، پھر اپنی پرانی روش پر چل نکلا تو اس سے ابوالحسن نے کہا:

''کیا تم کسی مسلمان آدمی کے خون بہانے میں شریک ہونے سے خوش ہوگئے؟ اس نے کہا: نہیں، تو انھوں نے کہا: پھر تم میرے خون میں کس طرح شریک بننا پسند کرو گے؟ اگر تم خاموش رہے تو صحیح، وگرنہ (میرا) ذبح ہونا مقدر ہوگا۔ لیکن وہ خاموش نہ ہوا، حتی کہ وہ اپنے انجام تک پہنچ گئے۔''[3]

اس لیے ابوالحسن رضا نے کہا، جس طرح شیعہ کتب روایت کرتی ہیں:

''ہشام بن حکم ہی وہ شخص ہے، جس نے ابوالحسن کے ساتھ وہ کیا جو کیا، اسی نے ان کو بتایا اور ان کی خبر دی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ اس کو معاف کر دے گا، جو اس نے ہمارے ساتھ بدسلوکی کی ہے؟''[4]

شیعہ کتب یہ انکشاف بھی کرتی ہیں کہ ہشام نے بعض زنادقہ کی گود میں تربیت پائی۔ رجال الکشی میں ہے: ''ہشام ابوشاکر کے لونڈوں میں سے ہے اور ابوشاکر زندیق ہے۔''[5]

ان ساری باتوں کے باوجود شیعہ کا عصر حاضر کا ایک آیت اللہ ان تمام مصائب کے ذمے دار، جن کو شیعہ کی ثقہ ترین کتبِ رجال نے نقل کیا ہے، اس ہشام کے بارے میں کہتا ہے:

''ہمارے اسلاف میں سے کسی کو کوئی ایسی چیز نہیں ملی، جو حریف نے اس کی طرف منسوب کی ہے ...''[6]

خدا معلوم، حقیقت میں یہ بات اس سے مخفی رہی ہے یا وہ تقیے کی ڈھال میں اس کا انکار کر رہا ہے؟ کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ لوگوں کو شاید اس کا علم نہیں، جو ان کی کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ ہشام بن حکم، شیطان الطاق اور ان دونوں کے پیروکار ہی وہ لوگ ہیں، جنھوں نے امیر المومنین حضرت علی کے متعلق ابن سبا کے

---

[1] کیوں کہ شیعہ کا دعویٰ ہے کہ انھیں ہارون کی جیل میں زہر خورانی کے ذریعے قتل کیا گیا تھا۔

[2] رجال الكشي (ص: ٢٦٨)

[3] المصدر السابق (ص: ٢٧٠۔ ٢٧١، ٢٧٩)

[4] رجال الكشي (ص: ٢٧٨)

[5] المصدر السابق (ص: ٢٧٨) ابوشاکر دیصانی، فرقہ دیصانیہ کا سربراہ ہے، اس کا تعارف گذشتہ صفحات (۲۳۱) میں گزر چکا ہے۔ اسی نے ہشام بن حکم کو گمراہ کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ دیکھیں: الرافعي: تحت راية القرآن (ص: ٢١٣)

[6] عبد الحسين الموسوي: المراجعات (ص: ٣١٣)

نظریے کو زندہ کیا، پھر اس کو آلِ بیت کی نسل سے دوسروں تک پھیلا دیا اور اہلِ بیت کو جن بعض حادثات کا سامنا کرنا پڑا، جیسے، علی و حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت، ان کو انھوں نے لوگوں کے جذبات و احساسات کو انگیخت کرنے اور ان کے ساتھ کھیلنے کے لیے استعمال کیا اور سلطنت اسلامی کے خلاف اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے اس پردے کے سائے میں لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی۔[1] چناں چہ معلوم ہوتا ہے کہ ہشام اور شیطان کے پیروکاروں کے ہاتھوں، امامت کو مخصوص افراد میں محصور کرنے کا عقیدہ، کوفہ میں سرایت کر گیا۔

اسلامی معاشرے میں جن لوگوں کے سامنے یہ عقیدہ پیش کیا گیا، ان میں سے چند افراد جعفر کے پاس اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ الکشی اپنی سند کے ساتھ سعید اعرج سے روایت کرتا ہے کہ وہ کہتا ہے:

''ہم ابوعبداللہ کے پاس بیٹھے تھے کہ دو آدمی اجازت لے کر حاضر ہوئے، ایک نے کہا: کیا تم میں وہ امام ہے، جس کی اطاعت فرض کی گئی ہے؟

''انھوں نے کہا: میں اپنے خاندان میں کسی ایسے کو نہیں جانتا۔ اس نے کہا: کوفہ میں کچھ لوگ ہیں، جن کا یہ دعویٰ ہے کہ تم میں ایک امام ہے، جس کی اطاعت فرض کی گئی ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے، وہ بڑی متقی اور عبادت گزار ہیں، ان میں ایک عبداللہ بن یعفور اور فلاں، فلاں ہیں۔ ابوعبداللہ نے کہا: میں نے نہ ان کو اس کا حکم دیا ہے، نہ یہ کہا ہے کہ وہ یہ بات کہیں۔''[2]

اس نے کہا: میرا کیا گناہ ہے؟ پھر ان کا چہرہ غصے سے لال بھبوکا سا ہوگیا۔ راوی کہتا ہے: جب انھوں نے ان کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے تو چلتے بنے۔ انھوں نے کہا: کیا تم ان دونوں آدمیوں کو جانتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں، یہ دونوں زیدیہ ہیں۔''[3]

معلوم ہوا کہ اہلِ بیت کے ساتھ تعلق خاطر رکھنے کا دعویٰ کرنے والے شیطان الطاق اور ہشام بن حکم جیسے افراد کے ہاتھوں دوسری صدی میں ائمہ کو مخصوص تعداد میں محصور کرنے کے نظریے کے بیج بوئے گئے تھے۔ ائمہ کی تعداد کے بارے میں بھی شیعہ کے مذاہب اور رجحانات میں اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے۔ مختصر تحفہ اثنا عشریہ میں ہے:

---

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (۱۰۰/ ۲۵۹)

[2] اس عبارت میں بین السطور یہ باور کروایا جا رہا ہے کہ جعفر کا انکار تقیے کی بنا پر تھا!!

[3] رجال الکشي (ص: ٤٢٧)

''جان لو! امامیہ ائمہ کو مخصوص افراد میں منحصر کرنے کے قائل ہیں، لیکن ان کا ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض پانچ کہتے ہیں، بعض سات، بعض آٹھ، بعض بارہ اور کچھ تیرہ۔''[1]

شیعہ کے اس باب میں لا تعداد اقوال ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں کتبِ فرق سے ان کے اس مسئلے میں رجحانات اور افکار نقل کرنا شروع کر دوں تو ان کے ایک ہی ڈھنگ کے کثرتِ اختلاف کی وجہ سے قاری پڑھتے پڑھتے اکتا جائے گا اور مطالعہ چھوڑ دے گا، کیوں کہ اہلِ بیت کے ہر امام کی وفات کے بعد کئی فرقے جنم لے لیتے ہیں، کچھ اسی پر توقف کرتے ہیں اور ائمہ کی تعداد اسی پر ختم کرتے ہیں اور کچھ امام بنانے کے لیے آلِ بیت میں سے کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لیتے ہیں، اس کو ذریعہ آمدن بناتے ہیں، اپنے دل میں خوابیدہ سابقہ قومی، دینی یا نسل پرستی پر مبنی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں یا پھر اس کے پردے میں اپنے مقاصد اور نفرتوں کو رو بہ عمل لاتے ہیں۔

قاری کو ان تمام باتوں سے آگاہ ہونے کے لیے کتبِ فرق کا مطالعہ ہی کافی ہے، بلکہ خود شیعہ کی کتبِ فرق نے بھی اس تباین اور تضاد کی تصویر کشی کی ہے، چاہے اسماعیلیہ کی کتابوں سے ہوں، جیسے ناشی اکبر کی "مسائل الإمامة" یا ابو حاتم رازی کی "الزينة" یا اثنا عشریہ کی کتابوں سے ہوں، جیسے: اشعری قمی کی "المقالات والفرق"، نوبختی کی "فرق الشيعة"، یا زیدیہ کی کتابوں سے ہوں، جیسے مرتضٰی کی "المنية" اور "الأمل" ہیں۔

شیعہ کے نزدیک مسئلہ امامت کوئی فرعی مسئلہ نہیں کہ جس میں اختلاف ایک عام نوعیت کی چیز ہو، بلکہ یہ ان کے دین کی اساس اور اس کی مضبوط بنیاد ہے، جو ان کے امام پر ایمان نہیں رکھتا، اس کا کوئی دین نہیں۔ اس لیے وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں، بلکہ ایک ہی امام کے پیروکار ایک دوسرے پر کفر اور لعنت کی بوچھاڑ کرتے ہیں،[2] تاہم اثنا عشریہ کا قول بعد میں ائمہ کو بارہ کی تعداد میں محصور و محدود کرنے پر ایک ہوگیا ہے۔

امام ابن تیمیہ ذکر کرتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کی عترت، بنی ہاشم میں سے کوئی بھی عہدِ رسالت اور ادوارِ خلافت راشدہ میں بارہ کی امامت کا قائل نہیں تھا۔''[3]

---

[1] مختصر التحفة (ص: ١٩٣)

[2] اسی لیے وہ اس سے شکوہ کناں رہے ہیں۔ دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٤٩٨۔ ٤٩٩) نیز دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٧٩٨، ٧٩٩)

[3] منهاج السنة (٢/ ١١١)

بلکہ بارہ اماموں کی امامت کا اعتقاد حسن عسکری کی وفات کے بعد معروف ہوا، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[1] آپ اثنا عشریہ کی کچھ روایات میں ائمہ کی تعداد کے بارے میں حیرت اور تردد کے آثار ملاحظہ کریں گے، جو اس حقیقت کی دلیل ہے کہ یہ روایات حسن عسکری کی وفات سے پہلے ہی وضع کر لی گئی تھیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بارہ اماموں کی امامت کا عقیدہ معروف نہیں ہوا تھا، جن کی طرف اثنا عشریہ مذہب منسوب ہے یا بات یہ ہے کہ یہ روایات جعفریہ کے ہاں اس عقیدے کی تحدید سے پیشتر وضع کی گئیں، تاہم یہ روایات اثنا عشری رجحانِ فکر پر کی گئی واضح تنقید ہیں۔

کافی کی روایات میں ذکر ہوا ہے کہ حضرت علی جس کو چاہیں رازِ امامت اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔[2] شارح کافی کہتا ہے: ''ائمہ معصومین میں سے جس کو چاہیں۔''[3]

یہ روایت تعداد کی تحدید کرتی ہے نہ کسی شخص کی تعیین ہی کرتی ہے، گویا جس دورانیے میں یہ روایت وضع کی گئی، اس وقت تک معاملہ ابھی غیر محکم تھا، جب کہ آپ کو ان کی ایسی روایات بھی ملیں گی، جو ائمہ کو سات قرار دیتی ہیں اور کہتی ہیں: ''ہمارا ساتواں ہمارا قائم ہوگا۔''[4]

اسماعیلیہ کا اس پر اتفاق اور ٹھہراؤ ہو چکا ہے، لیکن جب موسویہ یا قطعیہ کے نزدیک، جن کو اثنا عشریہ کا نام دیا گیا، ائمہ کی تعداد اس سے زیادہ ہوگئی، تو اس فرقے کے پیروکاروں کے دل میں یہ مذکورہ بالا روایت امامت کے عقیدے کے بارے میں مورد شک ہوگئی تو بانیانِ مذہب نے اس سے چھٹکارا پانے کی اپنی سی کوشش کی اور اس درج ذیل روایت سے ان کا شک دور کیا۔ داود رقی سے مروی ہے:

''میں نے ابوالحسن رضا رحمہ اللہ سے کہا: میں آپ پر فدا ہو جاؤں! خدا کی قسم! میرے دل میں آپ کے متعلق کوئی وسوسہ نہیں، مگر یہ ایک حدیث ہے، جس کو میں ذریح سے سنا ہے، وہ اس کو ابوجعفر سے روایت کرتا ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ہمارا ساتواں ۔ان شاء اللہ۔ ہمارا قائم ہوگا۔ اس نے کہا: تم نے بھی سچ کہا، ابو ذریح نے بھی اور ابوجعفر نے بھی۔ خدا کی قسم! میرا شک مزید بڑھ گیا، پھر انھوں نے کہا: اے داود بن ابو

---

[1] دیکھیں: (ص:۱۲۲)
[2] اس روایت کا ذکر گذشتہ صفحات (۷۰۰) میں ہو چکا ہے۔
[3] المازندراني: شرح جامع (۹/ ۱۲۳)
[4] رجال الكشي (ص: ۳۷۳)

کلدہ! خدا کی قسم! اگر موسیٰ علیہ السلام نے عالم سے یہ نہ کہا ہوتا: ﴿سَتَجِدُنِيٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ (تم مجھے ان شاء اللہ صابر پاؤ گے) تو وہ اس سے کچھ سوال نہ کرتا، ایسے ہی اگر ابوجعفر نے بھی ''ان شاء اللہ'' نہ کہا ہوتا تو ایسا ہوجاتا، جس طرح اس نے کہا تھا۔ اس نے کہا: تو میں نے ان کی امامت کا اقرار کرلیا۔''[1]

گویا وہ لوگ اس کو بدا (ظہور علم الٰہی) اور مشیت الٰہی میں تبدیلی قرار دیتے ہیں اور یہ ان کا ایک عقیدہ ہے، جس کی تفصیل آیندہ صفحات میں آئے گی۔ کیوں کہ وہ اس میں ان جیسے اقوال سے گلوخلاصی پانے کے لیے ذریعہ پاتے ہیں۔ شیعہ کی سب سے پہلی منصۂ شہود پر ظاہر ہونے والی کتاب ''سلیم بن قیس'' یہ فیصلہ کرتی ہے کہ ائمہ کی تعداد تیرہ ہے اور یہی بات اثنا عشریہ علما کے ہاں اس کتاب پر تنقید کا باعث بنی۔

اسی طرح آپ دیکھتے ہیں کہ کافی، جو ان کے چار معتبر کتابوں میں صحیح ترین ہے، بہت ساری ایسی روایات پر مشتمل ہے، جو یہ ذکر کرتی ہیں کہ ائمہ تیرہ ہیں۔ کلینی نے اپنی سند کے ساتھ ابوجعفر سے روایات کیا کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں اور میری اولاد سے بارہ امام اور تم اے علی! زمین کا بٹن یعنی اس کی میخیں اور پہاڑ ہو۔ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین کو لوگوں کو دھنسانے سے باندھ دیا ہے۔ جب میری اولاد سے بارہ چلے جائیں گے تو زمین اپنے اہلیان سمیت دھنس جائے گی اور ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔''[2]

یہ روایت بتاتی ہے کہ حضرت علی کے علاوہ ان کے ائمہ ۱۲ ہیں اور علی کے ساتھ تیرہ ہوجاتے ہیں اور یہ بات ان کی بنیادیں اڑا دیتی ہے۔ اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ کے عالم طوسی نے اپنی کتاب ''الغیبة'' میں، اس میں کچھ تصرف اور تبدیلی کر کے ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو ذکر کیا ہے: ''میں اور میری اولاد میں سے گیارہ۔''[3]

اسی طرح شیعہ کی کتابیں ابوجعفر عن جابر کی سند سے ذکر کرتی ہیں:

''انھوں نے کہا: میں حضرت فاطمہ کے پاس حاضر ہوا تو ان کے پاس ایک لوح تھی، جس میں ان کی اولاد میں سے اوصیا کے نام تھے۔ میں نے ان کو شمار کیا تو وہ بارہ تھے، آخری قائم تھا، تین ان میں محمد نامی اور تین ان میں علی نام کے تھے۔''[4]

---

[1] رجال الكشي (ص: ٣٧٣۔ ٣٧٤)

[2] أصول الكافي (١/ ٥٣٤)

[3] الطوسي: الغيبة (ص: ٩٢)

[4] أصول الكافي (١/ ٥٣٢) ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ٢٦٤) المفيد: الإرشاد (ص: ٣٩٣) الطوسي: الغيبة (ص: ٩٢)

چنانچہ دیکھیے! انھوں نے کس طرح اپنے تمام بارہ اماموں کو حضرت فاطمہ کی اولاد میں سے خیال کیا ہے، لہٰذا حضرت علی ان میں نہیں، کیوں کہ وہ حضرت فاطمہ کے شوہر ہیں، اولاد نہیں، یا پھر مجموعی طور پر تیرہ امام ہوں گے۔ ان کا یہ کہنا کہ ''تین ان میں علی ہیں'' یہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انھوں نے حضرت علی کو اپنے ائمہ میں شمار نہیں کیا، کیوں کہ اثنا عشریہ کے ہاں علی نام کے یہ چار امام ہیں: ① امیر المومنین حضرت علی۔ ② علی بن حسین۔ ③ علی رضا۔ ④ علی الہادی۔

اس لیے یوں لگتا ہے کہ ابن بابویہ نے اپنی کتاب "الخصال" میں اس روایت کے الفاظ میں تبدیلی کی ہے، کیوں کہ اس نے یہ الفاظ ''ان کی اولاد میں سے'' ذکر نہیں کیے، لیکن وہ باقی عبارت کی طرف متوجہ نہیں ہوا، جو یہ ہے کہ ''ان میں سے تین علی ہیں'' اس کو اس نے اسی طرح ذکر کیا ہے، جس طرح وہ اثنا عشریہ کے دیگر مصادر میں مذکور ہے۔[1] لیکن اس نے اپنی کتاب "عيون أخبار الرضا" میں اس روایت کو اپنے مذہب وموقف کے موافق بنانے کے لیے دو جگہوں میں تبدیل کیا ہے، یا اس کے علاوہ کسی دوسرے نے یہ تبدیلی کی ہوگی۔[2]

پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کے بعض علما نے محض اس وجہ سے کتابِ سلیم بن قیس کے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے کہ اس میں یہ ذکر ہے کہ ائمہ کی تعداد تیرہ ہے، لیکن اس نے یہی حکم کافی پر نہیں لگایا، جس میں اس جیسی بات ہی مذکور ہے۔ اس طرح ان دیگر مصادر کو بھی اس نے معاف ہی رکھا ہے، جو اس اندازِ فکر میں اس کے ساتھ شریک ہیں!

یہ قول کہ ائمہ تیرہ ہیں، شیعہ کا ایک فرقہ اسی کا قائل ہے، یہ نصوص اور روایات شاید اسی کے اثرات ہیں۔ طوسی نے اثنا عشری زاویہ فکر کے، جس کی طرف وہ خود بھی منسوب ہے، مخالفین کی تردید کرتے ہوئے اس فرقے کا ذکر بھی کیا ہے۔[3] اسی طرح نجاشی نے ''ہبۃ اللہ احمد بن محمد''[4] کے ترجمے میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ہر فرقہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہی حق پر ہے، اس کے ائمہ کی تعیین کی روایت متواتر ہے اور یہ اپنے علاوہ دوسرے فرقوں کو باطل قرار دیتا ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ کسی ٹھوس دلیل پر قائم نہیں، کیوں کہ اگر ایک

[1] دیکھیں: ابن بابويه: الخصال (ص: ٤٧٧۔ ٤٧٨)

[2] دیکھیں: ابن بابويه: عيون أخبار الرضا (٢/ ٥٢)

[3] الغيبة (ص: ١٣٧)

[4] اس نے ذکر کیا ہے کہ ہبت اللہ علم کلام حاصل کرتا اور ابو الحسن ابن شیبہ علوی زیدی المذہب کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا۔ اس نے اس کے لیے ایک کتاب بھی تیار کی اور ذکر کیا کہ ائمہ زید بن علی بن حسین سمیت تیرہ ہیں اور کتاب سلیم بن قیس الہلالی میں مذکور اس حدیث سے استدلال کیا کہ ''امیر المومنین کی اولاد سے ائمہ ١٢ ہیں۔'' (رجال النجاشي، ص: ٣٤٣)

فرقے کی خبر اور روایت بھی متواتر ہوتی تو ان کے درمیان قطعاً اختلاف رونما نہ ہوتا۔

یہ تمام مزاعم انھوں نے وقتی مصلحت کے پیشِ نظر تخلیق کیے اور اہلِ بیت کی طرف منسوب کر دیے ہیں۔ ہر گروہ اپنا امام نصب کر کے اس کی طرف بلاتا ہے، تاکہ اس ذریعے سے مزعومہ امام کے نام پر وہ اپنے پیروکاروں سے خمس، نذریں اور تحائف و ہدایا وصول کریں اور زندگی کے مزے لوٹیں۔ متاخرین نے بلا دلیل اوائل کی تقلید شروع کر دی اور گمراہی کے بھنور میں پھنس گئے:

﴿ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآئَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ﴾ [الصافات: ٦٩۔ ٧٠]

''بے شک انھوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔ تو وہ انھی کے قدموں کے نشانوں پر دوڑائے چلے جاتے ہیں۔''[1]

ائمہ کو متعین تعداد میں منحصر کرنے پر نقد و تبصرہ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ [النساء: ٥٩]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اولو الامر کو ایک مخصوص تعداد میں محصور نہیں کیا اور یہ بات بالکل واضح اور روشن ہے۔ شیعہ کے نزدیک ائمہ کی تعیین وتنصیب کا معاملہ دین کے تمام امور میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، بلکہ وہ نبوت کی ہجولی یا اس سے بھی عظیم تر ہے۔ اگر یہ اتنا ہی اہم ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کو کیوں بیان نہیں کیا اور ائمہ کے اسما و اعیان کا ذکر تک کیوں نہیں کیا؟

چناں چہ کتاب اللہ میں ان کے ائمہ کا کہیں ذکر ہے نہ ان کی تعیین میں کوئی صحیح اور متواتر روایت ہی مروی ہے۔ اگر کوئی ایسی دلیل موجود ہوتی تو شیعہ امام کی تعیین میں اتنی ٹھوکریں نہ کھاتے اور اختاں وخیزاں نہ رہتے۔

''نبی اکرم ﷺ نے مشہور اور ثابت شدہ احادیث میں والیانِ حکومت و ریاست کی کہیں معین تعداد مقرر نہیں کی۔ صحیح میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''میرے خلیل (ﷺ) نے مجھے یہ وصیت کی کہ میں سمع و طاعت بجا لاؤں، خواہ وہ کوئی اعضا بریدہ

---

[1] مختصر التحفة (ص: ٢٠٠)

حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔‘‘[1]

اس معنی ومفہوم کی کئی ایک احادیث ہیں۔[2] جہاں تک شیعہ کی کتابیں ہیں تو وہ ایسی روایت سے لبا لب بھری ہوئی ہیں، جو ائمہ کی بارہ میں تحدید کرتی ہیں، لیکن یہ بات یاد رہے کہ ان روایات کا خفیہ اور راز دارانہ تبادلہ ہوتا تھا اور ائمہ ان کے راویوں کی تکذیب کرتے تھے، جو ان کی صداقت پر شکوک کو جنم دیتی ہے، بالخصوص کتاب اللہ میں بھی، جس کی طرف ان کے ائمہ کی طرف منسوب اقوال میں بھی فیصلے کے وقت رجوع کا حکم دیا گیا ہے، ان روایات کا سوائے اس کے کوئی شاہد نہیں کہ اس کی باطنی تاویلات اور موضوع روایات کے ذریعے اس کی مفہوم سازی کی جائے۔

پھر آخر میں یہ موضوع روایات ہی شیعہ کا اہم سہارا رہ جاتی ہیں، جن کے جھوٹ ہونے پر تمام شواہد تاکیدی دلالت کرتے ہیں۔ ایسے ہی ان روایات کو جمع کرنے والے: صفار، ابراہیم قمی اور کلینی جیسے اوائل شیعہ، یہ وہ غالی لوگ تھے، جن کو اسلامی صفوف سے خارج سمجھنا ضروری ہے، کیوں کہ انھوں نے ہی قرآن کے ناقص اور تحریف کی خیالی کہانیاں اور تصوراتی افسانے نقل کیے ہیں، اس طرح یہ لوگ غیر دیانت دار اور ان کی کتابیں غیر معتبر ہیں۔

پھر ’’نهج البلاغة‘‘ جو شیعہ کی صحیح ترین کتاب ہے، اس میں بھی متعین شخصیات کے ساتھ بارہ اماموں کے نام مذکور نہیں، بلکہ اس میں تو ایسی بات منقول ہے جو ائمہ کی تعداد متعین کرنے کے نظریے کے بخیے ادھیڑ دیتی ہے۔ صاحبِ ’’نهج البلاغة‘‘ کہتا ہے:

’’لوگوں کا امیر ہونا ضروری ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد ...جس کی معیت میں دشمن کے ساتھ لڑائی کی جائے، راستے پر امن ہو جائیں اور اس کے ذریعے طاقت ور سے کمزور کا حق لیا جائے، تاکہ نیک راحت پائے اور فاجر سے سکون ہو جائے۔‘‘[1]

اس نے بھی ائمہ کی مخصوص تعداد متعین نہیں کی۔ شیعہ کہاں گھوم رہے ہیں، حالاں کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ’’نهج البلاغة‘‘ کے ایک ایک حرف کو سچا مانتے ہیں؟ ایسے ہی اس مسئلے میں شیعہ فرقوں کے اقوال میں اختلاف اور ائمہ کی تعداد اور ان کے اعیان و ذوات میں ان کے مذاہب میں تباین و تضاد، اس دعوے کی قلعی

---

[1] منهاج السنة النبوية (٢/ ١٠٥) **مذکورہ بالا حدیث** (صحيح البخاري مع الفتح: كتاب الأذان، باب إمامة المفتون والمبتدع (٢/ ١٨٨) رقم الحديث (٦٩٦) (صحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية (٢/ ١٤٦٧، ١٤٦٨) رقم الحديث (١٨٣٧) میں ہے۔

[2] جن میں سے کئی ایک شیخ الاسلام نے ذکر کی ہیں۔ دیکھیں: منهاج السنة (٢/ ١٠٥۔ ١٠٦)

[3] نهج البلاغة (ص: ٧٢)

کھول دیتے ہیں، کیوں کہ ہر گروہ دوسرے کے مزاعم اور خیالات کی تکذیب وتردید کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو لڑائی سے بچانے کے لیے خود ہی کافی ہے۔[1]

ائمہ کو ایک محدود تعداد میں منحصر کر دینا ایک ایسا مسئلہ ہے، جس کو عقل اور زمینی حقائق کی منطق بھی قبول نہیں کرتی، کیوں کہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ متعین تعداد ختم ہو جانے کے بعد کیا امت امام کے بغیر ہی رہے گی؟ کیوں کہ آپ دیکھتے ہیں کہ اثنا عشریہ کے ظاہر ہونے والے اماموں کا زمانہ اڑھائی صدیوں سے تھوڑا ہی زیادہ بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ ائمہ کو محدود تعداد میں متعین کرنے سے نکلنے کے لیے نیابتِ مجتہد کے مسئلے کے لیے مجبور ہوئے ہیں اور نیابت امام کی حدود میں بھی ان کا اختلاف ہے۔[2] لہٰذا عصرِ حاضر میں یہ لوگ اپنی اس اساس سے، جو ان کے دین کا قاعدہ ہے، مکمل طور پر فرار ہونے کے لیے لاچار ہو چکے ہیں اور انھوں نے سربراہِ مملکت کے چناؤ کے لیے انتخابی طریق کار کو مقرر کیا ہے، لیکن انھوں نے حصرِ تعداد کو چھوڑ کر حصرِ نوع کی راہ اختیار کر لی ہے اور ملک کی سربراہی شیعہ فقیہ تک محدود کر دی ہے، جسے ''ولایتِ فقیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔[3]

علاوہ ازیں ائمہ کی تعداد متعین کرنے کے سلسلے میں اثنا عشریہ ان روایات کے ساتھ ساتھ کتبِ اہلِ سنت میں مذکور روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

> ''بارہ امام ہوں گے۔ پھر آپ نے کوئی بات کہی، جو میں نہ سن سکا تو میرے باپ نے کہا کہ آپ نے یہ کہا ہے: وہ تمام کے تمام قریش سے ہوں گے۔'' یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔[4]

صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا:

> ''اسلام بارہ خلفا تک غالب رہے گا۔ پھر آپ نے کوئی بات کہی، جو میں سمجھ نہ سکا، میں نے اپنے باپ سے پوچھا: آپ نے کیا کہا؟ انھوں نے کہا: وہ تمام کے تمام قریش سے ہوں گے۔''[5]

ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں:

> ''یہ دین بارہ خلفا تک غالب اور مضبوط رہے گا۔''[6]

---

[1] جعفر صادق کے بعد بارہ اماموں کی امامت میں تشکیک کے متعلق ابو حاتم رازی اسماعیلی کی تحریر سے آگاہ ہونے کے لیے اس کی کتاب ''الزینة'' (ص: ۲۳۲۔ ۲۳۳ قلمی نسخه) ملاحظہ کیجیے۔

[2] دیکھیں: محمد مغنية: الخميني والحكومة الإسلامية (ص: ٦٨)

[3] دیکھیں: الخميني: الحكومة الإسلامية (ص: ٤٨)

[4] صحيح البخاري: كتاب الأحكام، باب الاستخلاف (٨/ ١٢٧)

[5] صحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب الناس تبع لقريش والخلافة في قريش (٢/ ١٤٥٣)

[6] المصدر السابق.

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''لوگوں کا معاملہ اس وقت تک چلتا رہے گا، جب تک ان کے بارہ لوگ حکمران بنیں گے۔''[1]

سنن ابو داود کی روایت میں ہے:

''یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا، جب تک تم پر بارہ خلفا رہیں گے، ان تمام پر امت کا اتفاق ہوگا۔''[2]

ابو داود نے اسود بن سعید عن جابر کی سند سے گذشتہ روایت کی طرح ہی ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے، جس میں یہ اضافہ ہے:

''جب آپ اپنے گھر لوٹ کر آئے تو آپ کے پاس قریش کے چند لوگ آئے اور پوچھا: پھر کیا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: قتل و غارت۔''[3]

اثنا عشریہ اس روایت کے ساتھ بھی تعلق خاطر رکھتے ہیں اور اس کو اہلِ سنت کے خلاف بہ طورِ دلیل بھی پیش کرتے ہیں، اس لیے نہیں کہ ان کا اہلِ سنت کی کتابوں میں مذکور احادیث پر ایمان ہے،[4] لیکن صرف جوابی الزام کے لیے، کیوں کہ وہ (اہلِ سنت) تو ان کو تسلیم کرتے ہیں۔

اس حدیث پر اگر مکمل غیر جانبداری اور موضوعیت کے ساتھ غور و فکر کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان بارہ کے متعلق اثنا عشریہ نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ منصبِ خلافت پر متمکن ہوں گے، ان کے عہد میں اسلام عزیز اور قوی ہوگا (کوئی اس کی طرف میلی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا) لوگوں کا ان پر اتفاق و اجماع ہوگا اور ان کے عہد میں لوگوں کے معاملات پرسکون اور درست سمت میں چلتے رہیں گے۔

لیکن یہ تمام اوصاف ان پر منطبق نہیں ہوئے، جن کے بارے میں اثنا عشریہ امامت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان میں صرف حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما وہ بھی بہت تھوڑی مدت کے لیے خلیفہ بنے ہیں، ان دونوں کے ادوار میں بھی امت اکٹھی نہیں ہوئی تھی، اس طرح خود شیعہ کی نگاہوں میں بھی، ان بارہ اماموں

---

[1] المصدر السابق (ص: ١٤٥٢)

[2] سنن أبي داود، کتاب المهدي (٤/ ٤٧١)

[3] المصدر السابق (٤/ ٤٧٢) امام بزار نے ایک دوسری سند سے یہ روایت ذکر کی ہے، جس میں ہے کہ پھر آپ ﷺ اپنے گھر واپس آ گئے تو میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: قتل و غارت۔ (ابن حجر: فتح الباري: ١٣/ ٢١١)

[4] دیکھیں: ان شیعہ علما نے اس روایت سے احتجاج کیا ہے: ابن بابویه: الخصال (ص: ٤٧٠) الطوسي: الغیبة (ص: ٨٨) الأربلي: کشف الغمة (ص: ٥٦۔ ٥٧) البیاضي: الصراط المستقیم (٢/ ١٠٠) شبر: حق الیقین (ص: ٣٣٨) السماوي: الإمامة (١/ ١٤٧) ان کے علاوہ بھی بہت زیادہ ہیں۔

میں سے کسی ایک کی مدت میں بھی امت کا معاملہ درست نہیں ہوسکا، بلکہ ابھی تک امت اسی خرابے اور فساد سے دوچار ہے، ان پر ظالم بلکہ کافر حکمران مسلط ہوتے رہے ہیں۔[1] خود ائمہ بھی اپنے دینی امور میں تقیے کی آڑ میں پناہ لیتے رہے ہیں۔[2]

امیر المومنین حضرت علی جب کرسیِ خلافت پر براجمان تھے، تب بھی ان کا دور دورِ تقیہ تھا، جس طرح شیعہ کے عالم مفید کا یہ صاف صاف کہنا ہے،[3] چناں چہ وہ قرآن کو ظاہر کر سکے نہ جملہ احکامِ اسلام کے مطابق فیصلے کر سکے، جس طرح نعمت اللہ جزائری نے اس بات کی وضاحت کی ہے۔[4] اور دین کے معاملے وہ صحابہ کرام کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر ان کی معاونت و خاطر داری کرتے رہے، جس طرح شیعہ کے عالم مرتضی یہ اقرار کرتا ہے۔[5] چناں چہ اس حدیث اور شیعہ کے مزاعم کے درمیان بعد المشرقین ہے۔

مزید برآں اس حدیث میں ائمہ کی یہ تعداد حصراً ذکر نہیں ہوئی، بلکہ یہ نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ ان کے زمانے میں اسلام غالب اور بلند ہوگا۔ بلاشبہہ خلفاے راشدین اور بنی امیہ کا زمانہ خلافت عزت و قوت کا زمانہ تھا، اس لیے شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

> ''اسلام اور اسلامی قانون بنی امیہ کے زمانے میں بعد والے زمانوں کی نسبت زیادہ وسیع اور غالب تھا، پھر انھوں نے اسی حدیث سے استشہاد کیا ہے کہ ''یہ امر (اسلام) بارہ خلفا تک عزیز و غالب رہے گا، وہ تمام قریش سے ہوں گے'' پھر کہا: اور ایسا ہی ہوا، چناں چہ ابوبکر، عثمان وعلی خلفا تھے، پھر وہ خلیفہ بنا، جس پر لوگوں کا اجماع ہوگیا اور اس کے لیے عزت وقوت لوٹ آئی۔ معاویہ اور اس کا بیٹا یزید، پھر عبد الملک، پھر اس کے چاروں بیٹے، ان میں عمر بن عبدالعزیز بھی ہیں۔ ان کے بعد جو نقص اور کمی واقع ہوئی، وہ آج تک موجود ہے۔'' اس کے بعد انھوں نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔[6]

---

(1) منهاج السنة (٤/ ٢١٠) المنتقىٰ مختصر منهاج السنة (ص: ٥٣٣) عنقریب شیعہ کی روایات کا ذکر ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تین کے سوا تمام لوگ مرتد ہوگئے تھے اور حسین کی وفات کے بعد بھی تین کے سوا تمام لوگ مرتد ہوگئے تھے۔

(2) مختصر الصواقع (ص: ٢٣١) مخطوط.

(3) اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٦١) دیکھیں۔

(4) اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٢٢٨) دیکھیں۔

(5) اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٤٥٤) دیکھیں۔

(6) منهاج السنة (٤/ ٢٠٦)

ہم دیکھتے ہیں کہ اثنا عشریہ آخری زمانے تک ولایتِ منتظر کے دوام کے قائل ہیں، ان کے نزدیک کوئی زمانہ بھی بارہ اماموں میں سے کسی امام سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہی ہے، تو زمانے میں دو انواع باقی نہیں رہیں۔ ایک وہ نوع جس میں امت کا معاملہ قائم اور درست ہو اور دوسری وہ نوع جس میں وہ قائم نہیں ہوتا، بلکہ وہ تمام زمانوں میں قائم ہے اور یہ بات حدیث کے خلاف ہے،[1] اور ان کے اس اعتقاد کے بھی خلاف ہے کہ بارہ کا زمانہ منتظر کے خروج تک تقیے کا زمانہ ہے۔ شیعہ کے نزدیک جس نے تقیے کو ترک کر دیا، وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے نماز ترک کر دی۔[2]

ایسے ہی امت کا ان پر اجماع بھی نہیں ہوا، کیوں کہ ان میں سے حضرت علی اور حضرت حسن کے سوا کوئی بھی زمامِ اقتدار تک نہیں پہنچا، بلکہ خود شیعہ بھی ان کے متعلق اور ان کی تعداد و اعیان کے متعلق شدید ترین اختلاف کا شکار ہیں، جس کو احاطہ شمار میں لانا بجائے خود تکلف کا باعث ہے۔ افکار و نظریات اور فرق کی کتابیں بھی اس کی صورت گری سے لبالب بھری ہوئی ہیں۔

پھر اس حدیث میں یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ ''وہ سارے کے سارے قریش سے ہوں گے'' اس کا یہ مطلب ہے:

> ''وہ حضرت علی اور ان کی اولاد کے ساتھ مخصوص نہیں، اگر وہ حضرت علی اور ان کی اولاد کے ساتھ مخصوص ہوتے تو ان کی امتیازی حیثیت بیان کی جاتی۔ کیا آپ دیکھتے ہیں کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ وہ تمام اسماعیل کی اولاد سے ہوں گے اور نہ یہ کہا ہے کہ وہ عرب سے ہوں گے، اگرچہ وہ انہی میں سے ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کا اس سے مقصود ایک قبیلہ تھا، جس میں وہ دوسروں سے ممتاز اور منفرد تھے۔ اگر ان کی امتیازی حیثیت یہ ہوتی کہ وہ بنی ہاشم سے ہوں گے یا حضرت علی کی اولاد اور قبیلے سے، تو ان قبائلی امتیازات کے ساتھ ان کا ذکر ہوتا۔ اس لیے جب آپ ﷺ نے ان کو مطلقاً قریش میں سے قرار دے دیا تو یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ قریش سے ہوں گے، بلکہ کسی قبیلے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوں گے، بلکہ خلفائے راشدین بنو تیم، بنو عدی، بنو عبد شمس اور بنو ہاشم، ان تمام قبائل سے تھے۔''[3]

چناں چہ اس حدیث میں مذکور صفات میں سے تعداد کے علاوہ کوئی ایسی صفت نہیں بچتی، جو اس پر صادق

---

[1] المصدر السابق (٤/ ٢٠١)

[2] اس روایت کے الفاظ ''تقیہ'' کے مبحث میں ملاحظہ کریں۔

[3] منهاج السنة (٤/ ٢١١)

آ سکے، جس کی یہ تمنا رکھتے ہیں، لیکن محض تعداد کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ یہ تعداد جس کے ساتھ ان صالح خلفا کو بیان کیا گیا ہے، ان کے اَضداد (متضاد صفات کے حاملین) کو بھی بیان کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں ذکر ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں بارہ منافق ہیں۔''[1]

بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ تعداد جس کے شیعہ دعوے دار ہیں، حقیقت میں اس قدیم یہودی خیال کی طرف لوٹتی ہے، جس کا دانیال کی کتاب میں ذکر ہوا ہے۔[2] شیخ الاسلام نے بھی یہ اشارہ کیا ہے کہ تورات میں بھی اس طرح ہے۔[3]

مسئلہ امامت پر شیعہ کا استدلال:

روافض کا یہ ایک قاعدہ اور اصول ہے:

''رعیت (عام لوگ) کے لیے امام کا اختیار و انتخاب جائز نہیں، بلکہ اس میں نص اور وصیت کا ہونا ضروری ہے۔''[4]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''امامت وصیت کے بغیر نہیں ہوتی۔''[5] چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت علی اور ان کی اولاد کی تعیین و تنصیص کی،[6] لہٰذا وہی قیامت کے قائم ہونے تک امام ہوں گے۔

ہم نے یہ دیکھا ہے کہ اس عقیدے کی شروعات سبائی، ہشامی اور شیطانی ہاتھوں سے ہوئیں، لیکن شیعہ علما کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ معاملہ اللہ، اس کے رسول اور اقوالِ ائمہ اہلِ بیت کی طرف سے مقرر کردہ اور شریعت کا جزو ہے۔ انھوں نے اس کے لیے ایسی نصوص و روایات سے استدلال اور ان کو نقل کرنا شروع کر دیا، جن کی وہ اپنے مذہب کے تقاضوں کے مطابق تاویل کرتے ہیں اور ان کو ماہرینِ سنت اور شریعت نقل کرنے والے اہلِ علم

---

[1] صحيح مسلم: كتاب صفات المنافقين و أحكامهم (٣/ ٢١٤٣۔ ٢١٤٤) رقم الحديث (٢٧٧٩)

[2] ابو الحسین المنادی نے اس جزو میں، جس میں اس نے مہدی کے متعلق روایات جمع کی ہیں، ذکر کیا ہے کہ میں نے کتاب دانیال میں یہ لکھا ہوا پایا: جب مہدی وفات پا جائے گا تو اس کے بعد سبط اکبر کی اولاد سے پانچ لوگ بادشاہ بنیں گے، پھر پانچ سبط اصغر کی اولاد سے ہوں گے، پھر ان میں سے آخری خلیفہ سبط اکبر کی اولاد میں سے کسی کے نام خلافت کی وصیت کرے گا، اس کے بعد اس کا لڑکا بادشاہ بن جائے گا، اس طرح بارہ بادشاہ ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک امام مہدی ہوگا۔ دیکھیں: فتح الباري (١٣/ ٢١٣)

[3] منهاج السنة (٤/ ٢١٠)

[4] الحر العاملي: الفصول المهمة في أصول الأئمة (ص: ١٤٢) نیز دیکھیں: ابن المطهر: نهج المسترشدين (ص: ٦٣)

[5] المظفر: عقائد الإمامة (ص: ١٠٣)

[6] الكليني: أصول الكافي، باب ما نص الله ورسوله على الأئمة (١/ ٢٨٦ وما بعدها)

وفن بھی نہیں جانتے، ان میں سے اکثر روایات موضوع یا سند کی حیثیت سے مطعون ہیں یا وہ ان کی فاسد تاویلات کے ساتھ کچھ لگا ؤ نہیں کھاتیں۔[1]

شیعہ نے اپنی عادت کی طرح اس مسئلے میں بھی روایات اور نصوص کو جمع کر کے ان کے ڈھیر لگانے میں بڑی مبالغہ آرائی دکھائی ہے۔ یہی وجہ ہے شیعہ کے عالم ابن مطہر نے ایک کتاب تالیف کی اور اس کا یہ نام رکھا: ”الألفین في إمامة أمیر المؤمنین“[2] (یعنی امیر المومنین کی امامت کے متعلق دو ہزار روایات) بہت کم ایسے شیعہ مولفین ہوں گے، جنھوں نے اس مسئلے پر خامہ فرسائی نہ کی ہو اور اس کے لیے استدلال نہ کیا ہو،[3] کیوں کہ یہ ان کے دین کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔

جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ ان تمام روایات کو شیعہ کی منطق کے مطابق صرف اکا دکا لوگوں نے نقل کیا ہے، بلکہ ایک ہی نے نقل کیا ہے اور وہ علی ہیں، کیوں کہ وہی دروازہ ہیں، لہٰذا جس نے ان کے علاوہ کسی دوسرے سے سماع کا دعویٰ کیا تو اس نے شرک کیا۔[4]

اسی طرح حضرت علی اور تین، چار یا سات صحابہ کے سوا تمام صحابہ پر شیعہ کی کتابوں میں مرتد ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، چناں چہ ان کی روایات تو کسی صورت قبول نہیں کی جائیں گی! لیکن کسی بات کو نقل کرنے میں کسی کا صرف ایک ہونا یہ بھی مقامِ شک ہے، خصوصاً جب ایک جم غفیر اس کے خلاف کہہ رہا ہو!

لہٰذا ان کو مجبوراً عصمت کا قول اختیار کرنا پڑا، لیکن عصمت بھی اس کی خبر کے ساتھ کس طرح ثابت ہو سکتی ہے، جس نے اس کا دعویٰ کیا ہے اور وہ بھی ایک ہے، چناں چہ یہ ائمہ کے لیے اثباتِ معجزات کی ایک دوسری بدعت اختیار کرنے کے لیے مجبور ہوگئے۔ اب مسئلہ امامت شیعہ کے نزدیک نص، عصمت اور معجزے کی تکون پر مرتکز ہے۔ شیعہ کے عالم مفید کا کہنا ہے:

> ”اثنا عشریہ کے نزدیک امامت صاحبِ امامت کے لیے عصمت، وصیت اور معجزے کو لازمی قرار دیتی ہے...۔“[5]

---

[1] ابن خلدون: المقدمة (۲/ ۵۲۷) تحقيق الدكتور علي عبدالواحد وافي.

[2] لیکن جس طرح اس نے کتاب کا عنوان رکھا ہے، اس کی تعداد کو پورا نہیں کر سکا اور صرف ایک ہزار اڑتیس ایسی روایات ذکر کیں، جن کو وہ اپنے مقصد کے دلائل خیال کرتا ہے۔ (الأعلمي: مقدمة المؤلفين، ص: ۱۰)

[3] الذريعة إلى تصانيف الشيعة (۱/ ۳۲۰)

[4] أصول الكافي (۱/ ۳۷۷) اس روایت کے الفاظ گزر چکے ہیں، دیکھیں (ص: ۳۷۸)

[5] العيون (۲/ ۱۲۷)

یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ معجزات انبیا کے سوا کوئی بھی پیش نہیں کر سکتا، لیکن شیعہ نے یہ بات ائمہ کے حق میں کہی ہے، کیوں کہ انھوں نے امامت کو اگرچہ نبوت کا نام نہیں دیا، لیکن نبوت کا معنی ضرور پہنا دیا ہے اور یہ دعویٰ پیش کیا ہے کہ وہ بندوں پر حجت الٰہی ہیں، لیکن ان کے پاس اس دعوے کی بہ جز اس کے کوئی دلیل نہیں کہ انھوں نے ماضی کے زندیقین کی دیکھا دیکھی ان کی وضع کردہ خیال آرائیوں کی پیروی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء: ١٦٥]

''تاکہ لوگوں کے پاس رسولوں کے بعد اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہ جائے۔''

چناں چہ اللہ رب العزت نے رسل کی جگہ یا اس کے بعد ''والأئمة'' نہیں کہا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر رسولوں کے ذریعے قائم ہوگی اور ان کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے معجزات اور نشانیوں کے ساتھ تائید کی۔ شیعہ کے پاس معجزاتِ ائمہ کے باب میں خالی دعوؤں کی پونجی ہے، جن کو بنانے سے حیلے باز اور سازشی افراد کبھی نہیں تھکتے۔[1]

شیعہ مذہب میں مسئلہ عصمت کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کے لیے اس موجودہ فصل کے بعد ایک مکمل فصل مخصوص کی گئی ہے۔ پھر معجزہ بھی بہ فرضِ ظہور خبر پر موقوف ہے، تو مرتدین کی خبر کی توثیق و تصدیق کیوں کر کی جائے گی؟!

عصمت کا بھی یہی حال ہے، اس کے باوجود شیعہ نص اور وصیت کے دعوے پر مشتمل خبر کے مسئلے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، یہ ان کے مذہب کا سنگِ بنیاد اور ان کے اعتقادی ڈھانچے کا ایک بنیادی قاعدہ ہے۔

بلاشبہہ ایسی نص اور وصیت جو قیامت تک مسلمانوں کی امامت و راہبری کے لیے مخصوص شخصیات کی تعیین کرتی ہو، اس کا وجود رافضہ کی عقل کے علاوہ کہیں محال اور ناممکن ہے، اس اعتقاد نے ان کو اس انجام تک پہنچا دیا ہے کہ یہ قرونِ مدیدہ اور طویل مدتوں تک ایک انسان کی زندگی کے پھیلاؤ کے بہت بڑے خیالی قول کو اختیار کرنے کے لیے مجبور اور سرنڈر ہو چکے ہیں، یعنی یہ ان کا مہدی ہے، جس کا یہ آج تک انتظار کر رہے ہیں اور اضحوکہ روزگار بنے ہوئے ہیں۔ صرف اہلِ سنت ہی نہیں، بلکہ ان کے امام علی رضا نے بھی اس مسئلے میں ان کا بڑا بلیغ اور قوی رد کیا ہے، چنانچہ شیعہ اپنی رجال کی ثقہ ترین کتاب میں نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٦٧١) دیکھیں۔

''اگر اللہ تعالیٰ بنی آدم میں سے کسی کی عمر میں اس وجہ سے توسیع کرنا چاہتے کہ لوگ اس کے محتاج ہیں تو وہ رسول اللہ ﷺ کی عمر میں توسیع کرتے۔''[1]

لیکن یہ لوگ اس واضح دلیل کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان تمام صدیوں تک منتظر کا انتظار اس وجہ سے ہے کہ نہ صرف مخلوق کو اس کی ضرورت ہے، بلکہ پوری کائنات اس کی ضرورت مند ہے۔ اگر وقت کے کسی لمحے بھی زمین اس سے خالی ہوجاتی تو اپنے بسنے والے سمیت دھنس جاتی....

مسئلہ وصیت اور تنصیبِ امام کے بارے میں اس اصل اور قانون سازی کے بعد میرا نہیں خیال کہ اس کے بارے میں نصوص و روایات کی تلاش وجستجو کی کوئی ضرورت باقی رہتی ہو، کیوں کہ یہ مسئلہ آج شیعہ کے نزدیک اس منتظر پر آکر ختم ہوچکا ہے، جس کا کوئی وجود، کوئی نام ونشان اور کوئی اتا پتا نہیں۔ اگر لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ جو اس سے افضل ہیں، باقی رہتے، لیکن امت اپنے رب کے قرآن اور اپنے نبی کے فرمان کے ہوتے ہوئے ہر موہوم منتظر اور ہر مزعوم کتاب سے بے نیاز ہے۔

مسئلہ غیبتِ امام (امام کی روپوشی) کی تردید بھی آگے ذکر ہوگی۔ لیکن شیعہ کی یہ خام خیالی ہے کہ قرآنِ کریم ان کی امامت کی تعیین کرتا ہے، ایسے ہی یہ بھی ان کا محض دعویٰ ہے کہ ''نص'' یعنی وصیت اور تعیین کا معاملہ شیعہ اور اہل سنت کے درمیان اتفاقی مسائل میں سے ہے، یہ چاہتے ہیں کہ اپنی خیال آرائیوں میں اہلِ سنت کو بھی شریک کر کے اپنے اَتباع کو دام فریب میں پھنسا سکیں۔ اگر یہی بات ہے کہ قرآن کریم ان کی امامت کی تعیین کرتا ہے تو ہم ان دلائل کا مطالعہ وتجزیہ پیش کرتے ہیں، جو اس باب میں شیعہ کی کتابیں پیش کرتی ہیں۔

ہم اس مسئلہ میں شیعہ قرآن وسنت سے پیش کردہ قوی ترین دلائل منتخب کریں گے، پھر اس کے بعد اس مسئلے میں ان کے خاص دلائل کی طرف آئیں گے اور آخر میں کتاب وسنت اور عقلی اعتبارات اور معلوم ومتفق علیہ امور کے ذریعے مسئلہ امامت پر نقد وتبصرہ کرتے ہوئے اس بحث کو ختم کریں گے۔

شیعہ کے قرآن سے دلائل:

شیخ الطائفہ طوسی نے لکھا ہے:

''قرآنِ کریم میں وصیت وتخصیصِ امامت کے سلسلے میں قوی ترین دلیل یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ

---

[1] رجال الكشي (ص: ٤٥٨)

الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ [المائدة: ٥٥]

''تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، وہ جو نماز قائم کرتے اور زکات دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔''[1]

طبرسی نے کہا ہے:

''یہ آیت نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت علی کی ولایت بلافصل کے صحیح ہونے کی واضح ترین دلیل ہے۔''[2]

قریب قریب شیعہ کے علما وشیوخ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ ان کی قوی ترین دلیل ہے اور وہ اپنی کتابوں میں استدلال کے وقت اس کو سب سے مقدم رکھتے ہیں۔[3]

لیکن اس آیت سے وہ اپنے مقصد پر کس طرح استدلال کرتے ہیں؟ اس کی تفصیل میں وہ کہتے ہیں:

''عامہ وخاصہ سب کے محدثین اور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حضرت علی نے نماز میں اور صحابہ کی موجودگی میں ایک مسکین کو صدقے میں اپنی انگوٹھی دے دی تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہو۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں مذکور ہے۔''[4]

اہلِ لغت کا اتفاق ہے:

''کلمہ ''إنما''حصر کے معنی دیتا ہے اور ولی کا معنی سے تصرف وتدبیر کے زیادہ لائق، جو امام اور خلیفہ کے مترادف ہے۔''[5]

چنانچہ آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ شیعہ اس آیت مبارکہ سے اپنے استدلال میں اس کے شانِ نزول پر اعتماد کرتے ہیں، کیوں کہ آیت کے الفاظ میں کوئی ایسی بات نہیں، جو ان کی مراد پر دلالت کرتی ہو، لہٰذا ان کا استدلال روایت سے ہوا نہ کہ قرآن سے، لیکن کیا یہ روایت ثابت ہے اور ان کی وجہ استدلال سلیم اور درست

---

[1] تلخیص الشافي (٢/ ١٠)

[2] مجمع البیان (٢/ ١٢٨)

[3] مثال کے طور پر دیکھیں: ابن المطهر الحلي في منهاج الكرامة، حيث اعتبره البرهان الأول (ص: ١٤٧) وشبر في حق اليقين (١/ ١٤٤) و الزنجاني في عقائد الإمامية الاثنى عشرية (١/ ٨١۔ ٨٢)

[4] یاد رہے کہ ''صحاح ستہ'' کا نام درست نہیں ہے، کیوں کہ اہلِ سنت تمام چھے کتابوں کو صحاح شمار نہیں کرتے، اس لیے وہ ان کو کتبِ ستہ کا نام دیتے ہیں، لیکن روافض مبالغات کے شوقین ہیں، جو جان بوجھ کر اللہ اور اس کے رسول کے سر جھوٹ لگا سکتے ہیں، ان کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں!!

[5] شبر: حق القين (١/ ١٤٤) الزنجاني: عقائد الإمامية الاثنى عشرية (١/ ١٨۔ ٨٢)

ہے؟ اس کا جواب درج ذیل پہلوؤں سے واضح ہوگا:

① ان کا یہ دعویٰ کہ ''اہلِ سنت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی'' سب سے بڑا جھوٹا دعویٰ ہے، بلکہ اہلِ علم نے اجماعاً یہ بات نقل کی ہے کہ یہ آیت خصوصی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل نہیں ہوئی اور انھوں نے نماز میں اپنی انگوٹھی کا صدقہ نہیں کیا تھا۔ محدثین کا اتفاق ہے کہ اس سلسلے میں بیان کیا جانے والا یہ قصہ جھوٹا اور موضوع ہے۔[1]

شیعہ کا یہ کہنا: ''یہ صحاح ستہ میں مذکورہ ہے'' دروغ محض ہے، کیوں کہ کتبِ ستہ میں اس کا کہیں وجود نہیں۔[2] امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے وہ تمام آثار نقل کیے ہیں، جو یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ آیت جب حضرت علی نے اپنی انگوٹھی صدقہ میں دی تو ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس پر نقد وتبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

''ان میں سے کوئی روایت بھی بالکل صحیح نہیں، کیوں کہ اس کی اسانید ضعیف اور اس کے رجال مجہول ہیں۔''[3]

② یہ دلیل، جس سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں، اثنا عشریہ کے مذہب کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے، کیوں کہ یہ بہ لفظ حصر ''إنما'' ولایت کو حضرت علی تک محدود کرتی ہے، جو باقی ائمہ سے امامت سلب کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

اگر یہ اس رد کا یہ جواب دیں کہ حصر ولایت سے مراد بعض اوقات میں ہے، یعنی ان کی اپنی امامت کے وقت تک نہ کہ ان کے بعد والوں کی امامت کے وقت تک، تو وہ اس بات میں اہلِ سنت کے ساتھ اتفاق کریں گے کہ ان کی ولایت عامہ (عامہ حکمرانی) صرف اس وقت تھی، جب آپ لوگوں کے امام و خلیفہ بنے، نہ کہ اس

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٤)

[2] یہ ایسا جھوٹ ہے، جس کو ثابت کرنے میں شیعہ کو قطعاً کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ یہ دعویٰ شیعہ کے عصرِ حاضر کے شبر اور زنجانی جیسے آیات کی زبانوں پر بھی عام ہے۔ کیا ان کو اس کی خبر نہیں کہ کتبِ ستہ میں اس کا کوئی وجود نہیں؟!
آج معاجم اور فہارسِ حدیث کی کتابوں کی کثرت ہے، جو اس حقیقت کو کھول دیتی ہیں۔ ''المعجم الفهرس لألفاظ الحديث'' اور ''مفتاح كنوز السنة'' میں لفظ ''علي بن أبي طالب'' نکالیے۔ تفسیر اور اسبابِ نزول کے متعلق روایات جمع کرنے والی کتب جیسے ''الدر المنثور'' (٣/ ١٠٤۔ ٦۔١) وغیرہ کو دیکھیے، یا کتبِ ستہ کی روایات جمع کرنے والی کتب، جیسے ''جامع الاصول'' وغیرہ کا مطالعہ کریں تو آپ کو ان کے دعوے کی کوئی بنیاد نظر نہیں آئے گی۔
اس لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''جمہور امت نے یہ خبر نہیں سنی، نہ یہ مسلمانوں کی معتبر اور بنیادی کتابوں اور صحاح وسنن، جوامع اور معجمات وغیرہ میں کہیں موجود ہے۔'' (منهاج السنة: ٤/ ٥)

[3] تفسير ابن كثير (٢/ ٧٦۔ ٧٧)

سے پہلے جو خلفائے ثلاثہ کی امامت کا زمانہ تھا۔[1]

③ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندے کی اسی کام میں تعریف و مدح سرائی کرتے ہیں، جو کام خود اس کے ہاں محمود اور قابلِ تعریف ہو، خواہ وہ کام واجب ہو یا مستحب، لیکن نماز کے دوران میں صدقہ کرنا علمائے امت کے اتفاق کے ساتھ کوئی مستحب فعل نہیں۔ اگر یہ عمل مستحب و پسندیدہ ہوتا تو رسولِ کریم ﷺ اس کو خود بھی کرتے، اس کی ترغیب بھی دلاتے اور اس کا اعادہ وتکرار بھی کرتے۔

یہ تو نماز میں شغل ہے اور سائل کو دینا ایسا کام نہیں جو ہاتھ سے چھوٹ جائے تو دوبارہ نہ ہو سکے، کیوں کہ صدقہ کرنے والا نماز کے بعد بھی دے سکتا ہے، بلکہ سائلین کو دینے میں مشغول ہو جانا نماز باطل کرنے والا عمل ہے اور یہی جملہ اہلِ علم کی رائے ہے۔[2]

④ اگر یہ فرض کیا جائے کہ یہ کام نماز ہی میں مشروع اور جائز قرار دیا گیا ہے تو یہ رکوع ہی کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا، لہٰذا یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ولی صرف وہ ہیں جو حالتِ رکوع میں صدقہ کرتے ہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے حضرت علی کی تعریف اور پہچان کروانا مقصود ہے، تو کہا جائے گا کہ حضرت علی کی معروف ومشہور امور کے ساتھ تعریف کروانے کو کیوں ترک کر کے اس غیر معروف کام کے ساتھ تعریف کروائی جا رہی ہے؟ جس کو صرف وہ جانتا ہے، جس نے اس بات کو سنا اور اس کو سچ تسلیم کیا، لیکن جمہور امت نے یہ بات سنی ہے نہ مسلمانوں کے قابل اعتماد کتابوں ہی میں کہیں اس کا ذکر ہے۔''[3]

⑤ شیعہ کا یہ کہنا کہ حضرت علی نے حالتِ رکوع میں اپنی انگوٹھی زکات میں دی تو یہ آیت نازل ہوئی، یہ زمینی حقائق کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ حضرت علی ان لوگوں میں سے نہیں تھے، جن پر عہدِ نبوی میں زکات فرض ہوئی ہو، کیوں کہ وہ فقیر تھے۔ چاندی کی زکات اس پر فرض ہوتی ہے، جو ایک سال تک نصابِ زکات کا مالک رہے اور حضرت علی ان لوگوں میں سے نہیں تھے۔ اسی طرح زکات میں انگوٹھی دینا اکثر فقہا کے نزدیک کفایت نہیں کرتا۔ الا یہ کہا جائے کہ زیورات میں زکات نکالنا فرض ہے اور وہ زیور کی جنس ہی سے نکالی جائے گی، لیکن جس نے اس کی قیمت ادا کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے تو نماز میں اس کا حساب اور قیمت نکالنا ناممکن ہے، کیوں کہ قیمتیں اختلافِ حال کے ساتھ مختلف ہو جاتی ہیں۔[4]

---

[1] دیکھیں: روح المعاني (٦/ ١٦٨)

[2] دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٢٠٨۔ ٤/ ٥)

[3] المصدر السابق (٤/ ٥)

[4] منهاج السنة (٤/ ٥)

⑥ جب یہ بات عیاں ہوچکی ہے کہ وہ روایات جن کے تقاضے کے مطابق انھوں نے آیت کی تاویل کی ہے، سند اور متن دونوں حیثیتوں سے باطل ہیں تو ان کے لیے اب اسی آیت کے ساتھ چمٹے رہنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، بلکہ یہ آیت ان پر حجت ہے، کیوں کہ یہ مومنوں کے ساتھ موالات کا حکم دیتی ہے اور کافروں کی دوستی سے منع کرتی ہے (اگر یہ بات ثابت بھی ہو جائے کہ اس کا ایک خاص پسِ منظر اور سببِ نزول ہے، تب بھی قاعدہ یہ ہے کہ ''العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب''عموم لفظ کا اعتبار ہوگا نہ کہ خصوص سبب کا) اور رافضہ کے لیے، جس طرح ان کی نصوص اور تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے، اس میں کوئی حصہ نہیں۔

آیات کے سیاق سے بڑی وضاحت کے ساتھ اس مفہوم کا ادراک ہو جاتا ہے، اس آیتِ کریمہ سے پہلی آیت اس طرح ہے:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [المائدة: ٥١]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

یہ آیت یہود و نصاریٰ کے ساتھ موالات، مودت، محبت اور نصرت کی پینگیں چڑھانے کی ممانعت پر مشتمل ہے۔ یہاں تمام مفسرین کے اتفاق کے ساتھ ولایت سے امارت مراد نہیں، نہ اصلاً اس معنی میں یہ لفظ وارد ہی ہوا ہے۔ اس کے متصل بعد ان کے ساتھ موالات قائم کرنے کا ذکر ہوا ہے، جن کے ساتھ محبت و موالات رکھنا واجب ہے اور وہ اللہ اس کے رسول ﷺ اور مومن ہیں۔ چناں چہ اس سے واضح ہوا کہ پہلی آیت میں جس موالاتِ محبت اور نصرت سے منع کیا گیا ہے، یہ بعینہٖ وہی ہے، جس کا اس آیت میں، اسلوبِ مقابلہ میں، مومنوں کو حکم دیا گیا ہے اور یہ بات عربی ادبیات میں بڑی واضح ہے۔

امام رازی رقم طراز ہیں:

''جب پہلی آیات میں موالاتِ کفار سے منع کیا تو اس آیت میں جس کے ساتھ موالات قائم کرنا واجب ہے، اس کے ساتھ موالات و محبت رکھنے کا حکم دیا۔''[1]

---

[1] تفسير الفخر الرازي (١٢/ ٢٥)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ذکر کرتے ہیں:

''متقدم و متاخر مفسرین کے ہاں یہ بات معلوم اور مشہور ہے کہ یہ آیت کفار کے ساتھ تعلق وِلا سے منع کرنے اور مومنوں کے ساتھ موالات قائم کرنے کے حکم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔''[1]

⑦ شیعہ کا یہ کہنا کہ ''اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ﴾ سے مراد امارت و حکمرانی ہے'' اس فرمانِ الٰہی کے ساتھ بھی موافقت نہیں کرتا:

﴿ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ [المائدة: ٥٥]

''تمھارے ولی (دوست) اللہ، اس کے رسول اور مومن ہیں۔''

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ اپنے بندوں کا والی اور ان کا امیر ہے، بلکہ وہ ان کا خالق، رازق، رب اور مالک ہے، اسی کا حکم اور اسی کی تخلیق ہے، یہ نہیں کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین ہیں، جس طرح والیِ ریاست وغیرہ کو امیر المومنین کہا جاتا ہے، جیسے امیر المومنین حضرت علی[2] وغیرہ۔

لیکن ولایت دوستی کے معنی میں جو عداوت کا متضاد ہے، اس معنی میں وہ اپنے مومن بندوں کے ساتھ ولایت اور دوستی رکھتا ہے، وہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے، وہ ان سے راضی ہوتا ہے اور وہ اس سے، اور جس نے اس کے ولی اور دوست کے ساتھ عداوت رکھی تو اس نے اس کو جنگ کے لیے للکارا[3]، اس آیت میں یہی ولایت مقصود ہے۔[4]

﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کا معنی ہے: وہ اپنے رب کے سامنے جھکنے والے اور اس کے حکم کے فرمانبردار

---

① منهاج السنة (٤/ ٥)

② بلکہ رسولِ کریم کو بھی لوگوں کے والی اور امیر المومنین نہیں کہا جاتا، آپ ﷺ کی شان اس سے کہیں بڑھ کر ہے، بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی وہ خلیفہ رسول ہی کہا کرتے تھے۔ خلفا میں سے سب سے پہلے جس کو امیر المومنین کا نام دیا گیا، وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ (منهاج السنة: ٤/ ٩)

③ یہ ولایت اس کی رحمت اور احسان کا مظہر ہے، لوگوں کی لوگوں کے لیے ولایت اور کارسازی کی طرح نہیں، جس میں وہ اس کے محتاج ہوتے ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ [الإسراء: ١١١] ''اور کہہ دے سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے نہ کوئی اولاد بنائی ہے اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ عاجز ہوجانے کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے۔'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عاجزی و کمزوری کی بنا پر کوئی مددگار اور کارساز نہیں، بلکہ وہ تو فرماتا ہے: ﴿مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا﴾ [الفاطر: ١٠] ''جو شخص عزت چاہتا ہو سو عزت سب اللہ ہی کے لیے ہے۔'' (منهاج السنة: ٤/ ٩)

④ المصدر السابق.

ہیں۔ رکوع لغت میں خضوع کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ حالتِ رکوع میں نماز قائم کرتے ہیں اور زکات ادا کرتے ہیں، جس کا معنی ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع، خضوع اور عجز و نیاز کا اظہار۔[1]

⑧ لغت میں وِلایۃ (زیر کے ساتھ) اور وَلایۃ (زبر کے ساتھ) میں جو فرق ہے، وہ بالکل واضح ہے۔ وَلایۃ زبر کے ساتھ عداوت کا متضاد ہے اور ان آیات ونصوص میں یہی مذکور ہے۔ یہ وِلایۃ زیر کے ساتھ نہیں، جس کا معنی امارت ہوتا ہے۔ یہ جاہل لوگ ولی کو امیر خیال کرتے ہیں اور دونوں لفظوں میں کوئی فرق نہیں کرتے، حالاں کہ یہ بالکل واضح بات ہے کہ وَلاء زبر کے ساتھ عداوت کے متضاد ہے اور اس سے لفظِ مولیٰ اور ولی بنتا ہے، جب کہ وِلایۃ زیر کے ساتھ امارت کے معنی میں ہے اور اس سے والی اور متولی اسم بنتے ہیں۔[2]

اسی لیے فقہا نے کہا ہے کہ جب جنازے میں والی اور ولی اکٹھے ہو جائیں تو کہا گیا ہے کہ والی کو آگے کیا جائے گا اور یہ اکثریت کا قول ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولی کو آگے کیا جائے گا، چناں چہ لفظ ولی اور وَلایۃ، لفظ والی کے علاوہ دوسرے لفظ ہیں۔“[3]

اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ وِلایۃ جو امارت کے معنی میں ہے، مراد لینا چاہتے تو اس طرح فرماتے: ”إنما یتولی علیکم...“ اس طرح واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت موالات پر دلالت کرتی ہے، جو معادات (عداوت) کے متضاد ہے اور یہ تمام مومنوں کے لیے ایک دوسرے کے لیے ثابت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جمع کے صیغوں کے ساتھ فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا﴾ اگر۔شیعہ علما کے بہ قول۔ یہی ان کی سب سے زیادہ قوی دلیل ہے، تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی بھی دلیل نہیں۔

اصولی طور پر یوں ہونا چاہیے تھا کہ اس نازک ترین مسئلے میں، جو شیعہ کے نزدیک تمام امورِ دین میں عظیم ترین معاملہ اور اس کا منکر کفار کی صف میں داخل ہو جاتا ہے، کوئی واضح اور صریح صیغہ بولا جاتا، جس کو مختلف طبقات اور ذہنیت کے لوگ سمجھ جاتے، جس طرح ایک عالم، متقدم اور شہری کو اس کا ادراک ہو جاتا، اسی طرح ایک عام آدمی، دیہاتی اور متاخر شخص کو بھی اس کا معنی معلوم ہوجاتا، لیکن جب کتاب اللہ میں کوئی بھی اس طرح کا صریح لفظ استعمال نہیں ہوا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ایسی کوئی نص ہے ہی نہیں جس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں۔

---

[1] دیکھیں: الكشاف للزمخشري (١/ ٦٢٤) تفسير الرازي (١٢/ ٢٥)

[2] المقدسي: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٢٠۔ ٢٢١) نیز دیکھیں: مختار الصحاح (مادة ”ولی“)

[3] منهاج السنة (٤/ ٨)

چنانچہ یہ مذکورہ آیت اور وہ دیگر آیات، جن سے یہ استدلال کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایسے الفاظ پر مشتمل نہیں، جو عربی زبان میں استخلاف (خلیفہ اور افسر بنانے) کے معروف معنی میں ہو، حالانکہ قرآن عربی مبین کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

اس صورتِ حال میں شیعہ کے پاس دو ہی راستے ہیں، یا تو قرآن کے ساتھ کفر کریں، جو اسلام کے ساتھ کفر ہے، یا پھر غلو تعصب اور انتہا پسندی کو چھوڑ کر راہِ حق کی طرف رجوع کر لیں اور یہی مطلوب ہے۔

یہ شیعہ کی کتاب اللہ سے قوی ترین دلیل ہے، جس کو یہ ''آیتِ ولایۃ'' کا نام دیتے ہیں، تاہم یہ دوسری کئی آیات کے ساتھ بھی تعلقِ خاطر رکھتے ہیں، جن کو ابن مطہر حلی نے ذکر کیا ہے اور شیخ الاسلام نے ان کے بڑے جامع جوابات دیے ہیں۔[1] جو شیعہ کی کتبِ حدیث وتفسیر کا مطالعہ کرتا ہے، وہ یہ ملاحظہ کرتا ہے کہ انھوں نے سارے ہی قرآن کو ولایت اور ائمہ کے مدار میں گھما دیا ہے، جس طرح اس کے کچھ نمونے پہلے ذکر ہو چکے ہیں، یہ ان کی ناکامی اور درماندگی کی واضح دلیل ہے۔

ان معروضات سے واضح ہوجاتا ہے کہ ظاہر قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں، جو شیعہ کے اس موقف پر دلالت کرتی ہو کہ اس میں حضرت علی یا باقی بارہ اماموں کی امامت وامارت کی وصیت اور تعیین کی گئی ہے۔

وہ تمام آیات جن سے وہ استدلال کرتے ہیں، ان کے معانی کو موضوع روایات اور باطل تاویلات کو بنیاد بناتے ہوئے اپنے مطلب کا معنی پہناتے ہیں، لہٰذا وہ حقیقت میں قرآن سے استدلال نہیں کرتے، بلکہ اخبار و روایات سے استدلال کرتے ہیں، چنانچہ ان کا قرآن سے دلائل اخذ کرنے کا دعویٰ بالکل بے حقیقت ہے۔

شیعہ کے سنت سے دلائل:

جہاں تک سنت مطہرہ کا تعلق ہے تو شیعہ نے اہلِ سنت کی اسانید سے فضائلِ علی میں وارد احادیث سے وصیت امامت ثابت کرنے پر استدلال کیا ہے، لیکن یہ بات خاطر میں رہے کہ فضائل کے باب میں بہت زیادہ جھوٹ کہا گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی جڑ اور بنیاد شیعہ ہیں۔ ابن ابی الحدید کا کہنا ہے:

---

[1] ڈاکٹر علی السالوس نے اپنے مقالے بہ عنوان ''الأئمة عند الجعفرية والأدلة من القرآن العظيم'' میں وہ قرآنی آیات ذکر کی ہیں اور ان کی تحلیل وتجزیہ بھی کیا ہے، جن سے امامیہ اپنے امامت کے عقیدے پر استدلال کرتے ہیں، اس میں وہ اس نتیجے تک پہنچا ہے کہ شیعہ کے استدلالات، اسبابِ نزول کے ساتھ تعلق رکھنے والی روایات اور ان تاویلات پر بنیاد رکھتے ہیں، جن میں وہ منفرد ہیں، لیکن ان دونوں چیزوں ہی سے کوئی بھی چیز صحیح نہیں، جو ان کے مذہب کی تائید کرنے والی دلیل بن سکے۔

’’فضائل کی احادیث میں جھوٹ شیعہ کی جانب سے در آیا ہے۔‘‘[1]

اس لیے آپ موضوعات کی کتب میں خلفاے اربعہ میں سے سب سے زیادہ موضوع روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پائیں گے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد فضائل کوئی ایسے الفاظ پر مشتمل نہیں، جو لغتِ عرب، اصطلاح شریعتِ اسلام، عرفِ عامہ یا اصحابِ فکر و منطق کی عقلوں میں نصوص، وصایا اور استخلاف کے معنی میں ہوں۔ یہ محض فضائل ہیں، جن کو ان لوگوں نے اپنے دعووں میں داخل کر لیا ہے۔ امام ابن حزم نے حضرت علی کے فضائل کے بارے میں ذکر ہونے والی تمام احادیث شمار کیں اور کہا:

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں جو صحیح احادیث مروی ہیں، ان میں سے ایک یہ حدیث ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’تم میرے لیے وہی مرتبہ رکھتے ہو، جو موسیٰ کے لیے ہارون رکھتے تھے، فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔‘‘[2] اس میں رافضہ کے لیے کوئی حجت اور دلیل نہیں۔[3]

---

[1] شرح نهجة البلاغة لابن أبي الحديد (٢/ ١٣٤) بحواله السنة ومكانتها في التشريع (ص: ٧٦)

[2] اس حدیث کی عبارت بخاری شریف میں اس طرح ہے: ’’نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے سفر پر نکلے اور حضرت علی کو اپنا قائم مقام بنایا تو حصرت علی نے کہا: ’’آپ مجھے بچوں اور عورتوں پر قائم مقام بنا رہے ہیں؟‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تم میرے لیے اسی مرتبے پر فائز ہو جاؤ، جو موسیٰ کے لیے ہارون رکھتے تھے، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں؟‘‘ (صحيح البخاري مع الفتح: كتاب المغازي، باب غزوة تبوك (٨/ ١٢) رقم الحديث (٤٤١٦) صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب (٢/ ١٨٧٠) رقم الحديث (٢٤٠٤) سنن الترمذي: كتاب المناقب (٥/ ٦٤٠۔ ٦٤١) رقم الحديث (٣٧٣٠۔ ٣٧٣١) سنن ابن ماجه: المقدمة (١/ ٤٢۔ ٤٣) رقم الحديث (١١٥) مسند أحمد (١/ ١٧٠، ١٧٣، ١٧٤، ١٧٥، ١٧٧، ١٧٩، ١٨٢، ١٨٤، ١٨٥، ٣٣٠) (٣/ ٣٢، ٣٣٨)، (٦/ ٣٦٩ و ٤٣٨)

[3] امام ابن حزم اس کے اِثبات کے متعلق خامہ فرسا ہیں: ’’یہ بات ان کے لیے اپنے علاوہ دیگر پر فضیلت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت و نیابت لازمی قرار نہیں دیتی، کیوں کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے والی نہیں بنے تھے، بلکہ ان کے صاحبِ موسیٰ اور حضرت خضر کی تلاش میں ان کے رفیقِ سفر حضرت یوشع بن نون ان کے امیر اور حکمران بنے تھے۔ بالکل اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار اور رفیقِ سفرِ ہجرت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد خلیفہ بنے۔ اگر علی نبی نہیں تھے، جس طرح ہارون نبی تھے، تو ہارون بھی حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے خلیفہ نہیں بنے۔ لہٰذا یہ مماثلت اس اعتبار سے درست ثابت ہوئی کہ حضرت علی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حیثیت صرف قرابت کے لحاظ سے رکھتے تھے، جو ہارون موسیٰ کے لیے رکھتے تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بات اس وقت کہی تھی، جب ان کو غزوہ تبوک کے وقت مدینہ پر نگران مقرر کیا تو منافقوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بوجھ سمجھ کر پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا ملے اور آپ سے یہ شکوہ کیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ کہا کہ تم میرے لیے وہی حیثیت رکھتے ہو جو موسیٰ کے لیے ہارون رکھتے تھے اور ان کو یہ بتانا چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو منتخب کر کے مدینے کی نگرانی کے لیے نائب مقرر کیا ہے۔ ←

آپ ﷺ کا یہ فرمان: ''کل میں ضرور ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا، جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور جس کے ساتھ اللہ اور اس کا رسول بھی محبت رکھتے ہیں۔''[1]

یہ ہر مسلمان اور صاحبِ فضیلت انسان کی لازمی صفت ہے۔[2]

نبی اکرم ﷺ کا یہ عہد کہ ''علی سے صرف مومن محبت کرتا ہے اور جو منافق ہے، وہی ان سے بغض رکھتا

← پھر سفرِ تبوک سے پہلے بھی اور بعد میں بھی کئی سفروں میں آپ ﷺ نے حضرت علی کے علاوہ کئی اصحاب کو مدینہ پر نگران مقرر کیا ہے۔ چناں چہ یہ درست ثابت ہوا کہ یہ استخلاف اور نیابت حضرت علی کی دوسروں پر فضیلت اور آپ ﷺ کے بعد ان کی حکومت وخلافت کو لازمی قرار نہیں دیتی۔ جس طرح یہ نیابت وخلافت دوسرے نگرانوں کی حکومت وخلافت کو بھی واجب قرار نہیں دیتی۔ (الفصل: ٤/ ١٥٩۔ ١٦٠)

نیز حضرت علی کو حضرت ہارون کے ساتھ تشبیہ دینا حضرت ابوبکر کو حضرت ابراہیم اور عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ اور حضرت عمر کو حضرت نوح وحضرت موسیٰ کے ساتھ تشبیہ دینے سے بڑی تشبیہ نہیں۔ (جس طرح امام احمد نے مسند (۱/ ۳۸۳، رقم الحدیث: ۳۶۳۲) میں حاکم نے مستدرک (۳/ ۲۱۔۲۲) میں اور امام ترمذی نے کتاب الجہاد (۴/ ۲۱۳) میں اس کا ایک حصہ ذکر کیا ہے)

یہ چاروں انبیا حضرت ہارون سے افضل ہیں اور ابوبکر وعمر دونوں کو ایک کے ساتھ نہیں، بلکہ دو کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، لہٰذا یہ تشبیہ علی کی تشبیہ سے زیادہ بڑی ہے۔ پھر حضرت علی کو نگران مقرر کرنے میں کئی دیگر صحابہ کی مثال بھی موجود ہے، لیکن اس تشبیہ میں ان دونوں کا کوئی شبیہ نہیں، چنانچہ یہ استخلاف خصائص میں داخل ہے نہ کسی نبی کے ساتھ بعض احوال میں مشابہت خصوصیت شمار ہوگی۔ (المنتقی، ص: ٣١٤۔ ٣١٥)

رافضہ کے اس حدیث سے استدلال کی تردید کے لیے مزید دیکھیں: شرح صحيح مسلم للنووي (٥/ ١٧٤) الإمامة والرد على الرافضة لأبي نعيم (ص: ٢١١۔ ٢٢٢) منهاج السنة (٤/ ٨٧ وما بعدها) المنتقى (٢١٢۔ ٢١٣، ٣١١) فتح الباري (٧/ ٧٤) المقدسي: الرد على الرافضة (ص: ٢٠١۔ ٢٠٨) مختصر تحفة الاثنى عشرية (ص: ١٦٣۔ ١٦٤) السالوس: الإمام عند الجعفرية في ضوء السنة (ص: ٣٣۔ ٣٤) وغیرہ۔

[1] صحيح البخاري: كتاب فضائل الصحابة، باب مناقب علي بن أبي طالب (٧/ ٧٠) صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب (٢/ ١٨٧١۔ ١٨٧٣)

[2] یعنی یہ صفت حضرت علی کے خصائص میں داخل نہیں، بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سارے ایسے لوگ ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ محبت رکھتے ہیں، جس طرح دس متعین اشخاص کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، چناں چہ اس صفت کا ان کی امامت اور عصمت پر نص ہونا تو درکنار ان کی خصوصیات میں بھی داخل نہیں۔ روافض جن کا یہ دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام رسولِ کریم ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہوگئے تھے۔ ان کے لیے اس حدیث سے استدلال کرنا ممکن نہیں، کیوں کہ خوارج تو ان سے یہاں تک کہتے ہیں کہ جو مرتد ہوئے تھے، ان میں حضرت علی بھی شامل ہیں۔ امام اشعری فرماتے ہیں کہ خوارج کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کافر ہونے پر اجماع ہے۔ (مقالات: ١/ ١٦٧) لیکن اہلِ سنت بہت سارے دلائل کے ساتھ خوارج کی تردید کرتے ہیں، لیکن یہ براہین مشترکہ طور پر تینوں خلفا کے ایمان پر دلالت کرتی ہیں۔ دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٩٨۔ ٩٩)

ہے۔‘‘[1] اس جیسا قول رسول ﷺ سے انصار کے حق میں بھی صحیح ہے کہ جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ ان سے بغض نہیں رکھے گا۔[2]

یہ حدیث: «مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِي مَوْلَاهُ» ’’جس کا میں مولیٰ، اس کا علی مولی ہے۔‘‘

ثقہ راویوں کی سند سے قطعاً ثابت ہی نہیں۔ (اس کی تخریج اور اس پر تعلیق آگے ذکر ہوگی)۔

ان کے علاوہ وہ تمام روایات جن کے ساتھ شیعہ تمسک کرتے ہیں، موضوع اور من گھڑت ہیں۔ جس شخص کا علمِ روایات و اخبار اور ناقلینِ احادیث کے متعلق کچھ تھوڑا سا بھی شغف اور تعلق خاطر ہے، وہ ان کو بڑی اچھی طرح پہچان لیتا ہے۔[3]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے امام ابن حزم سے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

’’اگر یہ کہا جائے کہ ابن حزم نے صحیحین میں مذکور یہ فرمانِ نبوی: «أنت مني وأنا منك»[4] ’’تم مجھ سے ہو اور میں تم سے۔‘‘ حدیثِ مباہلہ[5]، اور حدیثِ کساء[6] (یعنی چادر) ذکر نہیں کی تو کہا جائے

---

[1] سنن الترمذي: كتاب المناقب (٥/ ٦٤٣) رقم الحديث (٣٧٣٦) امام ترمذی نے اس حدیث کو ’’حسن صحيح‘‘ کہا ہے۔

[2] صحيح مسلم: كتاب الإيمان، باب الدليل على أن حب الأنصار و علي ﷺ من الإيمان وعلاماته، وبغضهم من علامات النفاق: ١/ ٨٦، رقم الحديث: ١٣٠) اسی طرح کئی دیگر روایات میں بھی حضرت علی کی طرح ہی انصار کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے، جیسے فرمایا کہ انصار سے صرف وہی محبت کرے گا جو مومن ہے اور ان سے صرف وہی نفرت کرے گا جو منافق ہے۔ (صحيح البخاري مع الفتح: كتاب مناقب الأنصار، باب حب الأنصار من الإيمان: ٧/ ١١٣، رقم الحديث: ٣٧٨٣۔ ٣٧٨٤، رقم الحديث: ١٢٩، سنن الترمذي: كتاب المناقب، باب فضل الأنصار وقريش: ٥/ ٧١٢، رقم الحديث: ٣٩٠٠)

[3] الفصل (٤/ ٢٢٤)

[4] صحيح البخاري مع الفتح، كتاب الصلح (٥/ ٣٠٣۔ ٣٠٤) رقم الحديث (٢٦٩٩) و كتاب المغازي: باب عمرة القضاء (٧/ ٤٩٩) رقم الحديث (٤٢٥١)

[5] صحیح مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے، جس میں ہے: ’’جب یہ آیت: ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ﴾ [آل عمران: ٦١] نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، فاطمہ اور حسن وحسین کو بلایا اور کہا: ’’اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔‘‘ (صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب: ٢/ ١٨٧١)

یہ حدیث امامت پر دلالت کرتی ہے نہ افضلیت ہی پر، کیوں کہ مباہلہ قریبی و نسبی رشتے داروں کے ساتھ ہوتا ہے، لہٰذا اگر آپ نسبی طور پر دور کے رشتے داروں کے ساتھ مباہلہ کرتے، چاہے وہ اللہ کے ہاں افضل ہی کیوں نہ ہو، تو مقصود حاصل نہ ہوتا، اس کا تفصیلی جواب ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٣٤۔ ٣٦) المقدسي: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٤٣۔ ٢٤٥)

[6] صحیح مسلم میں حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک صبح باہر نکلے، آپ پر ایک منقش کالی ←

گا کہ ابن حزم کا مقصود صحیح میں وہ احادیث تھیں۔ جن میں اکیلے حضرت علی کا ذکر ہوا ہو، لیکن ان روایات میں ان کے علاوہ دیگر کا بھی ذکر ہوا ہے، آپ ﷺ نے حضرت جعفر سے کہا تھا: ''تم میری سیرت وصورت دونوں میں مشابہت رکھتے ہو۔'' حضرت زید سے کہا تھا: ''تم ہمارے بھائی اور مولیٰ یعنی آزاد کردہ ہو''، لیکن حدیثِ مباہلہ اور حدیثِ کساء میں حضرت علی، فاطمہ اور حسن وحسین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا بھی ذکر ہے، چنانچہ ابن حزم پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔''[1]

لیکن روافض اس باب میں بہت دور نکل گئے ہیں، انھوں نے روایات گھڑ کر صحیح نصوص و روایات میں جھوٹی روایات کا اضافہ کر دیا ہے۔ موضوعات کے متعلق کتب نے وہ جملہ روایات ذکر کی ہیں، جن سے رافضہ سند لیتے ہیں۔[2] ابن جوزی فرماتے ہیں:

''ان کے یعنی حضرت علی کے فضائل بہت زیادہ ہیں، لیکن رافضہ ان پر مطمئن نہیں، چناں چہ انھوں نے ان کے فضائل میں ایسی روایت وضع کر لی ہیں، جو ان کا مرتبہ بڑھانے کے بجائے ان کی شان گھٹاتی ہیں۔''[3]

لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ یہ اپنی کتابوں میں بہت ساری ایسی روایات سے استدلال کرتے ہیں، جن کو یہ دروغ گوئی اور دھوکا دہی کی غرض سے اہلِ سنت کی کتابوں کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالاں کہ ان کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ اسی لیے شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''میں نے ان کی بہت ساری منسوب کردہ روایات کو دیکھا، جن کو انھوں نے (شیعہ کے علما نے جن کی انھوں نے کتابیں دیکھی) مسند اور صحیحین وغیرہما کی طرف منسوب کیا ہے، وہ باطل اور بے حقیقت ہیں۔''[4]

← چادر تھی، حسن بن علی آئے تو آپ نے ان کو اس میں داخل کر لیا، پھر حسین آئے، ان کو بھی اس میں داخل کر لیا، پھر فاطمہ آئی، ان کو بھی اس میں داخل کر لیا، آخر میں علی آئے تو ان کو بھی اس میں داخل کر لیا، پھر کہا: ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ [الأحزاب: ٣٣] (صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بيت النبي ﷺ: ٢/ ١٨٨٣، رقم الحديث: ٢٤٢٤) روافض کا اس حدیث سے استدلال کا جواب جاننے کے لیے دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٢٠۔ ٢٥) المقدسي: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٤٦) مختصر التحفة (١٥٥۔ ١٥٦)

[1] منهاج السنة (٤/ ٨٦)

[2] مثال کے طور پر دیکھیں: الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٣٣٨ وما بعدها)

[3] المصدر السابق (١/ ٣٣٨)

[4] منهاج السنة (٤/ ٢٧)

ابن المطہر حلی نے تقریباً وہ تمام روایات جمع کر دی ہیں، جن سے شیعہ اس باب میں استدلال کرتے ہیں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ان میں حق و باطل کی تمیز کر دی ہے۔[1] لیکن روافض کے پاس اہلِ سنت کی کتابوں سے استدلال کرنے کے طریقے میں بڑے خفیہ مگر مکارانہ وسائل ہیں۔

علامہ ہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ شاید وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے اپنی کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں ان کی نقاب کشائی اور شرح و بیان کے لیے خامہ فرسائی کی ہے۔[2] اسی طرح علامہ آلوسی کے الفاظ میں شیخ علماے اعلام، نابغہ روزگار، شیخ محمد المعروف، خواجہ نصر اللہ ہندی مکی نے اپنی کتاب ''الصواقع المحرقة'' میں ان کی حقیقت بیان کی ہے۔ علامہ آلوسی نے اس کتاب کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام ''السيوف المشرقة''[3] رکھا ہے۔ شیخ سویدی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''نقض عقائد الشيعة''[4] کے ذریعے اس میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ میں نے اپنے مقالے ''فكرة التقريب...''[5] میں بھی ان وسائل کا ایک مجموعہ ذکر کیا ہے، جس کے تکرار کی ضرورت نہیں۔

جس طرح ہم نے شیعہ کی رائے اور مفہوم کے مطابق امامت کے اثبات میں ان کی قرآنِ کریم سے قوی ترین دلیل ذکر کی ہے، اسی طرح ہم وہ حدیث بھی ذکر کریں گے، جس کو وہ سنت سے سب سے زیادہ مضبوط دلیل خیال کرتے ہیں اور اس میں جو ذکر ہوا ہے، اس کی تفصیل ذکر کریں گے۔

شیعہ کی سنت سے بنیادی دلیل:

ان کی بنیادی اور رئیسی دلیل ''حدیثِ غدیر'' ہے۔ روافض نے اس کو اس قدر زیادہ اہمیت دی ہے کہ شیعہ کے ایک معاصر عالم نے اس حدیث کی شہرت اور صحت ثابت کرنے کے لیے سولہ جلدوں میں ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا ''الغدير في الكتاب والسنة والأدب'' نام رکھا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع سے واپس لوٹے اور غدیر خم[6] نامی جگہ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیان کیا کہ علی بن ابی طالب

---

[1] خصوصاً ''منهاج السنة'' کی آخری جلد میں۔ ڈاکٹر علی سالوسی نے امامت کے متعلقہ، کتبِ ستہ، موطا اور مسند احمد میں مذکور تمام روایات جمع کر کے ان کی اسانید و متون پر تحقیق پیش کی ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سنتِ نبویہ امامت کے مسئلے میں جعفریہ کے مذہب کی تائید نہیں، بلکہ صحیح و ثابت احادیث کے ساتھ اس کی مخالفت کرتی ہے۔

[2] دیکھیں: تحفة الإثنى عشرية (الورقة: ٤٤ وما بعدها) مختصر التحفة الإثنى عشرية (ص: ٣٢ وما بعدها)

[3] دیکھیں: السيوف المشرقة، ومختصر الصواقع المحرقة (الورقة: ٥٠ وما بعدها)

[4] دیکھیں: نقض عقائد الشيعة، (مخطوط، الورقة: ٢٥ وما بعدها)

[5] فكرة التقريب (ص: ٥٢ وما بعدها)

[6] خم۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ کے پاس ایک وادی ہے، جہاں ایک تالاب بھی ہے، یہ وادی بہت زیادہ تعفن اور خرابیِ آب و ہوا میں مشہور ہے۔ (معجم البلدان: ٢/ ٣٨٩)

میرے بعد خلیفہ اور وصی ہوں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت: ﴿يَآَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ [المائدة: ٦٧] میں آپ ﷺ کو اس کا حکم دیا ہے۔ شیعہ کے عالم مجلسی نے اس مفہوم کی اپنی ۱۰۵ روایات ذکر کی ہیں۔[1] وہ کہتا ہے:

''ہم نے اور ہمارے مخالفین نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ غدیر خم کے دن تمام مسلمان اکٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے اور کہا: لوگو! کیا میں مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا نہیں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا میں مولا اس کا علی مولی۔ اے اللہ! جو اس کے ساتھ محبت رکھے، تو بھی اس کے ساتھ محبت رکھ، جو اس کے ساتھ عداوت رکھے، تو بھی اس کے ساتھ عداوت رکھ، اس کی مدد کر، جو اس کی مدد کرے اور اس کو رسوا کر جو (اس کی مدد چھوڑ کر) اس کو رسوا کرے۔''[2]

شیعہ کی کتبِ تفسیر نے اس آیت: ﴿يَآَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ [المائدة: ٦٧] کی تفسیر میں حضرت علی کی امامت پر استدلال کرتے ہوئے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ اسی طرح ان کی وہ تمام کتب جو مسئلہ امامت کے موضوع پر ہیں، وہ بھی اس کو ذکر کرتی ہیں۔[3]

یہ لوگ اس حدیث کو ان احادیث کے سرفہرست رکھتے ہیں، جن سے یہ اہلِ سنت کے خلاف استدلال و احتجاج کرتے ہیں۔ شیعہ کے عالم عبداللہ شبر کا کہنا ہے:

''تمام عامہ (اہلِ سنت) نے جو متواتر طرق اور کثیر اسانید کے ساتھ روایت کی ہے، وہ سو طرق کے قریب ہے، ان کا اس کی صحت پر اتفاق ہے اور ان کے اس کے وقوع پذیر ہونے کا بھی اتفاق ہے اور وہ حدیث غدیر ہے۔'' پھر اس نے اس کا تقریباً وہی خلاصہ ذکر کیا ہے، جو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔''[1]

---

[1] بحار الأنوار (۳۷/ ۱۰۸۔ ۲۵۳)

[2] المصدر السابق (۳۷/ ۲۲۵)

[3] دیکھیں: ابن المطهر: كشف المراد (ص: ۳۹۵) القزويني: الشيعة في عقائدهم (ص: ۷۱) الصادقي: علي والحاكمون (ص: ۵۵۔ ٧٦) خليل ياسين: الإمام علي (ص: ۲۹۲) الزنجاني: عقائد الإمامية الإثنى عشرية (۱/ ۹۰) الأصفهاني: عقيدة الشيعة في الإمامة (ص: ۵۵)

[4] حق اليقين (۱/ ۱۵۳) صادقی کہتا ہے: ''قصہ غدیر ان ثابت ترین آثار میں سے ہے، جن کو راوی نقل کرتے ہیں۔'' (علي والحاكمون، ص: ۷۲) یہ حاضر اور غائب سب کے لیے حجت ہے، اب اللہ تعالیٰ کی اس کے بعد کوئی حجت نہیں۔ المصدر السابق (ص: ۷۳)

ابن المطہر نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور شیخ الاسلام نے اس کا تسلی بخش جواب دیا ہے۔[1]

اسی طرح امام محمد بن عبدالوہاب نے بھی شیعہ کے عالم مفید کے ساتھ، اس حدیث کو اس شکل میں پیش کرنے پر جس میں اس کو شیعہ دیکھتے ہیں، مناقشہ اور بحث مباحثہ کیا ہے۔[2] اسی طرح وہ اکثر اہلِ سنت علما جنھوں نے روافض کا رد کیا ہے، ان تمام نے بھی اس حدیث کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔[3]

ہم ذیل کی سطور میں اہلِ سنت کے جواب کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

اس حدیث میں وضاعین نے اضافہ کیا ہے۔ اہلِ علم کی ایک جماعت کے نزدیک اس حدیث میں صرف آپ ﷺ کے یہ الفاظ صحیح ثابت ہیں: «مَن كُنتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ»[4] جب کہ بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی قطعاً کوئی بات بھی صحیح ثابت نہیں۔

امام ابن حزم کہتے ہیں:

''یہ حدیث «مَن كُنتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» ثقات کے طریق سے قطعاً ثابت ہی نہیں۔''[5]

انھوں نے امام بخاری، ابراہیم الحربی اور محدثین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس میں جرح کی ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔[6]

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٩۔ ٦، ٨٤۔ ٨٧) المنتقىٰ (ص: ٤٢٢۔ ٤٢٥، ٤٦٦، ٤٦٨)

[2] دیکھیں: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٦۔ ٧)

[3] دیکھیں: أنو نعيم: الإمامة والرد على الرافضة (ص: ١٣) المقدسي: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢١١۔ ٢٢٤) الطفيلي: المناظرة بين أهل السنة والرافضة (ص: ١٥۔ ١٦) الألوسي: روح المعاني (٦/ ١٩٢۔ ١٩٩)

[4] محمد بن عبدالوهاب: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ١٣) سنن ابن ماجه (١/ ٤٣) سنن الترمذي: كتاب المناقب، باب مناقب علي بن أبي طالب: ٥/ ٦٣٣، رقم الحديث: ٣٧١٣) وقال: هذا حديث حسن صحيح. **امام ابن ماجہ نے اپنی سند سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ ہم حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آئے تو آپ نے راستے میں ایک جگہ اتر کر نماز کھڑی کرنے کا حکم دیا، پھر علی کا ہاتھ پکڑا اور کہا: کیا میں مومنوں سے ان کی جانوں سے زیادہ خیر خواہ نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، فرمایا: یہ (علی رضی اللہ عنہ) ولی ہے، اس شخص کا، جس کا میں مولیٰ ہوں، اے اللہ! جو اس سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔** (سنن ابن ماجه: ١/ ٤٣، رقم الحديث: ١١٦) **زوائد ابن ماجہ میں ہے کہ اس کی سند علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے ضعیف ہے۔** (الزوائد، ص: ٦٩) **علامہ احمد شاکر نے کہا ہے کہ اس حدیث کا متن صحیح ہے، بہت زیادہ اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ وہ اکثر طرق** ''مجمع الزوائد'' **میں ہیں۔** (الإمام أحمد: ١/ ٨٤، المسند: ٢/ ٥٦، تحقيق أحمد شاكر، و مجمع الزوائد (٩/ ١٠٣۔ ١٠٩)

[5] ابن حزم: الفصل (٤/ ٢٢٤) **نیز دیکھیں:** ابن تيمية: منهاج السنة (٤/ ٨٦) والذهبي: المنتقى مختصر منهاج السنة (ص: ٤٦٧)

[6] منهاج السنة (٤/ ٨٦)

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''اس کا کہنا: «مَن كُنتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» یہ صحاح میں موجود نہیں۔ لیکن اس روایت کو اہلِ علم نے ذکر ضرور کیا ہے اور لوگوں کا اس کی صحت میں تنازع اور اختلاف ہے۔''[1]

''پھر اس کا یہ کہنا: «اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ، وَنُصُرْ مَنْ نَّصَرَهُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ» یہ حدیث کی معرفت رکھنے والوں کے اتفاق کے ساتھ جھوٹ ہے۔''[2]

اس کے بعد شیخ الاسلام نے بیان کیا ہے کہ محض اس کے متن پر ایک نظر ڈالنے سے اس کا جھوٹ عیاں ہو جاتا ہے، کیوں کہ یہ قول: «اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ، وَنُصُرْ مَنْ نَّصَرَهُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ»[3] تاریخی طور پر ثابت شدہ حقائق کے بالکل خلاف ہے، چناں چہ یہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت نہیں اور اس کا یہ قول «اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ» اسلام کے قانون ہی کے خلاف ہے، کیوں کہ قرآنِ کریم نے بیان کیا ہے کہ مومنین آپس میں قتال اور ایک دوسرے سے پر ظلم و زیادتی کے باوجود بھائی بھائی ہیں۔[4]

شیخ الاسلام اس قول: «مَن كُنتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» کے ثبوت میں اہلِ علم کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اگر یہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں کہا تو پھر کوئی کلام ہی نہیں اور اگر کہا ہے تو اس سے اپنے بعد خلافت مراد نہیں لی، کیوں کہ اس لفظ میں اس کی دلالت موجود نہیں۔ یہ اتنا عظیم معاملہ تھا کہ اس کا واضح ابلاغ اور اعلان کرنا ضروری تھا...۔ یہ بھی یاد رہے کہ موالات (دوستی) معاداۃ (عداوت) کا متضاد ہے اور یہ حکم ہر مومن کے لیے ثابت ہے۔ (حضرت علی کو یہاں اس کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا ہے، اس کا سبب آگے ذکر ہوگا) حضرت علی ان مومنین میں سے ہیں، جو مومنین کے ساتھ وِلا رکھتے ہیں اور حضرت علی ان کے ساتھ وِلا اور محبت رکھتے ہیں۔ اس حدیث میں حضرت علی کے

---

[1] المصدر السابق.

[2] منهاج السنة (٤/ ١٦)

[3] جنگِ صفین میں ان کے ساتھ بہت سارے لوگوں نے شرکت کی، لیکن ان کو فتح نصیب نہیں ہوئی اور کچھ لوگوں نے ان کے ساتھ لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا، لیکن وہ رسوا نہیں ہوئے، جیسے حضرت سعد، جنھوں نے عراق فتح کیا، وہ ان کے ساتھ لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تھے، ایسے ہی اصحابِ معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ جنھوں نے ان کے خلاف لڑائی لڑی، انھوں نے بہت زیادہ کفار کے علاقے فتح کیے اور اللہ نے ان کی مدد کی۔ (مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام: ٤/ ٤١٨)

[4] المصدر السابق.

باطن میں بھی ایمان کی تصدیق ہے اور اس بات کی تصدیق ہے کہ حضرت علی ظاہر اور باطن دونوں اطراف میں موالات کے مستحق ہیں۔ اس میں ان کے جو دشمن مراد لیے ہیں، وہ خوارج اور نواصب ہیں، لیکن اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ مومنوں میں ان کے سوا کوئی مولیٰ نہیں، یہ ہو بھی کس طرح ہو سکتا ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے موالی اور محبت رکھنے والے صالح مومنین ہیں۔''[1]

قاموس کے مولف فیروز آبادی لکھتے ہیں:

''رافضہ میں سے جو کوئی یہ گمان رکھتا ہے کہ اس آیت ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ یا حدیث میں حضرت علی کی رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ ہونے پر کوئی دلالت موجود ہے تو یہ ایسے شخص کی جہالت اور خطا کی قطعی دلیل ہے، کیوں کہ وَلایۃ (زبر کے ساتھ) عداوت کا متضاد ہے، اس سے اسم مولیٰ اور ولی ہوتا ہے اور وِلایۃ (زیر کے ساتھ) امارت کے معنی میں ہے اور اس سے اسم والی یا متولی ہے، اسی طرح موالات، معادات کی ضد اور الٹ ہے، اس میں دونوں اطراف شریک ہوتے ہیں، جس طرح اس آیت میں ہے:

﴿ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴾ [التحريم: ٤]

''اور اگر تم اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو تو یقیناً اللہ خود اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومن اور اس کے بعد تمام فرشتے مددگار ہیں۔''

اور اس آیت میں ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴾ [محمد: ١١]

''یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے اور اس لیے کہ بے شک جو کافر ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں۔''

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ [التوبة: ٧١]

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں۔''[2]

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٨٦)

[2] القضاب المشتهر (الورقة: ١٣)

اس مفہوم کی آیات بہت زیادہ ہیں۔[1] بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ رافضہ نے جب یہ دیکھا کہ یہ حدیث ان کی مطلب برآری نہیں کرتی تو انھوں نے اس میں بڑے کھلے اضافہ جات کر لیے۔ امام محمد بن عبدالوہاب ان جملہ اضافہ جات میں سے، جو روافض نے اس حدیث میں کیے ہیں، بعض کے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہ اجماع اہلِ اسلام کفر ہیں۔[2]

جو شخص ان اضافہ جات کا مجلسی نے اپنی کتاب ''بحار الأنوار'' میں جو جمع کیا ہے، اس کے تناظر میں مطالعہ کرتا ہے تو اس کو اس میں اتنا زیادہ کفر اور گمراہی نظر آتی ہے، جس کی تفصیل اور شرح بیان کرنے کے لیے سیکڑوں صفحات کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس کے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے محض اس کے متن پر نظر ڈال لینا ہی کافی ہے۔

شریعت تو ایک طرف رہی یہ بات لغت، عقل اور عرفِ عامہ کی روشنی میں واضح اور معلوم ہے کہ یہ استخلاف (خلیفہ مقرر کرنا) ان جیسے الفاظ سے نہیں ہوتا، اسی لیے جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا گیا، جیسا کہ امام بیہقی نے روایت کیا ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: «مَن كُنتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» ''جس کا میں مولیٰ اس کا علی مولیٰ ہے۔'' تو انھوں نے جواب میں فرمایا:

> ''خدا کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے مراد اپنے بعد امارت، اقتدار اور لوگوں کی سربراہی ہوتی، تو آپ ان سے اس طرح واضح الفاظ میں بیان کرتے، جس طرح آپ نے ان کے سامنے نماز، زکات، روزے اور حج کے احکام واضح انداز میں بیان کیے اور آپ ان سے کہہ دیتے: یہ میرے بعد تمھارے ولیِ امر ہوں گے، ان کی بات سننا اور ان کی اطاعت کرنا، تو اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہ ہوتی، کیوں کہ مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ خیر خواہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''[3]

مطلب یہ ہوا کہ حدیث میں جس وَلایۃ کا ذکر ہوا ہے، وہ ہر مومن کو شامل ہے، لیکن حضرت علی کو اس کے ساتھ اس لیے مخصوص کیا تھا، کیوں کہ بعض لوگوں نے ان پر زبان طعن دراز کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے لیے مدینے سے نکلنے سے پہلے انھیں یمن بھیجا تو انھوں نے ان کے خلاف شکایات کی بھرمار کر دی۔[4] اس لیے

[1] دیکھیں: المجعم الفهرس، مادة "ولي"

[2] دیکھیں: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٦ وما بعدها)

[3] البهيقي: الاعتقاد (ص: ١٨٢۔ ١٨٣) نیز دیکھیں: تهذيب تاريخ دمشق (٤/ ١٦٩) أبو حامد المقدسي: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٢٢۔ ٢٢٣)

[4] دیکھیں: سيرة ابن هشام (٢/ ٦٠٣) البداية والنهاية (٥/ ١٠٤۔ ١٠٥)

امام بیہقی ذکر کرتے ہیں:

''اگر اس کی سند صحیح بھی ہو، تب بھی اس میں آپ ﷺ کے بعد حضرت علی کے ولیِ امر بننے پر کوئی نص اور وصیت مذکور نہیں۔ ہم نے کتاب الفضائل میں طرقِ حدیث سے اس سے نبی ﷺ کا مقصود بیان کیا ہے۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ جب آپ ﷺ نے ان کو یمن بھیجا، تو ان کے بارے میں بہت زیادہ شکایات آنے لگیں اور انھوں نے ان کے خلاف بغض ونفرت کا اظہار کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ اس بات اور اپنی محبت کا بالاختصاص ذکر کیا اور اس کے ذریعے ان کو ان کے ساتھ محبت وموالات رکھنے اور ان کے ساتھ عداوت ترک کرنے کی ترغیب دلائی، چنانچہ فرمایا: «مَنْ كُنْتُ وَلِيُّهُ فَعَلِيٌّ وَلِيُّهُ» ''جس کا میں مولیٰ، اس کا علی مولی۔'' بعض روایات میں ہے: «مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» ''جس کا میں دوست، اس کا علی دوست۔'' اس میں اسلام کی ولا اور مودت مراد ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھیں، عداوت نہ رکھیں۔''[1]

---

[1] الاعتقاد (ص: ۱۸۱) آخر میں ہم حدیثِ غدیر کے متعلق چند ملاحظات کرکرنا چاہتے ہیں:

① یہ فرمانِ الٰہی: ﴿يَأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ ﷺ کے حج سے بہت عرصہ پہلے نازل ہوا اور غدیر کا واقعہ آپ کے حج سے لوٹنے کے بعد ۱۸ ذوالحجہ کو رونما ہوا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: منهاج السنة: ٤/ ٨٤) لہٰذا ان کا یہ کہنا: ''جب آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے خطبہ غدیر ارشاد فرمایا۔ یہ بات ایسے شخص نے گھڑی ہے، جس کو صحیح گھڑنا بھی نہیں آتا۔

② یہ جو امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے غدیرخم میں فرمایا: ''میں تو صرف ایک بشر ہوں، ہوسکتا ہے کہ میرے رب کا ایلچی آجائے اور میں اس کا پیغام قبول کرلوں، لہٰذا میں تم میں دو قیمتی ونفیس چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، پہلی کتاب اللہ ہے، جس میں ہدایت اور نور ہے، کتاب اللہ کو تھامے رکھو اور اس کے ساتھ تمسک کیے رکھو۔'' آپ نے کتاب اللہ کی ترغیب دی۔ پھر فرمایا: اور میرے اہلِ بیت۔ مَیں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ یاد کرواتا ہوں...'' (صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه: ۲/ ۱۸۸۳، رقم الحديث: ۲٤۰۸)

اس کے متعلق شیخ الاسلام فرماتے ہیں: ''امام مسلم اس کو روایت کرنے میں منفرد ہیں، بخاری نے اس کو روایت نہیں کیا۔ اس میں کتاب اللہ کی اتباع کی وصیت کے سوا اور کچھ نہیں، اس کے بارے میں حجۃ الوداع کے موقع پر پہلے بھی وصیت ہوچکی تھی، آپ ﷺ نے عترت یعنی اپنی آل کی اتباع کا حکم نہیں دیا، لیکن یہ فرمایا کہ میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یاد کرواتا ہوں۔ امت کا ان کو یاد رکھنا یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان کو جو پہلے ان کے حقوق عطا کرنا اور ان سے ظلم روکنے کے متعلق حکم دیا گیا تھا، اس کو یاد رکھیں۔ اس امر کا بیان غدیرخم سے پہلے ہو چکا تھا، تو معلوم ہوا غدیر میں کوئی ایسا حکم نہیں دیا گیا جو حضرت علی کے متعلق نازل ہوا، نہ کسی دوسرے کے متعلق ہی اترا۔'' (منهاج السنة: ٤/ ٨٥) ←

کتاب اللہ سے ان کی سب سے اہم دلیل اور سنتِ رسول ﷺ سے ان کی قوی ترین برہان ذکر کرنے کے بعد ان کے باقی دلائل کا جائزہ ہم اہلِ سنت کی کتب پر چھوڑ دیتے ہیں، جن میں روافض کے ان شبہات اور اعتراضات کا تتبع کیا گیا ہے اور ان کی بیخ کنی کر دی گئی ہے، جو وہ کتبِ سنت سے اٹھاتے ہیں۔

بلاشبہہ اس شبہے کو جاننا اور اس کا جواب دینا ایک آسان کام ہے، کیوں کہ صرف ''منهاج السنة'' اور اس طرز کی دیگر اہلِ سنت کی کتب کی طرف رجوع کرنا کافی ہے، لیکن ہماری اس بحث میں ان تمام کا جائزہ لینا کئی جلدوں کا پیٹ بھر دے گا، لیکن کوئی نئی چیز پیش نہیں کرے گا، اس لیے ہم نے ان کی کتاب و سنت میں سے قوی ترین دلیل ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

ایک اور انتہائی زیادہ اہمیت کا حامل سبب یہ بھی ہے کہ روافض سرِ دست ان روایات پر یقین ہی نہیں رکھتے، جو اہلِ سنت کے طریق سے نقل ہوئی ہیں، خواہ وہ صحت کے سب سے بلند درجے پر ہی کیوں نہ فائز ہوں۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن میری رائے کے مطابق وہ یہ شبہات ان دو امور کے حصول کے لیے پیدا کرتے ہیں:

① اپنے پیروکاروں میں سے شک، تردد اور حیرانی کے شکار افراد کو یہ دھوکا دے کر مطمئن کرنا کہ یہ عقائد شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان اتفاقی عقائد ہیں، لیکن اہلِ سنت انکار و عناد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

② اہلِ سنت کو ان مسائل اور ان کے دفاع میں مشغول رکھنا، تاکہ وہ روافض کی حدیث، تفسیر اور رجال کی معتبر کتابوں تک رسائی حاصل نہ کر سکیں اور بصیرت و ژرف نگاہی سے ان کا مطالعہ و تحقیق نہ کر سکیں، تاکہ جاہل پیروکاروں کے سامنے ان کی حقیقت منکشف نہ ہو سکے۔

اس لیے مَیں کہتا ہوں کہ علمائے اہلِ سنت نے پہلے معاملے کا سامنا کرنے میں بڑی زبردست کوششیں پیش کی ہیں، لیکن دوسرے معاملے میں روافض کی کتب کی عدم دستیابی ان کے اور ان پر تنقید کے درمیان بہت بڑی رکاوٹ رہی ہے۔ البتہ عصورِ متاخرہ میں علمائے پاک و ہند نے اس کام میں بہت زیادہ حصہ ڈالا ہے، لیکن ابھی علمی و موضوعاتی تحقیقات کے ذریعے اس سلسلے کو جاری رکھنے اور اس میں کوششیں تیز کرنے کی اشد ضرورت ہے، تاکہ ان دھوکے کا شکار ہونے والے جاہلوں کے سامنے ان کا جھوٹ اور جعلی پن کھل کر سامنے آ جائے۔

← فیروز آبادی کا کہنا ہے: ''آپ کا یہ فرمان: مَیں تم کو اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرواتا ہوں'' یہ حضرت علی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ وہ تمام اہلِ بیت کے درمیان مشترک ہے، جس میں آلِ علی، آلِ جعفر، آلِ عقیل اور آلِ عباس داخل ہیں، لیکن رافضہ اس وصیت کو قبول کرنے میں تمام لوگوں سے پیچھے ہیں، کیوں کہ وہ جمہور اہلِ بیت کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں اور اہلِ بیت کے خلاف کفار کی مدد کرتے ہیں۔'' (القضاب المشتهر، ص: ۱۳)

مسئلہ نص و وصیت کے متعلق ان کی سنت سے اہم دلیل ذکر کرنے کے بعد اب ہم شیعہ کتب کی طرف آتے ہیں۔

نص (وصیتِ امامت) شیعہ کی کتابوں میں:

رافضہ کے قول اور نظریے کی بنیاد صرف ان کا دعویٰ وصیت ہے۔[1] ان کا اس مسئلے پر استدلال بھی اپنے اندر بڑی بوقلمونی رکھتا ہے۔ کبھی آسمانی کتابیں علی اور ائمہ کی امامت کی وصیت و تخصیص لے کر نازل ہوتی ہیں، لیکن یہ کتابیں ۲۶۰ ہجری سے غائب منتظر کے ساتھ ہی غائب ہو چکی ہیں۔[2] کبھی یہ کہتے ہیں کہ بارہ کی تعیین کے متعلق کچھ دوسری صریح قرآنی نصوص بھی تھیں، جو صحابہ کی کوشش کے نتیجے میں قرآنِ کریم سے چھپا دی گئیں۔[3] تیسرے موقع پر وہ یہ کہتے ہیں کہ کئی صریح نصوص اور روایات تھیں، جو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلیں، لیکن امت نے ان کو چھپانے پر اتفاق و اجماع کر لیا۔ رجال الکشی وغیرہ کے مطابق سب سے پہلے جس نے اس قول کو علی الاعلان پیش کیا، وہ ابن سبا تھا۔[4] بسا اوقات چوتھی جگہ پر وہ باطنی تاویلات کا سہارا لیتے ہوئے قرآنی آیات سے ائمہ مراد لیتے ہیں، لیکن ان تاویلات کو ائمہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[5]

اس نظریے کو مزید تقویت پہنچانے کے لیے وہ ائمہ کے بارے میں یہ بڑے عجیب وغریب دعوے کرتے ہیں کہ ان سے خارقِ عادت امور یعنی معجزات کا ظہور ہوتا ہے، وہ عصمت مطلقہ کے حامل ہیں۔ ان کے پاس آسمانی وحی سے حاصل ہونے والے علوم اور موروثی کتابیں ہیں اور ائمہ میں ایسی علامات ہوتی ہیں، جن کے ہوتے ہوئے وہ ساری انسانیت سے منفرد نظر آتے ہیں...الخ

آغاز میں ابن سبا نے وصیت کا دعویٰ صرف حضرت علی تک محدود رکھا تھا، اس کے بعد اس دعویٰ میں آلِ محمد ﷺ کے دیگر افراد کو بھی شامل کر لیا گیا، لیکن شیعہ فرقوں کا ان کی تعداد اور اعیان و اعلام کے بارے میں بڑا سخت اختلاف ہے۔ اہلِ علم کی ایک جماعت کے مطابق ہشام بن حَکم اور شیطان الطاق نے اس نظریے کو پھیلانے کا بیڑا اٹھایا، پھر ۲۶۰ ہجری کے بعد امام غائب کا نظریہ تخلیق کرنے والی ایک جماعت کے ہاتھوں،

---

[1] دیکھیں: ابن تیمیة: منهاج السنة (۳/ ۳۵٦)
[2] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٦۳۱) دیکھیں۔
[3] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۲۲۵) دیکھیں۔
[4] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۷۰۰) دیکھیں۔
[5] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۱۴۹) دیکھیں۔

جنھوں نے اس کی نیابت اور اس کے نام پر روزی کے اڈے لگا لیے، بارہ اماموں کی امامت کا قول قرار پا گیا، اس کی تفصیل مسئلہ ''غیبت'' (روپوشی) کے ضمن میں آئے گی۔

شیعہ کی وصیتِ ائمہ کے متعلق روایات نے ان کی معتبر کتب میں، جیسے: الکافی، بحار الانوار اور کتبِ تفسیر میں، اسی طرح شیعہ علما کی عام کتابوں میں، جیسے مفید، ابن بابویہ، طوسی اور ابن مطہر وغیرہم کی تصانیف ہیں، بہت زیادہ جگہ گھیری ہے۔ جب اس بات میں شیعہ اور اہلِ سنت کی کتابوں میں تقریباً اتفاق ہو چکا ہے کہ وصیتِ امام کا جھوٹ گھڑنے والا پہلا شخص ابن سبا تھا۔ شیعہ کی کتابوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وصیت وتخصیص امام کی روایات شیعیت کی طرف منسوب افراد کے درمیان خفیہ انداز میں رائج پذیر تھیں۔ علمائے اسلام کے سامنے، جن میں ائمہ اہلِ بیت بھی شامل تھے، اس کا اعلان و اظہار نہیں کیا گیا اور یہ راز داری پر مبنی فضا افترا پردازی اور جھوٹ سازی کے لیے بڑی سازگار تھی، پھر تدوین مذہبِ شیعہ اور افترا سازی کا آغاز بھی صفار، ابراہیم قمی اور کلینی جیسے عناصر کے ہاتھوں ہوا، جن کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگر معاملہ ایسے ہی تھا تو کیا ایک مسلمان ان جیسی نصوص اور روایات پر یقین کر سکتا ہے، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ ہوتی رہیں؟

بعض اصولی شیعہ ان مدونات اور بڑی بڑی کتابوں میں مذکور تمام روایات پر ہوسکتا ہے کہ اعتماد و یقین نہ کرتے ہوں، حتی کہ جعفر آلِ کاشف غطا نے اپنی کتاب ''کشف الغطا'' میں، جس پر آج شیعہ اعتماد کرتے ہیں، لکھا ہے:

''تینوں محمدوں پر تحصیلِ علم میں کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے؟!''[1]

شیعہ کی وہ اکیلی کتاب جس کے ہر جملے پر ان کو اطمینانِ خاطر حاصل ہے، وہ ''نهج البلاغة'' ہے، حالانکہ یہ چوتھی صدی میں امیر المومنین سے نقل کی گئی اور امیر المومنین پہلی صدی میں ہوئے ہیں، اس کی کوئی معروف سند بھی نہیں۔[2] اگر ان کی بنیادی اور رئیسی کتاب کا یہ عالم ہے تو باقیوں کا کیا حال ہوگا؟!

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

اسی لیے شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے:

''کوئی امامی بھی اس نص کو متواتر تو کجا متصل سند کے ساتھ بھی نقل نہیں کرتا۔''[3]

---

[1] صفحہ نمبر (۴۰۱) پر اس کے الفاظ گزر چکے ہیں، تینوں محمدوں سے اس کی مراد کتبِ اربعہ کے مؤلفین ہیں۔

[2] دیکھیں: صفحہ نمبر (۴۲۳)

[3] منهاج السنة (٤/ ٢١٠)

اس کے باوجود اگر ہم ''نهج البلاغة'' ہی کی عدالت میں فیصلہ لے جائیں تو وہ بھی دعوائے وصیت و تنصیص کے خلاف ہی فیصلہ دیتی ہے اور اس باب میں ان کے تمام مزاعم کو پاش پاش کر دیتی ہے، پھر تناقض ثابت کرتی ہے اور تناقض بطلانِ مذہب کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ''نهج البلاغة'' میں مذکور ہے:

''لوگوں نے جب امیر المومنین حضرت علی کی بیعت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے کہا: مجھے چھوڑ دو اور میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص تلاش کرو۔ ہم ایسے امر کا سامنا کرنے والے ہیں، جس کے کئی وجوہ اور رنگ ہوں گے، دل اس کے لیے قائم نہیں رہ سکیں گے اور عقلیں اس پر ثابت نہیں رہ سکیں گی۔ اگر تم مجھ کو چھوڑ دو گے تو میں تم میں سے ایک آدمی کی طرح ہوں گا، بلکہ جس کو تم اپنا حکمران بنا لو گے، اس کا تم سب سے زیادہ اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوں گا۔ میرا تمھارے لیے وزیر ہونا امیر ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔''[1]

یہ روایت اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے امامت کے لیے منصوص علیہ اور متعین نہیں تھے، وگرنہ ان کا یہ کہنا قطعاً درست نہ ہوتا کہ ''مجھ کو چھوڑ دو'' شاید میں زیادہ فرمانبردار ہوں گا... میں تمھارے لیے وزیر بن کر امیر سے بہتر ثابت ہوں گا...''[2]

امام معصوم یہ کہہ کر ''مجھ کو چھوڑ دو'' کیوں کر اپنی بیعت امامت سے انکار کر سکتا ہے؟ اگر یہ دین کے ارکان میں شامل ہے تو پھر وہ یہ بات کہہ کر ''میرے علاوہ کوئی دوسرا تلاش کر لو'' کس طرح کسی دوسرے کی

[1] نهج البلاغة (ص: ١٣٦) شیعہ عالم مفید نے ارشاد میں کہا ہے: میں علما نے امیر المومنین کا یہ کلام بھی محفوظ کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ''تو تم میرے پاس آئے، تم نے کہا: ہم سے بیعت لو، میں نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا، تم نے کہا: ضرور ایسا کہو، میں نے کہا: نہیں، میں نے اپنی مٹھی بند کر لی، تم نے اس کو پھیلا دیا، میں تم سے دور ہوا، تم نے مجھ کو اپنی طرف کھینچ لیا، تم نے مجھ کو ایسے کھینچا، جیسے پیاسے اونٹ کو پانی پلانے کے لیے گھاٹ پر لایا جاتا ہے، حتی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ تم مجھے قتل کر دو گے، تم میرے سامنے آپس میں لڑنے لگے تو میں نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور تم نے میری بیعت کی۔'' (الإرشاد، ص: ١٣٠۔ ١٣١) ط الأعلمي، بيروت، (ص: ١٤٣۔ ١٤٤) ط: الحيدرية بالنجف.

کیا جو شخص خلافت کی آرزو رکھتا ہو اور حضرت فاطمہ کو اپنے ساتھ لے کر صحابہ کے گھروں کے چکر لگاتا پھرتا ہو اور ان سے بیعت کی درخواست کرتا ہو، جس طرح شیعہ افسانے بیان کرتے ہیں، وہ اس جیسا کلام کہہ سکتا ہے؟ کیا اس قول کے بعد بھی وصیتِ امامت کے دعوے اور مخالفینِ امامت کے کفر کے قول کی کچھ حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا یہ کہیں اس خیال کو تو پڑوان نہیں چڑھا رہے کہ حضرت علی لوگوں کو کفر کی دعوت دیتے تھے؟ کیوں کہ جو شخص منصوص علیہ اور متعین امام کی بیعت نہیں کرتا، وہ شیعہ کی لغت میں کافر ہے، جب کہ یہاں حضرت علی بیعت سے انکار کر رہے ہیں؟

[2] محمود شكري الآلوسي: تعليقات على ردود الشيعة (مخطوط)

بیعت کا حکم دے سکتا ہے؟ حالاں کہ شیعہ کی کتابیں کہتی ہیں:

''تین اشخاص ایسے ہوں گے، جن کی طرف اللہ تعالیٰ دیکھیں گے نہ ان سے کلام کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، ان میں سے ایک وہ ہوگا، جس نے کسی ایسے امام کی بیعت کی، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر نہ کیا گیا ہو...''

تو کیا وہ ان کو ایمان کے بعد کفر کا حکم دے رہے تھے؟ یا پھر یہ ہے کہ اس باب میں شیعہ نے جتنے دعوے کیے ہیں، ان کا حضرت علی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ کسی کینہ پرور کی سازش اور عقل کے اندھے کافر کی کارستانی ہے، جس نے امت کی صفوں میں فرقے بازی اور اختلاف و انتشار کو داخل کرنا چاہا ہے؟

ابن مطہر حلی یہ قاعدہ ذکر کرتا ہے:

''جو استعفا پیش کرتا ہے، وہ امام نہیں، کیوں کہ اگر وہ امام ہوتا تو اس کے لیے استعفا پیش کرنا روا نہ ہوتا۔''[1]

لیکن جو بیعت ہی سے انکار کر دے اور دوسرے کی بیعت کا حکم دے، کیا اس کے متعلق یہ احتمال زیادہ قرینِ قیاس نہیں کہ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقرر اور متعین کیے جانے کی کوئی وصیت اور حکم موجود نہیں؟!

یہ مفہوم جو ''نهج البلاغة'' میں ذکر ہوا ہے، ان تاریخی قرائن اور واقعات کے ساتھ اتفاق رکھتا ہے، جو یہ ذکر کرتے ہیں کہ خلفاے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) منصبِ خلافت کی کوئی آرزو رکھتے تھے نہ اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے، کیوں کہ یہ ان کی نگاہ میں ایک بہت بڑی امانت اور غیر معمولی شرعی حکم تھا۔

''اہلِ سنت اور شیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے عہدِ خلافت میں کسی کو اپنی خلافت کی بیعت کرنے کی دعوت دی نہ کسی نے ان کی بیعت کی ہے۔''[2]

لیکن شیعہ اس کی ایسی توجیہ پیش کرتے ہیں، جو امیر المومنین علی کے شایانِ شان ہی نہیں، کیوں کہ ان کا اعتقاد ہے کہ آپ اس کا ارادہ رکھتے تھے اور یہ بھی وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہی امامت کے مستحق امام تھے، کوئی اور نہیں، لیکن وہ اس کو حاصل کرنے سے عاجز تھے۔[3]

چناں چہ وہ تقیے کی گود میں پناہ لیتے تھے اور انھوں نے شیعہ کی نگاہ میں دین کے سب سے اہم مسئلے اور

[1] ابن المطهر: منهاج الكرامة (ص: ١٩٥)

[2] منهاج السنة (١/ ٢٢٥)

[3] المصدر السابق.

معاملے سے دست کشی اختیار کر لی۔ ان کے اس معاملے سے دست بردار ہوجانے اور اس کا مطالبہ نہ کرنے نے شیعہ کے ایک کاملیہ نامی فرقے کو ان کی تکفیر پر آمادہ کر دیا، کیوں کہ جس شخص نے یہ عقیدہ گھڑا تھا، اس کا مقصد امیر المومنین کی نصرت یا محبت و اطاعت تھوڑا ہی تھی، اس مقصد نے تو امت کو سازشوں اور فرقے بندی سے دوچار کرنا تھا، چناں چہ اس کے اس نظریے اور عقیدے کا یہ نتیجہ نکلا کہ امیر المومنین حضرت علی سمیت ساری امت ہی گمراہی کے حکم میں داخل ہوگئی۔

اس کے بعد امیر المومنین یہ فیصلہ سناتے ہیں، جس طرح ''نهج البلاغة'' کا مولف ذکر کرتا ہے:

''جس کو تم اپنا حکمران بنا لو گے، میں شاید تم سب سے زیادہ اس کا حکم سننے والا اور ماننے والا ہوں گا۔''

یعنی جس کو مسلمان اپنا حکمران اور خلیفہ بنائیں گے، وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر ان کی سمع و اطاعت بجا لائیں گے۔ یہ بات اس دعوے کی قلعی کھول دیتی ہے کہ انھوں نے اپنے پیش رووں کی بیت و اطاعت تقیے کی آڑ میں کی تھی، کیوں کہ جو ان کے ساتھ تقیے سے پیش آتا ہے، وہ بیعت کرنے والے مسلمانوں کی طرح بھی نہیں ہوتا، چہ جائے کہ وہ ان کی بڑھ چڑھ کر سمع و اطاعت بجا لانے والا ہو۔

ان کا یہ کہنا: ''جس کو تم اپنا ولی امر بنا لو گے'' اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ولایت و امارت کا معاملہ جمہور مسلمانوں کی رائے اور اتفاق کے ساتھ مربوط ہے، وہ نہ کسی مزعوم نص اور وصیت کا محتاج ہے نہ کسی ایک معلوم شخصیت ہی میں منحصر ہے۔

وہ ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے طریقے سے اپنی بیعت کے معاملے کو رفع کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ ''میرا تمھارا لیے وزیر ہونا، امیر ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔'' ان کا یہ قول ان باتوں کی بھی نفی اور تردید کرتا ہے، جو روافض ان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ اپنے خصائل کو فخریہ انداز میں بیان کرتے، معجزات اور خوارق پیش کرتے اور اپنا امامت و امارت کا زیادہ استحقاق ثابت کرنے کے لیے سابقہ خلفا پر طعن و تشنیع کرتے....۔ وہ ایک دوسرے اقتباس میں اشارہ کرتے ہیں:

''انھوں نے خلافت کسی رغبت یا آرزو کے پیش نظر قبول نہیں کی، بلکہ مسلمانوں نے ان کو اس پر مجبور کیا، تب کہیں جا کر انھوں نے خلافت قبول کی۔ انھوں نے کسی نص یا وصیت کا دعویٰ نہیں کیا، وہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! مجھے خلافت میں کوئی رغبت ہے نہ ولایت کی کوئی ضرورت یا طلب، لیکن تم نے مجھے اس کی دعوت دی اور مجھے اس پر سوار کر دیا۔''[1]

[1] نهج البلاغة (ص: ٣٢٢)

وہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی خلافت مہاجرین و انصار کی بیعت کے ساتھ پایۂ ثبوت و تکمیل تک پہنچی، ان کی شوریٰ کا فیصلہ تھا اور اس موقع پر ان کا اجماع ہی معتبر تھا۔ اگر وہ مرتد ہوتے، جس طرح شیعہ کی کتب ان کے بارے میں کہتی ہیں تو ان کی بیعت اور اجماع کا کوئی اعتبار اور حیثیت نہ ہوتی، پھر اگر کوئی نص ہوتی تو ان کو ان کے اجماع اور بیعت کی قطعاً کوئی ضرورت نہ ہوتی، امیر المومنین فرماتے ہیں، جس طرح نہج البلاغہ میں مذکور ہے:

''میری اس قوم نے ان امور پر بیعت کی ہے، جس قوم نے جن امور پر ابوبکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی۔ (چناں چہ ان کی بیعت کا طریقہ ان سے پہلے خلفا کی بیعت سے مختلف نہیں تھا) نہ حاضر کے پاس انتخاب کا اختیار تھا نہ غائب کے پاس انکار کا (یہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس سے پہلے ان کی بیعت ثابت نہیں تھی، جس طرح امامیہ کی خیال آرائی ہے، بلکہ ان کی بیعت ثابت ہوجانے کے بعد اس کو رد کرنے کی کوئی گنجایش نہیں تھی) بلکہ شوریٰ صرف مہاجرین و انصار تک محدود تھی، اگر ان کا کسی آدمی پر اجماع ہوجاتا، وہ اس کو امام نصب کر دیتے تو یہ رضا ہوتی (چناں چہ انتخابِ خلیفہ میں اصل ان کا اجماع تھا نہ کہ نص) اگر کوئی ان کے حکم سے کوئی اعتراض یا بدعت لے کر خارج ہو جاتا، وہ اس کو اسی کی طرف لوٹاتے، جہاں سے وہ نکلا ہوتا، اگر وہ انکار کر دیتا تو مومنوں کی راہ چھوڑ کر غیر کی راہ کی اتباع کرنے کی وجہ سے اس کے خلاف لڑائی کرتے۔''[1]

یہ روایت بھی وصیت کے عدمِ وجود پر صریحاً دلالت کرتی ہے، چناں چہ ولایت و امارت کے معاملے میں مہاجرین و انصار کی شوریٰ ہی فیصلہ کن تھی۔ جس پر ان کا اجماع ہو جاتا، وہ امام و خلیفہ مقرر ہو جاتا اور جو اس سے خروج کرتا، مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر غیر کی راہ اختیار کرنے پر اس کے خلاف لڑائی واجب ہو جاتی۔ اگر امام کے متعلق کسی وصیت کا وجود ہوتا تو حضرت علی اس کے متعلق یہ نہ کہتے۔

یہ ''نهج البلاغة'' کے اقتباسات اور نصوص ہیں، جس کے بارے میں شیعہ کی یہ رائے ہے کہ یہ کلام شک سے بالاتر ہے، باطل کا اس کے آگے پیچھے سے کہیں گزر نہیں ہوتا۔ یہ ان کے نزدیک علی وجہ الیقین معصوم کا کلام ہے۔ شیعہ اس کے ایک جملے میں بھی شک نہیں کرتے۔ یہ نصوص، حضرت علی اور ائمہ کی امامت کی وصیت کے متعلق شیعہ نے جتنے دعوے کھڑے کیے ہیں، ان تمام کو زمین بوس کر دیتی ہیں۔

''نهج البلاغة'' میں حضرت علی سے مروی یہ مفہوم اہلِ سنت کے طریق سے بھی امیر المومنین سے جو

[1] نهج البلاغة (ص: ٣٦٦۔ ٣٦٧) اس کا موازنہ مفید کے قول سے کریں، جو اس نے الإرشاد (ص: ١٣٠) ط: الأعلمي بیروت، و (ص: ١٤٣) ط: الحیدریة بالنجف. میں ذکر کیا ہے۔

کچھ ثابت ونقل ہوا ہے، اس کے ساتھ بھی مطابقت رکھتا ہے۔ گویا اس کو فریقین کے نزدیک اجماع کی حیثیت حاصل ہے۔

امام احمد اپنی مسند میں ''عن وکیع عن الأعمش عن سالم بن أبي الجعد عن عبداللّٰہ بن سبع'' کی سند سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سبع نے کہا:

''میں نے حضرت علی سے سنا، جب یہ ذکر ہوا کہ ان کو قتل کر دیا جائے گا تو لوگوں نے کہا: ہمارے خلیفہ بن جاؤ، تو حضرت علی نے کہا: نہیں، لیکن میں تمھیں اسی کے سپرد کرتا ہوں، جس کے تم کو رسول اللہ ﷺ نے سپرد کیا تھا، انھوں نے کہا: کل جب تم اپنے رب کے پاس حاضر ہوگے تو اس کو کیا جواب دو گے؟ انھوں نے کہا: میں کہوں گا: اے اللہ! جب تک تم نے چاہا، مجھے ان میں چھوڑا، پھر تم نے میری روح قبض کر لی اور تم ان میں تھے، اگر تُو چاہتا تو ان کی اصلاح کر دیتا اور اگر چاہتا تو ان کو خراب کر دیتا۔''[1]

امام احمد نے اسی جیسا اثر ''أسود بن عامر بن الأعمش عن سلمة بِن کھیل عن عبداللّٰہ بن سبع'' کی سند سے بھی نقل کیا ہے۔[2] اس باب میں اور روایات بھی ہیں۔[3]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آؤ ان کے پاس (یعنی رسول اللہ ﷺ) چلیں اور ان سے پوچھیں کہ یہ معاملہ (خلافت کا معاملہ) کس قوم میں ہوگا؟ اگر تو ہم میں ہوا تو ہمیں اس کا علم ہو جائے گا، اگر کسی اور میں ہوا، ہم آپ سے کہیں گے اور آپ ہمارے متعلق وصیت کر دیں گے۔[4]

بعض روایات میں ذکر ہوا ہے:

''یہ واقعہ سوموار کے روز پیش آیا، جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا دن تھا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ امارت وخلافت کی وصیت کیے بنا ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے۔''[5]

صحیح بخاری میں مذکور ہے:

---

[1] مسند أحمد (٢/ ٢٤٢) رقم الحدیث (١٠٧٨) وقال أحمد شاکر: إسناده صحیح. مجمع الزوائد (٩/ ١٣٧) وقال الهیثمي: رواه أحمد و أبو یعلی، و رجاله رجال الصحیح، ورواه البزار بإسناد حسن.

[2] المسند (٢/ ٢٤٠) رقم الحدیث (١٣٣٩) قال أحمد شاکر: إسناده صحیح.

[3] دیکھیں: الدارقطني: السنن (٨/ ١٤٩) نیز دیکھیں: البدایة والنهایة (٥/ ٢٥٠_ ٢٥١، ٧/ ٣٢٤_ ٣٢٥)

[4] صحیح البخاري: کتاب الاستئذان (٧/ ١٣٦)

[5] ابن کثیر: البدایة والنهایة (٥/ ٢٥١)

''انھوں نے حضرت عائشہ کے پاس یہ ذکر کیا کہ حضرت علی کے متعلق وصیت کی گئی تھی تو حضرت عائشہ نے پوچھا: کس وقت آپ ﷺ نے وصیت کی تھی؟ میرے سینے یا گود میں آپ آرام فرما تھے، آپ نے ایک ٹرے منگوائی، میری گود ہی میں آپ کا جسم ڈھیلا پڑ گیا اور مجھے محسوس تک نہ ہوا کہ آپ وفات پا چکے ہیں، لہٰذا کب آپ نے ان کو وصیت کی تھی؟''[1]

حضرت عباس سے صحیح ثابت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے وصیت نہیں کی تھی۔'' اس کو ابن ابی شیبہ نے ارقم بن شرحبیل کی سند سے نقل کیا ہے۔[2]

مسئلہ نص (وصیت) میں معلوم اور متفق (عقلی) امور کے ساتھ استدلال:

اہلِ سنت کے پاس صحیح اور محکم دلائل موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کی وصیت نہیں کی اور اس سلسلے میں شیعہ جو نصوص اور روایات اہلِ سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں یا تو وہ اصلاً باطل اور بے حقیقت ہیں یا ان کی دلالت صحیح نہیں اور ان دلائل میں ان (اہلِ سنت) کے خلاف کوئی حجت نہیں۔

شیعہ کے پاس نص و وصیت کے ثبوت میں اپنے دلائل ہیں، جن کو انھوں نے اپنی مخصوص کتابوں میں درج کیا ہے، لیکن اہلِ سنت ان پر یقین نہیں رکھتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ روایات بعض روافض کی طرف سے ائمہ کے نام پر گھڑی گئی ہیں۔

خود شیعہ کی کتابوں میں ایسے دلائل موجود ہیں، جو اس باب میں شیعہ کے دعوے کی مخالفت کرتے ہیں، جس طرح ''نهج البلاغة'' وغیرہ میں ہے، وہ ان کو رد کرنے کے لیے یا تاویل کا سہارا لیتے ہیں یا تقیے کا، چناں چہ اس مسئلے پر حکم لگانے کے لیے، جو شیعہ کے نزدیک اصل الاصول ہے، معلوم، متواتر اور متفق امور کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ ہم فرض کرتے ہیں، جس طرح شیخ الاسلام کا کہنا ہے کہ ''اس مسئلے میں متنازع اخبار و روایات موجود ہی نہیں، یا یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے صحیح کون سی ہے اور غیر صحیح کون سی؟ لہٰذا دونوں اطراف میں ہم ان سے استدلال ترک کر دیتے ہیں اور ان امور کی طرف رجوع کرتے ہیں، جو ان کے علاوہ تواتر، عقل و منطق،

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الوصايا (٣/ ١٨٦) و كتاب المغازي (٥/ ١٤٣) صحيح مسلم: كتاب الوصية، باب ترك الوصية لمن ليس له شيء يوصي فيه (٢/ ١٢٥٧) رقم الحديث (١٦٣٦) سنن النسائي: كتاب الأحباس، باب هل أوصى النبيﷺ (٦/ ٢٤٠) مسند أحمد (٦/ ٣٢)

[2] مصنف ابن أبي شيبة (١١/ ٢٠٧) رقم الحديث (١٠٩٨٨) اس کو حافظ ابن حجر نے صحیح کہا ہے۔ فتح الباري (٥/ ٣٦١)

عادات واطوار اور متفق نصوص سے ثابت ہیں۔''

ذیل کی سطور میں ہم ان میں سے چند امور کا ذکر کرتے ہیں، جو حقیقت میں بہت زیادہ ہیں اور ایک مکمل کتاب کے متقاضی ہیں۔[2]

① اختلافی روایات کو ہم ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور کتاب اللہ کو عربی زبان کی روشنی میں سمجھ کر اس سے فیصلہ کرواتے ہیں، کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی مبین میں نازل کیا ہے۔ اہلِ سنت اور شیعہ دونوں کا عربی کی حدود پر اتفاق ہے اور اس کے الفاظ کے جو معانی مقرر کیے گئے ہیں، ان پر بھی ان کا اتفاق ہے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس معاملے میں فیصلہ صادر کرنے کے لیے عربی زبان مرجع بن سکتی ہے۔

اس سلسلے میں پہلا سوال یہ ہے کہ کیا قرآنِ کریم میں بارہ اماموں کا تذکرہ اور ان کے نام مذکور ہیں، جس طرح رسولِ ہدایت ﷺ کا نام اور اوصاف ذکر ہوئے ہیں؟ کیوں کہ امام ان کے نزدیک نبی کی طرح ہے اور امام کا منکر نبی کے منکر کی طرح یا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم میں متفرق مقامات پر صریح اور واضح الفاظ میں ارکانِ اسلام کا ذکر ہوا ہے اور ان کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے کسی باطنی تاویل یا موضوع روایات کی ضرورت نہیں، کیا اس طرح صریح الفاظ میں ہمیں کہیں بارہ اماموں کی امامت کا ذکر بھی ملتا ہے، جو شیعہ کے نزدیک اسلام کے تمام ارکان میں سب سے زیادہ عظیم رکن ہے؟

اس کا کوئی ذکر یا اس کی طرف اشارہ تک کیوں نہیں کیا گیا؟ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اس باب میں امامیہ کے مزاعم اور دعویٰ جات کی کوئی حقیقت نہیں؟ اگر یہی بات ہے تو پھر ان مزاعم کو کتاب اللہ کے مخالف اور متضاد ہونے کی بنا پر ایک طرف پھینک دینا ضروری ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ابن مطہر کے ساتھ بحث وتمحیص کرتے ہوئے اس منہج کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے:

---

① منہاج السنة (٤/ ١٢٠)

② شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہلِ علم یہ بات یقیناً جانتے ہیں، جسے تسلیم کیے بنا کوئی چارہ نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کی امامت کے متعلق کچھ بھی ذکر نہیں کیا اور ان کے پاس یہ بات ثابت کرنے کے کئی طریقے ہیں۔'' (منہاج السنة: ٤/ ١٤) ''منہاج السنة'' میں متفرق مقامات پر شیخ الاسلام نے جو ذکر کیا ہے، اسے نقل کرنا ہی کافی ہے اور حقیقت میں وہ بہت بڑا خزانہ ہے۔

''اگر یہ لوگ یک قلم روایت ترک کر دیں تو ممکن ہے کہ روایت کو کلیتاً ہی ترک کر دیا جائے۔''[1]

اس کے بعد انھوں نے امامت کے متعلق روافض کے دعویٰ جات کے ابطال وتردید میں اسی منہج کو عمل میں لاتے ہوئے کہا ہے:

''فرض کیجیے! ہم حدیث سے استدلال نہیں کرتے، تاہم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ﴾ [الأنفال: ٢۔ ٤] ([اصل] مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو انھیں ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور اس میں سے جو ہم نے انھیں دیا، خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں، انھی کے لیے ان کے رب کے پاس بہت سے درجے اور بڑی بخشش اور باعزت رزق ہے) یہاں اللہ تعالیٰ نے امامت کا ذکر کیے بغیر ان تمام کے ایمان کی گواہی دی ہے۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ [الحجرات: ١٥] (مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انھوں نے شک نہیں کیا اور انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں) یہاں بھی انھیں امامت کا ذکر کیے بغیر ایمان میں صادق قرار دیا ہے۔'' شیخ الاسلام نے اس قبیل کے کئی شواہد ذکر کیے ہیں۔[2]

یہ اور دیگر شواہد و دلائل یہ ثابت کرتے ہیں کہ بارہ اماموں کی امامت، جس کو اثنا عشریہ دین کی اصل اور اساس قرار دیتے ہیں، اس کی کتاب اللہ میں کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں۔

② اس امر کو نقل کرنے کے اسباب اور اس کے لیے ہمتیں بہ کثرت موجود تھیں۔ اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو جس طرح دیگر احادیث نقل کی گئیں، اسے بھی نقل کیا جاتا، بالخصوص باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں اس کثرت کے ساتھ جھوٹ نقل کیا گیا، جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں، اگر کوئی حق ہوتا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] منهاج السنة (١/ ٣٢)

[2] دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٣٣)

نے لوگوں تک پہنچایا ہوتا تو اس کو کیوں نقل نہ کیا جاتا، جب کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو تلقین کی تھی کہ وہ جو بھی آپ ﷺ سے سنیں، اس کو آگے پہنچا دیں۔ لہٰذا جس امر کی تبلیغ کا حکم ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا تھا، ان کے لیے اسے چھپانا کسی صورت روا نہیں تھا۔[1]

اگر صحابہ نے حضرت علی کی تعیین کے متعلق نص اور وصیت کو چھپایا ہوتا تو وہ حضرت علی کے فضائل و مناقب بھی چھپا لیتے اور ان کے متعلق کوئی بات بھی نقل نہ کرتے، جب کہ یہ بات خلافِ حقیقت ہے، تو معلوم ہوا کہ اگر اس جیسی کوئی چیز موجود ہوتی تو اسے نقل کیا جاتا، کیوں کہ خلافت کے لیے وصیت کی نص ایک بہت بڑا واقعہ ہے اور عظیم واقعات کو بہت زیادہ مشہور کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر کوئی ایسی شہرت پھیلتی تو مخالف اور موافق دونوں ہی اس کو جان لیتے، چناں چہ جب کسی فقیہ یا محدث تک اس کی کوئی خبر نہیں پہنچی تو یہ ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔[2]

اسے نقل کرنے میں شیعہ منفرد ہیں۔ یہی اس کے متعلق دعویٰ کرنے والے ہیں اور یہ لوگ جو شۓ نقل کرتے ہیں، اس میں تہمت زدہ ہیں، خاص طور پر جو ان سے جھوٹ، فسق، بدعت، گمراہی کے راستوں پر چلنا، محال امور کا دعویٰ کرنے کی بہتان بازی، اصول کی مخالفت اور اصحابِ رسول ﷺ کو سب وشتم کرنا معروف ہے۔''[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے جو قول فعل، امر اور نہی صادر ہوئی اور آپ کے کھانے پینے، سونے جاگنے کے حالات اور دیگر جتنے بھی احوال تھے، وہ تمام ہم تک نقل کر دیے۔ چناں چہ یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت علی کے متعلق وصیت کریں اور ان کو خلافت کے لیے متعین کریں اور اس کو قطعاً نقل نہ کیا جائے؟!

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو ضروری اور ناقابلِ انکار دلیل ہے، وہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو جمہور صحابہ وہاں موجود تھے، بجز ان کے جو مضافات کے علاقوں میں لوگوں کو دین کی تعلیم دینے کے لیے وہاں گئے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت علی کے متعلق یہ اشارہ تک نہیں دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی خلافت کے لیے تعیین کی ہے۔ یہ ایک محال اور قطعاً ناممکن امر ہے کہ

[1] المصدر السابق (٤/ ١٤)

[2] الرازي: أصول الدين (ص: ١٣٧)

[3] الآمدي: غاية المرام (ص: ٣٧٧)

مختلف ہمتوں، نیتوں اور انساب کے حامل بیس ہزار سے زیادہ انسان اس عہد کو لپیٹنے اور چھپانے پر اتفاق کر لیں، جو رسول اللہ ﷺ نے ان سے لیا ہو! ہمیں اس وصیت مزعومہ کے متعلق کسی ایک سے کوئی ایک روایت بھی نہیں ملی، سوائے ایک کمزور روایت کے جو مجہول راویوں سے شروع ہو کر ایک مجہول تک پہنچتی ہے، جس کو ابو الحمراء کی کنیت سے یاد کیا جاتا ہے، جس کا خلقِ خدا میں کوئی اتا پتا ہی نہیں۔''[1]

③ امامت ان فرضی امور میں داخل ہے، جن کے ساتھ مفاداتِ عامہ وابستہ ہیں۔ اگر اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ نبی ﷺ نے تو کسی ایک متعین شخص کو مقرر کیا تھا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس میں تغیر و تبدل کر لیا، تو ہر ملحد و بے دین شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ پانچ نمازیں تو حقیقت میں دس تھیں، یہ صحابہ کرام تھے، جنھوں نے ان کو اپنی مرضی کے مطابق پانچ کر دیا، اسی طرح جب ہر کوئی دعویٰ کرنے والا یہ دعویٰ کرے کہ نبی اکرم ﷺ کی وصیت کو تبدیل کر دیا گیا ہے تو یہ ہر فریضے کے متعلق کہا جا سکتا ہے اور نتیجے میں دین کے تمام امور سے سراسر اعتماد ہی اٹھ جائے گا۔[2]

④ روافض کا وصیتِ علی کا قول بعینہٖ اس شخص کے قول کی طرح ہے، جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق نص اور تعیین کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ عباس رضی اللہ عنہم کے متعلق نص صحیح نہیں، تو کہا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی نص صحیح نہیں۔ حضرت عباس کے متعلق نص کی اگر وہ تردید کریں گے تو اس کے ساتھ ہی حضرت علی کے متعلق نص کی بھی تردید ہو جائے گی، کیوں کہ دونوں کے متعلق ہی کوئی صریح نص ذکر نہیں ہوئی۔

شیعہ کے ایسے بہت سارے فرقے ہیں جو اپنے اکثر ائمہ کی نص کے بارے میں، جن کی امامت کا وہ دعویٰ کرتے ہیں، روافض کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں، بلکہ بیس فرقے ان کے بارھویں امام کے بارے میں روافض کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں اور ہر کوئی دوسرے کی نص کے باطل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے!!

''نص'' لغت میں ''منصۃ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی سٹیج ہوتا ہے اور وہ ظاہر اور ہر ایک کے سامنے ہوتا ہے، چناں چہ یہ نص کہاں ظاہر ہوئی؟ اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو وہ ظاہر اور مشہور ہوتی، اسے نقل کیا جاتا، وہ زبانِ زد عام ہوتی اور عام و خاص ہر ایک کے درمیان معروف و مشہور ہوتی۔

---

[1] الفصل (٤/ ١٦١)

[2] دفع شبه الخوارج والرافضة (الورقة: ١٥)

اگر وہ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تو تعیین فرما دی تھی، لیکن صحابہ کرام نے اس کو چھپا دیا، تو ان سے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس کی تعیین کی تھی اور اس کو انھوں نے چھپا دیا؟ نیز اگر اس جیسے معاملے کا چھپنا ممکن ہوتا اور وہ ظاہر نہ ہوتا تو کہنے والے کے لیے یہ کہنا بھی جائز ہوتا کہ نبی ﷺ کا ایک بیٹا تھا، آپ ﷺ نے اس کی تعیین کی تھی، لیکن صحابہ نے اس سے حسد کیا اور اس کو قتل کر دیا، اس طرح اس جیسے کئی فاسد اور غلط اسباب ذکر کیے جا سکتے ہیں، جنھیں کوئی عقل مند تسلیم نہیں کرتا۔[1]

⑤ ہم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعیین کر دی اور ان کو خلیفہ مقرر کر دیا تو دو آدمیوں کے درمیان بھی کوئی اختلاف نہ ہوا اور اس میں کوئی پوشیدگی رونما نہ ہوئی، اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قریش میں سے چھے افراد متعین کر دیے اور یہ معاملہ بالکل عیاں ہوگیا، جس کے انکار اور رد کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

رسول اللہ ﷺ تو ان تمام سے افضل تھے، لوگ آپ ﷺ کا حکم بجا لانے میں سب سے آگے ہوتے اور جو الفاظ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلتے، دل ان کو حاصل کرنے اور نقل کرنے میں زیادہ مستعد اور پرازشوق ہوتے، چناں چہ یہ بالکل محال بات ہے کہ حضرت ابوبکر ایک شخص کو متعین کر دیں، ان کے کسی کو خلیفہ مقرر کرنے میں کوئی اختلاف رونما نہ ہو اور کسی کے لیے اس کو چھپانا ممکن نہ ہو، اسی طرح حضرت عمر بھی، بلکہ حضرت معاویہ بھی جنھوں نے یزید کو متعین کر دیا تھا، یہ بات اتنی عام اور مشہور ہوگئی اور ظاہری اور متواتر انداز میں ان سے نقل کی گئی کہ اس میں کوئی جھگڑا یا اختلاف واقع نہ ہوا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصیص تعیین تو نقل کی جائے اور رسول اللہ ﷺ کی نص تعیین چھپا لی جائے اور اس کو کوئی بھی نقل نہ کرے؟![2]

خود شیعہ کو بھی اس کا اعتراف ہے اور وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ ولایت کا مسئلہ اور اس کی احادیث ان کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔

⑥ مہاجرین و انصار اور تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کے حکم کو کس طرح قبول کر لیا، جب انھوں نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا، بلکہ دو لوگوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت و امارت کے بارے میں اختلاف نہ کیا، لیکن انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم تسلیم نہ کیا؟ کیا مسلمان رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حضرت ابوبکر کے اطاعت گزار تھے؟

---

[1] دفع شبه الخوارج والرافضة (الورقة: ١٤ب)

[2] المصدر السابق (الورقة: ١٤، ١٥، مخطوط)

''کسی عقل مند کی عقل یہ کس طرح احتمال رکھ سکتی ہے یا کسی نیک یا بد پر یہ بات کس طرح مشتبہ ہوسکتی ہے سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے آزمایش میں مبتلا کرنا چاہا ہو کہ مہاجرین و انصار اور تمام تابعین کو علم ہوگیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابو طالب کی تعیین کر دی ہے اور ان کو ان کی موالات و محبت کا حکم دیا ہے، لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور آپ ﷺ کا حکم پسِ پشت ڈال دیا، لیکن جب ابوبکر نے ان کو حکم دیا کہ عمر کو اپنا حکمران تسلیم کر لیں تو انھوں نے ان کی اطاعت اور فرماں برداری اختیار کی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ چھے میں سے اپنا سربراہ منتخب کر لیں تو انھوں نے ان کی بھی مخالفت اور نافرمانی نہ کی!''[1]

یہ کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان نماز، زکات، روزہ، حج اور جہاد جیسے اسلامی فرائض پر تو عمل پیرا ہوں، لیکن ایک ایسے فریضے کو چھوڑ دیں، جو ان کے سارے اعمال کو ضائع کر دینے والا ہو۔ یہ فریضہ بیعتِ علی ہے! حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے اور حضرت علی کی بیعت ترک کر دینے میں ان کے سامنے کون سی مصلحت اور مفاد تھا؟![2]

(7) اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق وصیت صحیح ہوتی تو ان کے لیے کسی صورت ان چھے افراد میں شامل ہونا جائز نہ ہوتا، جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعین کیا تھا اور ان کو کہنا چاہیے تھا: میری تعیین و تقرری تو کر دی گئی ہے، مجھے ان میں داخل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، جن کو حضرت عمر نے متعین کیا ہے۔[3] اسی طرح ان کے لیے حضرت ابوبکر عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کی بیعت کرنا بھی جائز نہ ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بدگمانی کرنا روا نہیں کہ انھوں نے موت کے ڈر سے اپنے متعین و منصوص ہونے کا ذکر نہ کیا۔ وہ تو شجاعت میں شیر سے بڑھ کر تھے، انھوں نے کئی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنے آپ کو موت کے سامنے پیش کیا تھا، اس کے بعد جنگِ جمل ہوئی، پھر صفین ہوئی۔ وہ کون سی چیز تھی، جس نے ان کو ان دونوں حالتوں کے درمیان بزدل بنا دیا[4] اور تقیے کی پناہ لینے پر مجبور کر دیا؟

اگر آپ کی امامت و امارت منصوص علیہ اور متعین ہوتی اور رسول اللہ ﷺ کے بعد امت کا معاملہ آپ

---

[1] أبو بكر محمد بن حاتم بن زنجويه: إمامة أبي بكر الصديق (مخطوط غير مرقم الصفحات)

[2] المصدر السابق.

[3] دفع شبة الخوارج والرافضة (الورقة: ١٥) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت اور ان پر اتفاق کا واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ نیز دیکھیں: صحيح البخاري، كتاب فضائل الأصحاب، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان ... (٤/ ٢٠٤ وما بعدها)

[4] الفصل (٤/ ١٦٢)

کے سپرد کیا جانا ہوتا تو وہ اس منصب کو سنبھالتے، جس کو سنبھالنا ان کے لیے واجب و لازم تھا اور تمام وجوہ سے اس کا دفاع کرتے، لیکن اگر آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی سبب کے اس میں غفلت دکھائی اور اسے ترک کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی مخالفت کی اور حاشا وکلا آپ ایسا کریں۔ اگر آپ مغلوب و مجبور تھے تو اس سبب کا واضح ہونا ضروری ہے، جو ان کے نامزد ہونے کے باوجود اپنا حق نہ لینے کی عذر خواہی کر سکے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جو تمھارے نزدیک حضرت علی سے زیادہ کمزور ہیں، انھوں نے خلافت ان کے سپرد نہیں کی، جو اس کے اہل نہیں تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور حکم پر راضی ہوگئے، لیکن انھوں نے اس امانت کو ضائع نہیں کیا، جو ان کے سپرد کی گئی تھی۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جب عرب کے قبائل مرتد ہوگئے اور انھوں نے زکات ادا کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر نے امت کے معاملے میں کسی قسم کی غفلت کا مظاہرہ نہ کیا۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ اس سلسلے میں سستی دکھاتے تو اسلام منہدم ہو جاتا، چنانچہ آپ نے ان کے خلاف جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے خلاف نصرت عطا کی۔ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی صحابی بھی ایسا نہیں تھا کہ وہ کسی شے کو حق سمجھتا تو اس سے خاموش رہتا۔[1]

لہٰذا یہ روافض کس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف باطل پر راضی رہنا اور اپنے حق کے مطالبے سے بزدلی اور خوف دکھانا منسوب کرتے ہیں، حتی کہ ان کے اپنے حق کے اعلان اور اس کی دعوت میں تاخیر کی وجہ سے چند افراد کے سوا تمام لوگ مرتد ہوگئے، جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں، حالاں کہ وہ شیرِ خدا اور شیرِ رسول تھے!!

ایں چہ ابو العجبی است!

بلکہ ان سے یہ کہیں بھی نقل نہیں کیا گیا کہ انھوں نے لوگوں کو اپنی طرف بلایا ہو اور اپنی بیعت لینے کے لیے کسی سے بحث و مباحثہ کیا ہو، اس کے لیے لڑائی لڑنا تو ایک طرف رہا۔ اگر اس طرح کا کوئی واقعہ رونما ہوتا تو ضرور مشہور ہوتا۔ امت کو بڑے اہم سانحات اور حوادث کا سامنا کرنا پڑا اور اگر کوئی وصیت ہوتی تو وہ حالات اس وصیت کے اظہار کے بڑی شدت سے متقاضی تھے، جس طرح سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ پیش آیا اور شوریٰ کا حادثہ رونما ہوا۔ لیکن انھوں نے کسی ایسی چیز کا کوئی اظہار نہ کیا،[2] بلکہ انھوں نے اپنے اصحاب کو اپنی بیعت کی

---

[1] دفع شبه الخوارج والرافضة (الورقة: ١٦۔ أ)

[2] شیعہ عالم بیاضی لکھتا ہے کہ انھوں نے نصِ وصیت کے ذکر سے ان دو وجوہ کی بنا پر اعراض کیا تھا:

① اگر حضرت علی اس کا ذکر کرتے اور وہ اس کا انکار کر دیتے تو ان پر کفر کا حکم لگ جاتا ہے، کیوں کہ انھوں نے متواتر کا انکار کر دیا ہوتا۔

② شوریٰ میں انھوں نے افضل شخص کو منتخب کرنے کا ارادہ کیا تو وہ ان کے خلاف اس شے سے استدلال کرتے، جو ان کو ←

دعوت دی، جس طرح شیعہ کی کتابیں اقرار کرتی ہیں اور کسی نص وصیت کا دعویٰ نہ کیا۔[1]

شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے کہ وہ طریقے جن سے قطعاً معلوم ہوجاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کی امارت کے متعلق کچھ بھی ذکر نہیں کیا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور بعض انصار نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ ایک امیر ان میں سے ہونا چاہیے اور ایک مہاجرین سے۔[2] تو انھوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا:

''امارت قریش کے سوا کسی قبیلے میں نہیں ہوسکتی۔''[3]

صحابہ کرام نے متفرق احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے کہ امامت قریش میں ہوگی، ان میں سے کسی صحابی نے بھی اس مجلس میں نہ کسی دوسرے موقعے ہی پر کوئی ایسی بات نقل کی ہے، جو حضرت علی کی

← مقدم کرنا واجب قرار دیتی۔ (الصراط المستقیم: ۱/ ۲۹۹)

آپ اس جواب پر غور کریں تو یہ آپ کو باہم متضاد نظر آئے گا، کیوں کہ اس شیعہ عالم نے دعویٰ کیا ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں نص وصیت کا انکار کر کے کوئی مرتد نہ ہو جائے، وصیت کے اظہار سے چشم پوشی کی تھی، حالاں کہ یہ لوگ اپنی مزعومہ نصِ وصیت ہی کے انکار کی بنا پر صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں، مزید برآں یہ دلیل اس لیے بھی بڑی فضول اور باطل ہے، کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی اساس اور اس کے جوہر کی طرف اس لیے دعوت نہ دی جائے کہ کہیں کوئی اس کا انکار نہ کردے اور پھر اس کا منکر کافر نہ بن جائے!!

علاوہ ازیں اس شیعہ عالم نے واقعہ شوریٰ میں حضرت علی کے وصیت کو ذکر کے متعلق جو عذر خواہی کی ہے تو اس سلسلے میں اس کا یہی اقرار کافی ہے کہ انھوں نے نصِ وصیت کو ذکر نہیں کیا تھا، کیوں کہ اس کا یہ دعویٰ کہ نص ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، عقل و نقل سے مطابقت نہیں رکھتا، خصوصاً جب یہ امر منصبِ امامت سے تعلق رکھتا ہے، جو ان لوگوں کا اصل دین ہے۔:

[1] شیعہ عالم بیاضی نے کہا ہے: لوگ کہتے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) کا اپنے اصحاب سے بیعت طلب کرنا ان کے حق میں عدمِ وصیت کی دلیل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خلاف ان کا حق ہے، لہٰذا ان کے لیے ہر ممکن وسیلے سے اس تک پہنچنا درست ہے۔ (الصراط المستقیم: ۱/ ۲۹۹) یہ شیعہ کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلاف ملی تو انھوں نے اپنے اصحاب کے سامنے کوئی نصِ وصیت ذکر نہیں کی تھی، کیوں کہ اگر کوئی ایسی وصیت ہوتی تو وہ اس وقت ضرور اس کا اظہار کرتے اور بیعت و انتخاب تک معاملہ نہ پہنچتا۔ اس شیعہ عالم کا یہ کہنا کہ ''بیعت ان کا حق ہے، لہٰذا ان کے لیے ہر امکانی ذریعے سے اس تک پہنچنا درست ہے، یہ دلیل خود شیعہ کے ہاں بھی مردود ہے، کیوں کہ یہ معاملہ شیعہ کے نزدیک لوگوں کے ایمان یا کفر سے تعلق رکھتا ہے اور ان کے ہاں یہ منصب نبی کی مانند یا اس سے بھی بڑھ کر ہے اور کوئی ذاتی حق نہیں ہے، لیکن روافض کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر مسئلے پر اس طرح گفتگو کرتے ہیں، جو خود ہی اس کی تردید کر دیتا ہے اور وہ اس سے پہلے طے شدہ بات کو بھول جاتے ہیں۔

[2] شیعہ خود بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ نیز دیکھیں: الصراط المستقیم (۱/ ۲۹۹)

[3] مسند أحمد (۳/ ۱۲۹، ٤/ ٤۲۱) مسند أبي داود الطيالسي (ص: ۱۲۵) رقم الحديث (۹۲٦ و ۲۱۳۳) صحیح مسلم میں یہ حدیث بالفاظ دیگر مروی ہے۔ (صحيح مسلم، كتاب الإمارة: ۲/ ۱٤۵۱۔ ۱٤۵۲) رقم الحديث (۱۸۱۸۔ ۱۸۲۰)

امامت پر دلالت کرتی ہو۔ مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم میں سے اکثر بنو عبد مناف اور دیگر قبائل کا حضرت علی کی طرف بڑا قوی جھکاؤ تھا، وہ ان کی ولایت کا انتخاب کرتے، لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی اس نص اور وصیت کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان کے دور میں بھی ایسے ہی ہوا، بلکہ حضرت علی کے اپنے زمانے میں بھی جب ولایت ان کے پاس آ گئی، تب بھی آپ نے، آپ کے کسی فردِ خانہ نے اور نہ معروف صحابہ ہی نے اس نص کا ذکر کیا۔ اگر اس وصیت کا کہیں وجود ہوتا تو ان کے عہدِ خلافت میں اختلاف رونما نہ ہوتا، کیوں کہ اس دور میں امت آپ پر متفق تھی نہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص پر۔ دو فیصل مقرر کر کے ان سے فیصلہ کروانے کا معاملہ بھی ہوا، آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگوں کی اکثریت تھی، اس جیسے موقع پر بھی دوسرے لوگ تو کجا آپ کے اصحاب میں سے بھی کسی نے اس سے استدلال نہ کیا، حالانکہ ان میں ہمت بھی موجود تھی اور اظہارِ نص کے اسباب بھی میسر تھے۔ انھوں نے اس حدیث سے تو استدلال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔[1] (چونکہ یہ موجود تھی)

یہ حدیث ایک دو یا تین چار افراد کی خبر ہے، لیکن متواتر نہیں، جب کہ وصیت کی خبر قائلینِ وصیت کے نزدیک متواتر ہے، چناں چہ تعجب ہوتا ہے کہ شیعانِ علی کا اس حدیث سے استدلال کرنا کیوں کر جائز ہوا اور ان میں سے کسی ایک نے بھی نصِ وصیت سے استدلال نہ کیا؟![2]

رہا یہ دعویٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اماموں کی امامت کی تعیین اور وصیت فرمائی ہے تو اس سے بڑھ کر محال، اس سے واضح باطل اور اس سے زیادہ روشن اور کوئی جھوٹ نہیں، اس کو صرف اثنا عشریہ نقل کرتے ہیں اور شیعہ کے باقی تمام فرقے جو ستر کے قریب ہیں، اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

وہ نصوص اور روایات جن کو اثنا عشریہ نقل کرتے ہیں، ان کے ساتھ شیعہ کے ان بہت زیادہ فرقوں کی نصوص اور روایات متعارض ہیں، جو بارہ کے علاوہ دیگر کی امامت کے قائل ہیں۔ ہر فرقہ اثنا عشریہ کے دعوائے نص سے ہٹ کر ایک نئی نص کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ تمام دعوے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۲۵۰ سال سے زیادہ

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب مسح الغبار عن الناس (٣/ ٢٠٧) صحيح مسلم، كتاب الفتن (٣/ ٢٢٣٥) رقم الحديث (٢٩١٥) سنن الترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب عمار بن ياسر (٥/ ٦٦٩) رقم الحديث (٣٨٠٠) مسند أحمد (٢/ ١٦١، ١٦٤، ٢٠٦ ـ ٣/ ٥، ٢٢، ٢٨، ٩٠ـ ٤/ ٦/ ٢٨٩، ٣٠٠، ٣١١، ٣١٥)

[2] منهاج السنة (٤/ ١٤ـ ١٥)

عرصے کے بعد ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ یہ متاخرینِ شیعہ کی اختراع ہے، ان سے پہلے جو شیعہ تھے، وہ ان کی اس معاملے میں مخالفت کرتے ہیں۔

اہلِ سنت اور علماے اہلِ سنت، جن کی تعداد شیعہ سے کئی گنا زیادہ ہے، وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر دروغ بافی ہے، اس میں ان کو قطعاً کوئی شک نہیں اور وہ اس بات میں شیعہ کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لیے بھی تیار ہیں۔

اہلِ بیت سے جو متواتر روایات نقل ہوئی ہیں، وہ بھی اس جیسی بات کی تکذیب کرتی ہیں، ان کا یہ کبھی دعویٰ نہیں رہا کہ ان کی تعیین کی گئی ہے، بلکہ بارہ کی امامت کی وصیت کی توثیق و اثبات کرنا تو درکنار، وہ اس بات کے قائل ہی کی تکذیب کیا کرتے تھے۔[1]

اگر امامت کے متعلق معاملہ ایسے ہی ہوتا، جس طرح یہ روافض کہتے ہیں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی گنجایش نہ ہوتی کہ وہ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے ان کی گمراہی، ابطالِ حق اور شکستگیِ دین میں معاونت کرتے۔ اس طرح وہ ان کے ہر ظلم میں شریک ہوجاتے اور رسول اللہ ﷺ کے عہد کی عہد شکنی کرتے! پھر ان کے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کی موافقت کرتے ہیں، انھوں نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک کبھی ان کی خلافت کی مخالفت نہیں کی، چناں چہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی جبر کے بغیر بہ صد رضا و رغبت رسول اللہ ﷺ کے اس عہد کی پاسداری نہ کریں، جو آپ ﷺ ان دونوں کے لیے لیا تھا؟!

مزید برآں حضرت حسن کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ نفوس تھے، جو ان کے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ یقین نہ ہوگیا ہوتا کہ وہ خلافت کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے اور نہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں تو دونوں معاملوں کو اکٹھا نہ کرتے، لہٰذا چھے ماہ تک آپ نے خلافت اپنے پاس رکھی اور یہ آپ کا حق تھا، اس کے بعد آپ نے بلا ضرورت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منتقل کر دی اور یہ آپ کے لیے مباح بلکہ بلاشبہہ افضل تھا، کیوں کہ آپ کے نانا حضور ﷺ نے برسرِ منبر کہا تھا:

> ''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کروا دے۔''[2] (البخاري)

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٢٠٩۔ ٢١٠)

[2] ابن حزم: الفصل (٤/ ١٧٢۔ ١٧٣) یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔ دیکھیں: صحیح البخاري، کتاب الصلح، باب قول النبي ﷺ للحسن بن علي رضي الله عنهما: ابني هذا سيد، ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظيمتين (٣/ ١٦٩) سنن ←

یہ اور اس طرح کے بدیہی وعقلی دلائل اس باب میں بہت زیادہ ہیں، لیکن ہوئی اور تعصب سے پاک ذہن کے لیے جو حق کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، ان میں سے چند ایک ہی کافی ہیں۔

بارہ اماموں میں سے کسی ایک کی بھی امامت کے منکر کا حکم:

امامت شیعہ کے نزدیک نبوت کی ہم جولی یا اس سے بھی بلند رتبہ رکھتی ہے، بلکہ یہ شیعہ کے ہاں دین کی بنیاد اور اساسی قاعدہ ہے، اسی لیے جو ان کے بارہ اماموں میں سے کسی ایک کی امامت کا بھی انکار کرتا ہے، اس کے متعلق ان کا حکم اسی غلو کی تکمیل کرتا ہے، کیوں کہ وہ اس پر کفر اور جہنم میں دائمی قیام کا حکم لگاتے ہیں۔ ابن بابویہ کہتا ہے:

''جو امیر المومنین اور ان کے بعد ائمہ کی امامت کا انکار کرتا ہے، اس کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ اسی شخص کے قائم مقام ہے، جو انبیا کی نبوت کا انکار کرتا ہے اور وہ جو امیر المومنین کی امامت کا تو اقرار کرتا ہے، لیکن ان کے بعد کسی ایک امام کا بھی انکار کرتا ہے تو اس کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اس شخص کے قائم مقام ہے، جو تمام انبیا پر ایمان رکھتا ہے، لیکن محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتا ہے۔''[1]

یہ اقتباس تقاضا کرتا ہے کہ اثنا عشریہ نہ صرف تمام مسلمان فرقوں کو کافر قرار دیتے ہیں، بلکہ تاریخ کے مدار میں پائے جانے والے شیعہ فرقوں کی بھی تکفیر کرتے ہیں، حالاں کہ یہ لوگ اپنا دین انہی سے حاصل کرتے ہیں، کیوں کہ ان کے راوی انہی فرقوں کے رجال ہیں۔ شیعہ عالم طوسی کہتا ہے:

''امامت کا انکار کفر ہے، جس طرح نبوت کا انکار کفر ہے، کیوں کہ دونوں کے متعلق جہالت اور ناواقفیت ایک ہی پلڑے میں ہے۔''[1]

تاہم بہ ظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابن مطہر حلی اس بات پر مطمئن نہیں، چناں چہ اس کی رائے میں بارہ اماموں کی امامت کا انکار، نبوت کے انکار سے شدید تر ہے۔ وہ کہتا ہے:

''امامت لطفِ عام ہے اور نبوت لطفِ (مہربانی، عطا) خاص، کیوں کہ امام کے برعکس زمانے کا کسی

← أبي داود، كتاب السنة، باب ما يدل على ترك الفتنة (٥/ ٤٨) رقم الحديث (٤٦٦٢) سنن الترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما (٥/ ٦٥٨) رقم الحديث (٣٧٧٣) سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب مخاطبة الإمام رعيته وهو على المنبر (٣/ ١٠٧) مسند أحمد (٥/ ٣٧_ ٣٨، ٤٤، ٤٩، ٥١)

[1] الاعتقادات (ص: ١١١) بحار الأنوار (٢٧/ ٦٢)

[2] الطوسي: تلخيص الشافي (٤/ ١٣١) بحار الأنوار (٨/ ٣٦٨)

زندہ نبی سے خالی رہنے کا امکان موجود ہے۔لطفِ عام کا انکار لطفِ خاص کے انکار سے زیادہ بُرا ہے۔''[1]

وہ، ان لوگوں کو جو ان کے ائمہ پر ایمان نہیں رکھتے، یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ شدید کفر کا حامل قرار دیتا ہے، اس تکفیر کی بنا اس نظریے پر رکھی گئی ہے کہ زمانہ امام سے خالی نہیں ہوتا، جو حقیقت میں ان کے غائب امام منتظر کے وجود پر ایمان کے عقیدے کی طرف اشارہ ہے، جس کا شیعہ کے کئی فرقوں نے بھی انکار کیا ہے، جب کہ محققین علمائے انساب اور تاریخ دانوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ اصلاً پیدا ہی نہیں ہوا (جس کی تفصیل آگے ذکر ہوگی) لیکن یہ شیعہ عالم یہ خیال پیش کرتا ہے کہ اس کا انکار سب سے بڑا کفر ہے!

شیعہ کا عالم مفید امتِ اسلام کی تکفیر کے سلسلے میں اس مذہب پر شیعہ کا اتفاق نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

''امامیہ کا اتفاق ہے کہ جس نے کسی ایک امام کی امامت کا بھی انکار کیا اور اللہ تعالیٰ نے جو اس کی اطاعت فرض کی ہے، اس کو ٹھکرا دیا تو وہ کافر، گمراہ اور جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا مستحق ہے۔''[2]

بلکہ شیعہ کے عالم نعمت اللہ جزائری نے تو معاملے کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ اس نے صرف مسئلہ امامت کی وجہ سے شیعہ کی تمام مسلمانوں سے علاحدگی کا اعلان کر دیا ہے، چناں چہ وہ کہتا ہے:

''ہم ان کے ساتھ اِلٰہ، نبی اور امام کے معاملے میں اکٹھے نہیں، کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کا رب وہ ہے، جس کا محمد ﷺ نبی تھا اور اس کے بعد ابوبکر ان کا خلیفہ تھا، لیکن ہم اس رب کے قائل ہیں نہ اس نبی کے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ رب جس کے نبی کا خلیفہ ابوبکر تھا نہ وہ ہمارا رب ہے اور نہ وہ نبی ہمارا نبی ہے۔''[3]

اس عام تکفیر کے بعد انھوں نے امامیہ کے سوا مسلمانوں کے تمام گروہوں اور جماعتوں کو مرتد قرار دیتے ہوئے ان کو لعنت کے لیے مخصوص کیا ہے۔ ان کی تکفیر درج ذیل اشخاص و افراد کو شامل ہے:

1. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان میں سرفہرست خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد امت کے بہترین افراد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔
2. اہلِ بیت۔
3. مسلمانوں کے خلفا اور ان کی حکومتیں۔

---

[1] ابن المطهر الحلي: الألفين (ص: ۳)

[2] المسائل للمفيد، اسی سے مجلسی نے بحار الأنوار (۸/ ۳۶۶) میں نقل کیا ہے۔

[3] الأنوار النعمانية (۲/ ۲۷۹)

4. اسلامی بلاد وممالک اوران کے باشندگان۔
5. مسلمان قاضی۔
6. مسلمانوں کے ائمہ اور علما۔
7. اسلامی فرقے۔
8. امتِ اسلامیہ۔

میں ذیل کی سطور میں ان تمام گروہوں کے متعلق شیعہ کا عقیدہ تفصیل کے ساتھ ذکر کروں گا۔

① صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین:

شیعہ کی کتابوں میں مہاجرین و انصار، اہلِ بدر، بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے اصحابِ محمد ﷺ اور دیگر تمام صحابہ کرام پر، جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، تکفیر اور لعن طعن کی بھرمار ہے۔ وہ ان میں سے صرف معدودے چند افراد کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، جن کی تعداد پانچ انگلیوں کے برابر بھی نہیں۔

یہ مسئلہ ان کی کتابوں کے ظاہر اور شائع ہوجانے کی وجہ سے ان امور میں داخل ہو چکا ہے، جو تقیے کی آڑ میں بھی نہیں چھپتے، جو اگرچہ اس سے پہلے بعض ائمۂ اسلام کی نظروں سے اوجھل تھا۔ امام نووی کی شرح مسلم میں ہے:

> ''امامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ صحابہ کرام حضرت علی پر دیگر کو مقدم کرنے کی وجہ سے خطا کار ہیں، کفار نہیں۔''[1]

لیکن کچھ اہلِ علم اور عقائد کی کتابوں کے مولفین ایسے ہیں، جن کو امامیہ کے اس عقیدے کی خبر تھی، چناں چہ قاضی عبد الجبار کہتے ہیں:

> ''امامیہ کا یہ مذہب ہے کہ بارہ اماموں کی امامت نص جلی سے ثابت ہے، جس کے انکار کرنے والے کو کافر قرار دیا جاتا ہے اور اس کی تکفیر واجب ہوتی ہے، لہٰذا اس وجہ سے انھوں نے اصحابِ نبی ﷺ کو کافر قرار دیا ہے۔''[2]

قریب قریب یہی معنی ومفہوم عبد القادر بغدادی[3] اور ابن تیمیہ[4] وغیرہما[5] نے بھی ذکر کیے ہیں۔ لیکن وہ

---

[1] شرح صحيح مسلم للنووي (١٥/ ١٧٤)

[2] شرح الأصول الخمسة (ص: ٧٦١)

[3] الفرق بين الفرق (ص: ٣٢١)

[4] منهاج السنة (٤/ ١٢٨)

[5] دیکھیں: البزدوي: أصول الدين (ص: ٢٤٧۔ ٢٤٨)

تعداد جس کو شیعہ اس تکفیر کے عام حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اس کے متعلق میں نے کسی محقق کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس کے متعلق کوئی ایسا اشارہ دیا ہو، جو اثنا عشریہ کی کتابوں میں مذکور تعداد کے مطابق ہو۔

عبدالقادر بغدادی کہتے ہیں:

''امامیہ کی اکثریت کا یہ نظریہ ہے[1] کہ صحابہ کرام، حضرت علی، ان کے دونوں بیٹوں اور تیرہ کے قریب صحابہ کے سوا (نعوذ باللہ) سب مرتد ہوگئے تھے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رافضہ کہتے ہیں: مہاجرین و انصار نے نص وصیت چھپا لی تھی، چناں چہ چند افراد کے سوا وہ تمام کافر ہوگئے، وہ چند دس کے قریب تھے یا اس سے زیادہ، پھر وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر اور ان دونوں جیسے ہمیشہ منافق رہے۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ وہ پہلے ایمان لائے، پھر کافر ہوگئے۔''[2]

آپ دیکھیں گے وہ تعداد، جس کو اثنا عشریہ مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، ان کی ذکر کردہ تعداد سے کم ہے۔ یہ تو وہ باتیں تھیں جو اہلِ سنت وغیرہ کی کتابوں میں شیعہ کے صحابہ کرام کے متعلق مذہب کے حوالے سے ذکر ہوئی ہیں۔ آیندہ صفحات میں ہم ملاحظہ کریں گے کہ شیعہ اپنے معتبر مصادر کے حوالے سے کیا کہتے ہیں۔

اثنا عشریہ کی کتابیں کہتی ہیں:

تین صحابہ کرام کے سوا باقی تمام حضرت ابوبکر کو زمامِ خلافت سونپنے کی وجہ سے مرتد ہوگئے۔ بعض روایات تین چار دیگر افراد کا تذکرہ بھی کرتی ہیں، جو امامتِ علی کی طرف لوٹ آئے، اس طرح مجموعی لحاظ سے ان کی تعداد سات ہوجاتی ہے، اس سے وہ زیادہ نہیں کرتے۔

شیعہ نے ''اس افسانے کی خبریں'' اپنی معتبر کتابوں میں ذکر کیں اور انھوں نے اپنی سب سے پہلی ظاہر ہونے والی کتاب سلیم بن قیس میں اس کہانی کو لکھا۔[3] اس کے بعد ان کی کتابوں نے مسلسل اس مسئلے کے اثبات اور اشاعت کو آگے بڑھایا، جن میں سرِفہرست ان کی کتبِ اربعہ میں سب سے زیادہ معتبر کتاب ''الكافي''[4]

---

[1] دیکھیں عبدالقادر اس مذہب کو عمومی طور پر تمام امامیہ کا مذہب قرار نہیں دیتے۔ امام اشعری نے بھی یہ ذکر کیا ہے کہ یہ اس مسئلے میں دو فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ (مقالات الإسلاميين: ١/ ١٢٨، ١٢٩)

[2] مجموع الفتاویٰ (٣/ ٣٥٦)

[3] دیکھیں: كتاب سليم بن قيس (ص: ٧٤۔ ٧٥)

[4] الكليني: الكافي (٢/ ٢٤٤)

کتبِ رجال میں اساسی کتاب ''رجال الكشي''[1] اور ان کے علاوہ ان کے دیگر مصادر میں، جیسے ''تفسیر عیاشی''[2]، ''برهان''[3]، ''الصافي''[4]، ''تفسیر نور الثقلین''[5]، ''الاختصاص''[6]، ''السرائر''[7] اور ''بحار الأنوار''[8] ہیں۔

یہ ان کے بعض علما کی محض آرا نہیں، بلکہ ان کے معصومین سے روایات ہیں، جو ان کے نزدیک عصمت اور تقدس کی حامل ہیں، لیکن اس مثالی، قرآنی تربیت کے سائے میں پروان چڑھنے والی نسل کو سب وشتم کرنا تو ان کے علما کی زبان پر عام اور ان کی اکثر کتابوں میں جگہ جگہ موجود ہے۔

اگر میں وہ سارا کوڑا کرکٹ ذکر کرنا شروع کر دوں، جو میں نے دیکھا ہے تو وہ کئی جلدوں میں بھی نہ سمائے، چناں چہ میں وہ بعض اقتباسات نقل کرنے پر اکتفا کروں گا، جن میں ان کی تکفیر صریحاً ذکر ہوئی ہے اور وہ باقی طعن وتشنیع کے انکشاف اور اس کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہوں گے۔ شیعہ کے ثقہ عالم کلینی نے اپنی کتاب ''الكافي'' میں روایت ذکر کی ہے کہ حمران بن اعین نے کہا:

> ''میں نے ابوجعفر سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! ہم کتنے تھوڑے ہیں؟ اگر ہم ایک بکری کے لیے اکٹھے ہوں تو اس کو بھی ختم نہ کر پائیں! انھوں نے کہا: میں تم کو اس سے بھی عجیب تر بات نہ بتاؤں، مہاجرین اور انصار تین کے سوا تمام پھر گئے۔''[9]

چناں چہ یہ تکفیر، جس طرح آپ ملاحظہ کر رہے ہیں، مہاجرین و انصار کو، جو رسول اللہ ﷺ کے افضل اصحاب ہیں، شامل ہے۔ یہ روایت بیان کرتی ہے کہ شیعہ ابوجعفر کے زمانے میں ایک منحرف قلت کے سوا، جو

---

[1] رجال الكشي (ص: ٦، ٧، ٨، ٩، ١١)

[2] تفسير العياشي (١/ ١٩٩)

[3] هاشم البحراني: البرهان (١/ ٣١٩)

[4] محسن الكاشاني: الصافي (١/ ٣٨٩)

[5] الحويزيني: نور الثقلين (١/ ٣٩٦)

[6] المفيد: الاختصاص (ص: ٤۔ ٥)

[7] ابن أدريس: السرائر (ص: ٤٦٨)

[8] بحار الأنوار (٢٢/ ٣٤٥، ٣٥٢، ٤٤٠)

[9] شیعہ کے معاصر عالم علی اکبر غفاری نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے: یعنی آپ نے اپنی تین انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا اور تین سے مراد سلمان، ابوذر اور مقداد ہیں۔ (الكافي، حاشية: ٢/ ٢٤٤) دیکھیے! صدیاں گزر جانے کے باوجود شیعہ کے علما کی عقلوں سے یہ خرافات پر مبنی مفاہیم مٹ نہیں سکے۔ اس کی مزید تفصیل معاصر شیعہ کے باب میں ذکر ہوگی۔

ان کی رائے کی ہم نوا تھی، کسی مسلمان کو اسلام پر قائم نہیں سمجھتے تھے۔

مسلمانوں کے تناسب سے یہ اتنی زیادہ قلت تھی کہ اگر یہ سارے ایک بکری کھانے کے لیے اکٹھے ہوتے تو اسے ختم نہ کر سکتے۔ اس بات کا انھوں نے اپنے امام سے شکوہ کیا تو اس نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اوائلِ شیعہ بھی تین سے زیادہ نہیں تھے، باقی تمام مرتدوں کے حکم میں تھے۔

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ رافضہ ابوجعفر محمد باقر کے زمانے تک مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ قلیل تعداد میں تھے اور ان کے مخالفت تھے۔ ان کی دعوت کو قبولیت حاصل ہوئی تھی نہ ان کا مذہب پھیلا تھا۔ یہ تقیے اور رازداری کے غاروں میں رہتا تھا اور ان کے روساء اور سربراہان اپنے پیروکاروں کو اہلِ بیت کی طرف اس طرح کے جھوٹ گھڑ کر تسلی دیتے تھے۔

کافی کی روایت نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام بیان نہیں کیے، جو ارتداد سے محفوظ رہے تھے اور انھوں نے رافضہ کے مذہب کی ہمنوائی کی تھی۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ مذہبِ رفض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کہیں ظاہر ہوا تھا اور یہ لوگ صحابہ نہیں تھے، بلکہ ان کا سبائی ہونا کچھ بعید نہیں، جن کے کندھوں پر رافضی سرگرمی کا آغاز ہوا تھا۔ یہ بھی کچھ بعید از عقل نہیں کہ ان سبائیوں نے استعاراتی نام استعمال کیے ہوں اور وہ ان کی جگہ صحابہ کے نام ہوں۔ یہ بات رجال الکشی میں ذکر ہوئی ہے:

> ''حنان بن سدیر عن ابیہ عن ابی جعفر کی سند سے ذکر کرتا ہے کہ ابوجعفر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین آدمیوں کے سوا سب لوگ مرتد ہوگئے۔ میں نے پوچھا: وہ تین کون تھے؟ انھوں نے جواب دیا: مقداد بن اسود، ابو ذر غفاری اور سلمان فارسی۔ پھر تھوڑی دیر بعد لوگوں نے سارے معاملے کو پہچان لیا۔ پھر کہا: انھیں لوگوں پر سارے معاملے کا دارومدار تھا اور انھوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا، حتیٰ کہ وہ امیر المومنین کو مجبور کر کے لے آئے تو انھوں نے بیعت کی۔''[1]

یہ اقتباس اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر کے ساتھ ساتھ رفض و انکار کے مذہب کے پہلے خلیے کی بھی نشان دہی کرتا ہے، جو ان مستعار ناموں کا نقاب اوڑھے ہوئے تھے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ یہ تین افراد بھی بجز ایک کے جن کو شیعہ روایات مستثنیٰ قرار دیتی ہیں، امام کی ''معرفت'' میں شک سے محفوظ نہیں رہ سکے، جو اصل ایمان ہے! یہی وجہ ہے کہ جب ابوجعفر نے کہا کہ تین کے سوا سب لوگ مرتد ہوگئے تو اس کے فوراً بعد کہا: اگر تم ایسا

[1] رجال الكشي (ص: ٦) الكافي: كتاب الروضة (١٢/ ٣٢١۔ ٣٢٢) مع شرح جامع للمازندراني.

شخص چاہتے ہو جس نے قطعاً شک نہیں کیا اور اس کے دل میں کسی شبہے نے جنم نہیں لیا تو وہ شخص صرف مقداد تھا، جہاں تک سلمان کا تعلق ہے تو ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ امیر المومنین کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے، اگر وہ اس کو زبان پر لائیں تو ان لوگوں کو زمین پکڑے گی، وہ ایسے ہی تھا تو اس نے اس کی گردن میں کپڑا ڈال کر اس کو کھینچا اور تکلیف دی، جس کے نتیجے میں اس کی گردن پر ایک گلٹی بن گئی۔

اس کے بعد اس کے پاس سے امیر المومنین کا گزر ہوا اور انھوں نے کہا: اے ابوعبداللہ! لگتا ہے یہ گلٹی اس کے نتیجے میں ہے، تم بیعت کر لو تو انھوں نے بیعت کر لی۔ ابو ذر کا یہ معاملہ تھا کہ انھوں نے امیر المومنین کو چپ رہنے کے لیے کہا اور ان کو اس معاملے میں کوئی شرمندگی نہ ہوئی، لیکن انھوں نے خاموش رہنے سے انکار کر دیا، پھر ان کے پاس عثمان کا گزر ہوا تو اس نے بھی اس کا حکم دیا۔[1]

یہ تین ارتداد سے تو نجات پا گئے، لیکن شیعہ کی تنقید اور عیب جوئی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ شیعہ کی روایات ذکر کرتی ہیں کہ ان تینوں کے درمیان ظاہری تعلقات بڑے اچھے تھے، لیکن اگر ہر ایک کو دوسرے کے دل میں مچلنے والے خیالات کا علم ہو جاتا تو وہ اس کو قتل کر دیتا یا اس کے قاتل کے لیے جذبہ ترحم رکھتا، کیوں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے باطن اور اعتقاد سے ناواقف تھا۔

رجال الکشی میں ہے کہ امیر المومنین نے کہا:

''اے ابو ذر! سلمان جو جانتا ہے، اگر تجھ سے کہہ دیتا تو تم کہتے: اللہ سلمان کے قاتل پر رحم کرے۔''[2]

ابو بصیر سے مروی ہے کہ میں نے ابوعبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے سلمان! اگر تیرا علم مقداد پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔ اے مقداد! اگر تیرا علم سلمان پر پیش کیا جائے تو وہ بھی کافر ہو جائے۔''[3]

اس لیے ان کا ایک دوسرے کے ساتھ معاملہ (حالاں کہ وہ روافض کی نگاہ میں شیعہ کا خلاصہ تھے، یعنی مخلص ترین شیعہ تھے) بھی تقیے اور رازداری کی اساس پر قائم تھا۔ جعفر اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

میں نے ایک دن حضرت علی کے سامنے تقیے کا ذکر کیا، تو انھوں نے کہا: اگر ابو ذر کو علم ہو جائے کہ سلمان کے دل میں کیا ہے تو وہ اس کو قتل کر دے، حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو آپس

---

[1] رجال الكشي (ص: ١١) بحار الأنوار (٢٢/ ٤٤٠)

[2] المصدر السابق (ص: ١٥)

[3] المصدر السابق (ص: ١١)

میں بھائی بھائی بنایا تھا، پھر باقی تمام لوگوں کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہوگا؟''[1]

یہ تمام نصوص و اقتباسات اہلِ کفر و بدعت پر صادق آتی ہیں، کیوں کہ ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ﴾ [الحشر: ١٤] ''آپ انھیں اکٹھا سمجھتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں انتشار ہے۔'' ان سے اصحابِ رسول ﷺ بَری ہیں، لیکن ان عبارات سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شیعہ صحابہ کرام کو کافر قرار دیتے ہیں، نیز ان سے یہ استنباط بھی کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ رفض کی ظاہر میں ایک نہ نظر آنے والی صورت بھی ہے، کیوں کہ ان کی تعداد کم ہے، ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت اور بد نیتی چھپی ہوئی ہے اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کے سوا کسی کے پاس بھی ایمان کی دولت نہیں۔

یہ ہیں ان کے نزدیک اسلام کے ہراول دستے اور پہلی جماعت کی خصوصیات، لہٰذا باقی تمام کے بارے تمھارا کیا گمان ہوگا!

شیعہ روایات کہتی ہیں کہ ان تین کے ساتھ چار لوگ مزید آ ملے تھے، تا کہ عصر صحابہ میں مومنین (بلکہ روافض) کی تعداد سات ہو سکے، لیکن اس سے ان کی تعداد زیادہ نہیں ہوئی۔ اس کے متعلق شیعہ کی روایات کہتی ہیں، چناں چہ ایک روایت میں ہے:

> ''حارث بن مغیرہ نصری سے مروی ہے کہ میں نے عبد الملک بن اعین کو ابوعبداللہ سے بار بار سوال کرتے ہوئے سنا، حتی کہ اس نے کہا: تو کیا لوگ تب (یعنی، شیعہ نظریے کے مطابق، رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر کی بیعت کر کے) ہلاک ہوگئے؟ انھوں نے کہا: ہاں، خدا کی قسم! اے ابن اعین! تمام لوگ ہلاک ہوگئے۔ میں نے کہا: مشرق ومغرب کے تمام باشندے؟ انھوں نے کہا: یہ تمام علاقے گمراہیوں کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ یعنی خدا کی قسم! تین کے سوا تمام ہلاک ہوگئے، پھر ابوساسان،[2] عمار،[3] شتیرہ[4] اورابوعمرہ[5] آ ملے اور وہ سات ہوگئے۔''[6]

---

[1] المصدر السابق (ص: ١٧)

[2] شیعہ عالم اردبیلی کہتا ہے: ''ابوساسان کا نام حصین بن منذر تھا، اس کو ابو سنان بھی کہا جاتا ہے، اس کے بعد اس نے الکشی سے مذکورہ روایت نقل کی ہے۔ (جامع الرواۃ: ٢/ ٣٨٧)
حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ اس کا نام حضین (ض کے ساتھ) بن منذر بن حارث رقاشی ہے۔ یہ صفین میں حضرت علی کے امراء میں سے تھا، وہ ثقہ ہے، پہلی صدی کے اختتام کے وقت اس کی وفات ہوئی۔ (تقریب التہذیب: ١/ ١٨٥)

[3] اس سے ان کی مراد عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں۔

[4] اردبیلی کہتا ہے: ''شتیرۃ'' امیر المومنین کے ساتھیوں میں سے تھا، پھراس نے دوبارہ الکشی کی روایت نقل کی۔ (جامع الرواۃ ١/ ٣٩٨) ←

یہ جملہ نصوص و روایات اس امر کی توثیق کرتی ہیں کہ یہ تعداد اس سے نہیں بڑھی۔ ابو جعفر نے کہا:

''وہ سات تھے اور ان سات کے سوا کوئی بھی امیر المومنین کا حق نہیں پہچانتا تھا۔''[1]

ابو عبداللہ حلفاً کہتے تھے:

''خدا کی قسم! ان کے ساتھ سات لوگوں کے سوا کسی نے وفا نہیں کیا۔''[2]

ان سات کی تعیین میں بھی ان کی روایات میں اختلاف اور تفاوت ہے۔[3] بہ ظاہر ایسے لگتا ہے کہ ان افراد کی شخصیات کی تعیین میں شیعہ فرقوں کے درمیان اختلاف ہے اور ہر کوئی اپنی طرف سے گھڑتا ہے یا پھر یہ ہے کہ اختلاف اور تناقض جھوٹ کے مزاج میں شامل ہے۔ اگر یہ احتمال ہے، جس طرح میں نے کہا ہے کہ رافضہ تمام صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں اور یہ سات رافضیت کی پہلی جماعت کے رموز ہیں، کیوں کہ شیعہ کی صفات، تعلقات اور مذہب کا صحابہ سے کچھ تعلق نہیں۔

رافضہ بعض اوقات[4]، ایمان اور صحابہ کی تعریف کے متعلق آیات کی اس معمولی سی تعداد کے ساتھ تاویل کرتے ہیں، جس کو وہ تکفیر کے عمومی قاعدے سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ تفسیر قمی میں اس آیت: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ [الأنفال: ٢-٤] کی تفسیر میں صاحب کتاب لکھتا ہے:

← [5] اردبیلی کہتا ہے: ''ابوعمرہ انصاری کا نام ثعلبہ بن عمرو تھا۔ یہ امیر المومنین کے چیدہ ساتھیوں میں سے تھا۔'' (جامع الرواة: ٢/ ٤٠٨) حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں: ''ابوعمرہ انصاری کے نام میں اختلاف ہے۔ عمرو بن محصن بھی ذکر ہوا ہے۔ ثعلبہ بن عمرو بن محصن بھی اور بشیر بن عمرو بن محصن بن عتیک بھی۔'' ابن عبدالبر کہتے ہیں: ''ان شاء اللہ یہی درست ہے۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔'' الإستیعاب (٤/ ١٣٣- ١٣٤ نیز دیکھیں: الإصابة (٤/ ٤٤١) أسد الغابة (٥/ ٢٦٣)

[6] رجال الكشي (ص: ٧)

[1] المصدر السابق (ص: ١١- ١٢)

[2] المفيد: الاختصاص (ص: ٦٣) الحميري: قرب الإسناد (ص: ٣٨) بحار الأنوار (٢٢/ ٣٢٢)

[3] مثال کے طور پر سات کی تعیین کے بارے میں الکشی اور طوسی کی روایت، جو میں نے ذکر کی ہے، اور ''قرب الإسناد للحميري'' کی اس روایت میں تقابل کریں، جس میں ہے: ''خدا کی قسم! سات لوگوں کے سوا کسی نے اس کے ساتھ وفا نہیں کی اور وہ یہ ہیں: سلمان، ابو ذر، عمار، مقداد بن اسود کندی، جابر بن عبداللہ انصاری، رسول اللہ کا ایک آزاد کردہ ثبیت نامی غلام اور زید بن ارقم۔'' (قرب الإسناد، ص: ٣٨، بحار الأنوار: ٢٢/ ٣٢٢)

[4] کیوں کہ ان کی اکثر نصوص و روایات میں ان آیات کی تاویل ائمہ کے ساتھ کی جاتی ہے۔

''یہ امیر المومنین، ابوذر، سلمان اور مقداد کے بارے میں نازل ہوئی۔''[1]

لیکن شیعہ کے دماغ سے یہ بات غائب ہوگئی ہے کہ وہ ان تینوں کی تعریف اور ان کو مومنوں کی صف میں اس آیت میں مذکورہ صفات کی بنا پر شامل نہیں کرتے، بلکہ اس لیے ان کی مدح سرائی کرتے ہیں کہ ان تین لوگوں نے حضرت علی کی امامت تسلیم کی اور حضرت ابوبکر کی امامت وخلافت کا انکار کیا۔

یہ قاعدہ اور معیار، جس پر شیعہ اپنے مخالفین کو تولتے ہیں، اس کا اس آیت میں کہیں ذکر نہیں، جس کو یہ ان تین اصحاب کے ایمان میں نص اور صریح عبارت قرار دیتے ہیں، باقی قرآنی آیات کی بھی یہی صورتِ حال ہے۔ وہ تمام ان کی تردید اور مخالفت کرتی ہیں اور ان میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں۔

انھوں نے کفر، کافرین اور شرک اور مشرکین کے بارے میں آیات تمام صحابہ کرام کے متعلق قرار دی ہیں، جس طرح ہم کافی اور بحار الانوار کے متعدد ابواب میں پاتے ہیں۔[2] اصحابِ محمد ﷺ، احبابِ محمد ﷺ، انصارِ محمد ﷺ اور اصفیاے محمد ﷺ کی تکفیر کے عام حکم کے باوجود وہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خصوصی طور پر مزید طعن وتکفیر کا نشانہ بناتے ہیں، ان کے اس باب میں ایسے اقوال اور اقتباسات ہیں، جن کو سن کر اہلِ ایمان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ خلفاے ثلاثہ، وزراے رسول اور آپ ﷺ کے اَصہار و داماد حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے لیے اس تکفیر سے وافر مقدار میں حصہ مخصوص کرتے ہیں۔

شیعہ عالم مجلسی نے اپنی کتاب "بحار الأنوار" میں، جو ان کے بعض معاصر علما کی نگاہ میں ''معارفِ مذہب کی تحقیق کے لیے یکتا ماخذ ہے''،[3] "باب کفر الثلاثة ونفاقهم و فضائح أعمالهم"[4] (تینوں ابو (ابوبکر و عمر وعثمان رضی اللہ عنہم) کے کفر، نفاق اور رسوا کن اعمال کا بیان) کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے۔ شیعہ کے ایک دوسرے عالم بحرانی نے اس موضوع پر متعدد ابواب قائم کیے ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

''باب ۹۷: وہ دونوں جو امیر المومنین سے پہلے (خلیفہ) ہوئے ہیں، ان کے اوپر قیامت تک امتِ محمد ﷺ سے سرزد ہونے والے گناہوں کے برابر گناہ ہیں۔''[5]

---

[1] تفسير القمي (١/ ٢٥٥) بحار الأنوار (٢٢/ ٣٢٢)

[2] دیکھیں: الكافي: باب فيه نكت ونتف من التنزيل في الولاية (١/ ٤١٢۔ ٤٣٦) اس میں ۹۲ روایات ہیں۔ اس سلسلے میں گذشتہ صفحات (۱۷۹) بھی ملاحظہ کریں۔

[3] البهبودي: مقدمة البحار ج: صفر (ص: ١٩)

[4] بحار الأنوار (٨/ ٢٠٨۔ ٢٥٢) من الطبعة الحجرية.

[5] المعالم الزلفى (ص: ٣٢٤)

''باب ۹۸: ابلیس جہنم میں عمر سے بلند مرتبے پر فائز ہوگا اور یقیناً ابلیس کو دوزخ میں اس پر شَرف حاصل ہوگا۔''[1]

شیعہ کی روایات اس کفر میں ناک و ناک ڈوبی ہوئی ذکر ہوتی ہیں اور اس کی ہر جہت میں ہاتھ پاؤں مارتی ہیں۔ یہ صرف شیخین کی تکفیر ہی پر اکتفا نہیں کرتیں، بلکہ ان دونوں کو مسلمان کہنے کو سب سے بڑا کفر قرار دیتی ہیں۔ صاحبِ کافی روایت کرتا ہے:

''تین لوگ ایسے ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت کلام کریں گے نہ ان کو پاک ہی کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا:[2] جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امامت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے اور وہ اس کے لیے نہ ہو۔[3] جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصب کردہ امام کا انکار کیا اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ ان دونوں (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کا اسلام سے کوئی حصہ ہے۔''[4]

بعض اوقات یہ روایات ان کو ''جبت'' اور ''طاغوت'' سے متصف کرتی ہیں۔[5] کبھی ان پر لعن طعن کے تیر برساتی ہیں، خصوصاً زیارات[6] اور نماز کے بعد کی دعاؤں میں۔ یہ لوگ ان اذکار کو شیخین اور تمام مسلمانوں پر لعن طعن میں بدل دیتے ہیں۔[7] عصرِ حاضر میں شیعہ کے متعلق لکھنے والے بعض اصحابِ قلم نے صدیقِ امت حضرت ابوبکر صدیق اور فاروقِ امت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی تکفیر کے بارے میں شیعہ کی غلیظ اور گندی باتیں نقل کی ہیں۔[8]

لیکن مَیں یہاں یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ شیعہ نے جو کچھ دولتِ صفویہ کے سائے میں تحریر کیا ہے، اس میں اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے افضل افراد کی تکفیر بالکل کھلی اور صریح ہے، لیکن جو اوائلِ شیعہ نے کلینی کے زمانے میں اور اس کے بعد لکھا، وہ اشارے کنائے اور رمزیہ زبان میں تھا۔ جب ایک حد تک تقیے کا حکم ختم ہوگیا اور اثنا

---

[1] المصدر السابق (ص: ٣٢٥)

[2] یہ قیامت تک آنے والے مسلم خلفا کی تکفیر میں نص ہے۔

[3] یہ ان تمام پہلے اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کی تکفیر ہے، جو ان کے بارہ اماموں کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے۔

[4] أصول الكافي (١/ ٣٧٣، ٣٧٤) النعماني: الغيبة (ص: ٧٠) تفسير العياشي (١/ ١٧٨) بحار الأنوار (٢٥/ ١١١)

[5] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٤٢٩)

[6] دیکھیں: من لا يحضره الفقيه (٢/ ٣٥٤)

[7] دیکھیں: مستدرك الوسائل (١٠/ ٣٤٢)

[8] جس طرح شیخ موسیٰ جار اللہ کی ''الوشيعة'' اور احسان الٰہی ظہیر کی ''الشيعة والسنة'' کی تحریروں میں یہ حوالہ جات ذکر ہوئے ہیں۔

عشریہ کی حقیقت ظاہر ہوگئی، تب ان کے متاخر علما نے ان رموز سے نقاب اٹھایا۔

شیعہ کی اس سلسلے میں چند ایک مخصوص اصطلاحات کچھ اس طرح ہیں۔ یہ شیخین کو ''فصل'' اور ''رمع'' کے نام سے ذکر کرتے ہیں، کیوں کہ یہ سلطنتِ اسلام کی قوت کے ایام میں صریحاً نام لینے کی جراَت نہیں رکھتے۔ تفسیر عیاشی میں ذکر ہوا ہے:

''راوی اپنے امام سے کہتا ہے: اللہ آپ کی اصلاح کرے! اللہ کے دشمن کون ہیں؟ انھوں نے کہا: چاروں بت۔ میں نے کہا: وہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: ابو الفصیل، رمع، نعثل، معاویہ اور جو ان کے دین پر چلنے والا تھا۔ جس نے ان سے دشمنی رکھی، اس نے اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھی۔''[1]

شیعہ عالم مجلسی ان اصطلاحات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ابو الفصیل سے ابوبکر مراد ہے، کیوں کہ فصیل اور بکر دونوں کا معنی قریب قریب ہے۔ رمع عمر کی مقلوب شکل ہے اور نعثل سے عثمان مراد ہے۔''[2]

اس آیت: ﴿ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ﴾ [الحجر: ٤٤] کی تفسیر میں عیاشی روایت کرتا ہے:

''ابو بصیر، جعفر بن محمد سے بیان کرتا ہے کہ انھوں نے کہا: دوزخ کو لایا جائے گا، اس کے سات دروازے ہوں گے، پہلا دروازہ ظالم کے لیے ہوگا اور وہ زریق ہے۔ دوسرا حبتر کے لیے، تیسرا تیسرے کے لیے، چوتھا معاویہ کے لیے، پانچواں عبدالملک کے لیے، چھٹا عسکر بن ہوسر کے لیے اور ساتواں ابوسلامہ کے لیے اور یہی دروازے ان کے لیے بھی ہیں، جنھوں نے ان کی پیروی کی۔''[3]

مجلسی اس روایت کی تفسیر میں کہتا ہے:

''زریق پہلے (ابوبکر رضی اللہ عنہ) سے کنایہ ہے، کیوں کہ عرب آنکھ میں نیلاہٹ سے نحوست لیتے ہیں۔ حبتر لومڑ کو کہتے ہیں، شاید اس نے اس کی مکاری اور حیلے سازی کی وجہ سے اس کے لیے اس کنائے کا انتخاب کیا ہے، اس کے علاوہ دیگر روایات میں اس کے عکس ذکر ہوا ہے اور وہ زیادہ واضح ہے، کیوں کہ حبتر پہلے کے لیے زیادہ مناسب ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں وہی مراد ہو، دوسرے کو اس

---

[1] تفسیر العیاشي (٢/ ١١٦) بحار الأنوار (٢٧/ ٥٨)

[2] بحار الأنوار (٢٧/ ٥٨)

[3] تفسیر العیاشي (٢/ ٢٤٣) البرهان (٢/ ٣٤٥)

لیے مقدم رکھا ہو کیوں کہ وہ زیادہ سخت اور درشت مزاج تھا۔ عسکر بن ہوسر بنو امیہ یا بنو عباس کے بعض خلفا سے کنایہ ہے، اس طرح ابو سلامہ ابو جعفر الدواشیقی سے کنایہ ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ عسکر عائشہ اور تمام اہلِ جمل سے کنایہ ہو، کیوں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کا نام عسکر تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس کا نام شیطان تھا۔''[1]

اسی طرح شیعہ کی اکثر روایات میں ان دونوں عظیم شخصیات کی طرف ''فلاں فلاں'' کے لقب کے ساتھ بھی اشارہ کیا جاتا ہے، جس طرح ابو عبداللہ سے مروی اس آیت: ﴿ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ﴾ [البقرة: ١٦٨، ٢٠٨الأنعام: ١٤٢] کی تفسیر میں ہے کہ اس نے کہا:

''شیطان کے قدم سے مراد، خدا کی قسم! فلاں فلاں کی ولایت (امارت وخلافت) ہے۔''[2]

اس آیت: ﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ ﴾ [النور: ٤٠] کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ فلاں فلاں (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) مراد ہیں۔ ﴿فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے نعثل مراد ہے، ﴿مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ ﴾ اس سے طلحہ وزبیر مراد ہیں، ﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ سے معاویہ مراد لیتے ہیں۔[3]

مجلسی کہتا ہے:

''فلاں فلاں سے ابوبکر وعمر اور نعثل سے عثمان مراد ہیں۔''[4]

شیعہ کی اصطلاحات میں ''حبتر'' اور ''دلام'' بھی رمزیہ الفاظ ہیں، جن سے یہ لوگ شیخین کو مراد لیتے ہیں، مثال کے طور پر سورۃ الشمس کی تاویل میں مذکور ہے:

﴿ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴾ [الشمس: ٣] اس سے قائم کا کھڑا ہونا مراد ہے۔ ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴾ [الشمس: ٤] اس سے ''حبتر'' اور ''دلام'' مراد ہیں، ان دونوں پر حق چھا گیا (یعنی چھپ گیا)۔[5]

اپنے زمانے میں دولتِ صفویہ کا بڑا عالم مجلسی کہتا ہے:

''حبتر و دلام سے مراد ابوبکر وعمر ہیں۔''[6]

---

[1] البحار (٤/ ٣٧٨ و ٨/ ٢٢٠)

[2] تفسير العياشي (١/ ١٠٢) البرهان (١/ ٢٠٨) تفسير الصافي (١/ ٢٤٢)

[3] تفسير القمي (٢/ ١٠٦) بحار الأنوار (٢٣/ ٣٠٤۔ ٣٠٥)

[4] بحار الأنوار (٢٣/ ٣٠٦)

[5] كنز الفوائد (ص: ٣٨٩۔ ٣٩٠) بحار الأنوار (٢٤/ ٧٢۔ ٧٣)

[6] بحار الأنوار (٢٤/ ٧٣)

اسی طرح شیعہ کے اوائل کی کتابوں میں آپ کو بعض ایسی عبارات ملیں گی، جن میں شیخین کے لیے اشارے کی زبان استعمال کی گئی ہے، لیکن جب ان سے دولتِ صفویہ کے بعض علما نقل کرتے ہیں تو وہ رمز اور اشارے کو صریح اسم میں تبدیل کر دیتے ہیں۔[1]

اسی طرح ان لوگوں نے بہت سارے اصحابِ رسول ﷺ کو متعین ومخصوص کر کے سب وشتم اور تکفیر کا نشانہ بنانے کی جسارت کی ہے۔ پھر یہ ان میں سے نامور اور بہترین اشخاص و افراد کو منتخب کرتے ہیں۔ انھوں نے خلفاے ثلاثہ کے خلاف زبان طعن دراز کی ہے اور ان کو کافر قرار دیا ہے، دیگر فضلا اور عظما اصحابِ محمد ﷺ جیسے عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح اور سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہم بھی ان کی زبان درازیوں اور دشنام طرازیوں سے محفوظ نہیں۔

تفسیر قمی اور صافی میں صادق سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غدیرِ خم کے دن قیام کیا تو آپ ﷺ کے مقابلے میں سات منافقین تھے اور وہ ابوبکر، عمر، عبدالرحمٰن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور مغیرہ بن شعبہ ہیں۔ شیعہ کتب میں مذکور ہے کہ عمر[2] نے کہا: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس (نبی علیہ الصلاۃ والسلام) کی آنکھ ایسی ہے، جیسے کسی مجنون کی آنکھ ہو؟ جس وقت کھڑا ہوتا ہے، کہتا ہے: میرے رب نے فرمایا۔[3] پھر جب آپ ﷺ کھڑے ہوئے تو فرمایا: لوگو! تمھاری جانوں کے لیے تم میں سب سے زیادہ قریب اور خیر خواہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ بن جاؤ، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: سن لو! جس کے میں مولا ہوں، تو علی بھی اس کا مولا ہے، پھر انھوں نے امیر المومنین کی

---

[1] دیکھیں: تفسیر القمي (١/ ٣٠١) اس میں فلاں فلاں کے لفظ سے شیخین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، لیکن یہی عبارت جب کاشانی نقل کرتا ہے تو وہ دونوں کا صریح نام ذکر کرتا ہے۔ (تفسیر الصافي: ٢/ ٢٥٩)

[2] یہ تفسیر صافی کے الفاظ ہیں، جب تک تفسیر قمی ''عمر'' کے بجائے ''ثانی'' کے الفاظ ہیں۔

[3] کسی عقل مند پر یہ بات مخفی نہیں کہ اس بات کو گھڑنے والے کا ظاہری مقصد رسول اللہ ﷺ کی ذات اور نبوت میں طعن کرنا ہو، کیوں کہ وہ چاہتا ہے کہ کہا جائے کہ جب اس پیغمبر کے بڑے بڑے ساتھی، ان کے ساتھ ایمان نہیں لائے تھے، حالاں کہ یہ وہ لوگ تھے، جنھوں نے ان کے ساتھ لمبا عرصہ بسر کیا اور آپ ﷺ سے سیکھا اور ان کے معجزات کا مشاہدہ کیا تو دوسرے ان پر ایمان نہ لانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ ایسے ہی یہ شخص چاہتا ہے کہ کہا جائے: ایک برا شخص تھا، جس کے ساتھ بھی بہت برے تھے، جیسا کہ بعض علماے سلف نے بھی اس غرض سے پردہ اٹھایا ہے۔ نیز یہ لوگ بہ ذاتِ خود اسلام پر بھی انتہائی مکارانہ طریقے سے، جو سادہ لوح اور عوام الناس پر مخفی رہتا ہے، طعن کرنا چاہتے ہیں، وہ طریقہ ہے نقل شدہ بات کو مٹانے کے لیے نقل کرنے والے پر طعن کرنا۔

امارت کے ساتھ ان پر سلام کیا تو جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور رسول اللہ[1] کو قوم کی بات سے آگاہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلایا اور ان سے پوچھا تو انھوں نے انکار کر دیا، پھر یہ آیت ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ نازل ہوئی۔[2]

یہ لوگ جس طرح ان کے خلاف زبان درازی کرتے ہیں، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ[3]، انس بن مالک[4]، براء بن عازب[5]، طلحہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم[6] جیسے دیگر افاضل اور شریعت نقل کرنے والے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی دریدہ دہنی اور تبرا بازی کرتے ہیں۔

جہاں تک ان عظیم شخصیات کے متعلق ان کے علما کی بد کلامیوں کا تعلق ہے تو وہ اتنی زیادہ ہیں کہ انھوں نے صفحوں کے صفحے کالے کر دیے ہیں۔ شیعہ کی امامت وغیرہ کے متعلق کوئی بھی ایسی کتاب نہیں، جس میں صحابہ کرام کی تکفیر، سب وشتم اور تبرا بازی میں ایسی زبان استعمال نہ کی گئی ہو، جو کسی مسلمان کی سوچ میں بھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ یہ لوگ ان کو مسلمان خیال کرنا تو درکنار (ان کو) شیعہ کا سب سے بڑا اور جھگڑالو قسم کا دشمن اور ظالم شمار کرتے ہیں، کیوں کہ ان لوگوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی اور وہ ان کے عہد میں ان کے ساتھ اتفاق رکھتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کی وجہ سے بھائی بھائی تھے، چناں چہ انھوں نے سلطنتِ اسلام قائم کی، دنیا کے ممالک فتح کیے، لوگوں میں اسلام کو پھیلا دیا، مجوسیت کی آگ بجھا دی، وثنیت کے بت توڑ دیے، لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نکال کر لوگوں کے رب اور خالق کی بندگی میں دے دیا، جس کی وجہ سے ان

---

[1] اصل مصدر میں اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بغیر درود کے ہے۔ پھر دیکھیں کہ رسول کو تو جبریل بتاتے ہیں، لیکن شیعہ کے ائمہ ماضی اور حال ومستقبل کا علم خود جانتے ہیں اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں، جیسا کہ کافی کے مصنف اس میں ایک باب قائم کیا ہے۔(أصول الكافي: ١/ ٢٦٠)

[2] تفسير القمي (١/ ٣٠١) تفسير الصافي (٢/ ٣٥٩)

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٢/ ٢٤٢) الخصال (١/ ١٩٠) ایک معاصر رافضی عبدالحسین موسوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے، جس میں اس نے ان کو منافق اور کافر قرار دیا ہے۔ اس کی تردید ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: محمد عجاج الخطيب: أبو هريرة راوية الإسلام (ص: ٢٠١ وما بعدها) عبد المنعم العزي: دفاع عن أبي هريرة. عبد الرحمن الزرعي: أبو هريرة وأقلام الحاقدين.

[4] دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٤٥)

[5] المصدر السابق.

[6] ان دونوں کے بارے میں اس نے یہ بکواس کی ہے: ''وہ دونوں ائمہ کفر تھے۔'' (تفسير العياشي: ٢/ ٧٧۔ ٧٨، البرهان: ٢/ ١٠٧، تفسير الصافي: ٢/ ٣٢٤)

مفتوحہ علاقوں کے باشندوں میں سے حاسدین وملحدین اور ان خود ساختہ اَدیان کے ماننے والوں کے سینے حسد و غضب کی آگ میں بھڑکنے لگے۔

چناں چہ انھوں نے اس امت میں فساد و بگاڑ پیدا کرنے کے لیے شیعیت کی راہ اپنائی، جس کا طبعی نتیجہ تھا کہ مسئلۂ امامت وخلافت ان کا اساسی ہدف اور دلچسپی کا حامل مشغلہ ہو، لہٰذا انھوں نے جو کیا سو کیا، پھر ان کی یہ سازشیں اور ان کی چالاکیوں کا خلاصہ ان شیعہ کا عقیدہ بن گیا اور انھوں نے اس عقیدے کے ساتھ حاکم ومحکوم دونوں پر کفر کی چھری چلا دی۔

ابن بابویہ ''اعتقادات'' میں لکھتا ہے:

''جس نے امامت کا دعویٰ کیا اور وہ امام نہیں تو وہ ظالم اور ملعون ہے، نیز جس نے نااہل میں امامت رکھ دی، وہ بھی ظالم وملعون ہے۔''[1]

یہ حضرت علی اور حسن رضی اللہ عنہما کی حکمرانی کے سوا مختلف ادوار میں حاکم ومحکوم دونوں کی تکفیر ہے۔ جب شیعہ کے رکنِ اسلام آیت اللہ الملک العلام کے لقب سے ملقب عالم مفید سے یہ پوچھا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: میرے پاس جو ایسا آدمی لایا جائے گا، جو مجھ کو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس پر افترا پرداز کی حد لگا دوں گا تو اس کا اس نے (عليه من الله ما يستحق) یہ جواب دیا:

''اس کی یہ وجہ ہے کہ ان کے اور ان دونوں آدمیوں کے درمیان فضیلت میں تقابل کرنے والے شخص پر افترا پرداز کی حد لگانا واجب وضروری ہے، کیوں کہ مفاضلہ (فضیلت میں تقابل) ان دو اشخاص کے درمیان ہوتا ہے جو دونوں فضیلت میں قریب قریب ہوں، جب کہ یہ دونوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) آدمی وصیت کے انکار کی وجہ سے ایمان سے خارج ہوگئے تھے، چناں چہ یہ بات ہی باطل ہوگئی کہ ان کی اسلام میں کوئی فضیلت ہو، لہٰذا ان کو وہ فضیلت کیسے حاصل ہے جو امیر المومنین کی فضیلت کے برابر ہو؟ اس لیے جب کوئی آدمی امیر المومنین کو ان دونوں پر فضیلت دے گا تو وہ افترا پردازی کرے گا، کیوں کہ اس نے ان کی دین میں فضیلت ثابت کرنے کے لیے جھوٹ بولا ہے اور اس باب میں وہ اس شخص کے قائم مقام ہوجاتا ہے جو ایک متقی نیک مسلمان کو کافر مرتد پر فضیلت دیتا ہے، اور جو جبرائیل کو ابلیس پر فضیلت دیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل بن ہشام پر

[1] الاعتقادات (ص: ١١٢۔ ١١٣) بحار الأنوار (٢٧/ ٦٢)

فضیلت دیتا ہے۔''[1]

دیکھیے! کس چالاکی کے ساتھ یہ نبی ﷺ کے بعد امت کی افضل شخصیات کو ابلیس اور ابوجہل کے قائم مقام قرار دیتا ہے اور یہ بات اس کے فرقے کے نزدیک محلِ اجماع ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اس (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کے اظہارِ ایمان کے بعد اس کے کفر پر اجماع ہو چکا ہے۔''[2]

شیعہ کا شیخ ملا باقر مجلسی کہتا ہے:

''متعہ اور حجِ تمتع کو حلال قرار دینا اور ابوبکر وعمر وعثمان اور معاویہ (رضی اللہ عنہم) سے بَراء ت کا اظہار کرنا دینِ امامیہ[3] کے ضروری مسائل میں شمار کیا جاتا ہے۔''[4]

نیز لکھا ہے:

''جو ابوبکر وعمر وعثمان (رضی اللہ عنہم) سے براء ت کا اظہار نہیں کرتا، خواہ وہ علی (رضی اللہ عنہ) سے محبت ہی رکھے، وہ دشمن ہے۔''[5]

اسی لیے یہ لوگ ہر نماز کے بعد خلفاے ثلاثہ، دیگر فضلاے صحابہ اور بعض امہات المومنین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر لعن طعن کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے حر عاملی نے اس عنوان ''نماز کے بعد دین کے دشمنوں کا نام لے کر ان پر لعنت بھیجنے کے استحباب کا بیان' کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے۔ اس میں اس نے کلینی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جس کو ابن ثویر اور سراج نے روایت کیا ہے، وہ دونوں کہتے ہیں:

''ہم نے سنا کہ ابوعبداللہ ہر فرض نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کرتے۔ مردوں سے مراد فلاں فلاں فلاں (خلفاے ثلاثہ) ان کا نام لیتے اور معاویہ، اور عورتوں میں سے فلانۃ فلانۃ (عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما) ہند اور معاویہ کی بہن ام الحکیم پر لعنت بھیجتے۔''[6]

---

[1] العیون والمحاسن (۲/ ۱۲۲۔ ۱۲۳)

[2] المصدر السابق (۱/ ۹)

[3] دیکھیے! یہ شخص کس طرح لفظ ''دین'' استعمال کرتا ہے، گویا وہ یہ باور کروانا چاہتا ہے کہ امامیہ کا مذہب ایک مستقل دین ہے، جو دینِ اسلام سے علاحدہ ہے۔ بلاشبہہ جو کچھ مجلسی نے اپنی کتاب "بحار الأنوار" اور ''عقائد'' میں لکھا ہے، وہ غالب مسائل میں ایک دوسرا دین ہے، جس کا دینِ اسلام کے ساتھ دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔

[4] الاعتقادات للمجلسي (ص: ۹۰۔ ۹۱)

[5] دیکھیں: وسائل الشیعة (۵/ ۳۸۹)

[6] فروع الکافي (۱/ ۹۵) الطوسي: التهذیب (۱/ ۲۲۷) وسائل الشیعة (٤/ ۱۰۳۷)

شیعہ کے عالم نوری طبرسی نے اپنی کتاب ''مستدرك الوسائل'' میں درج ذیل عنوان کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے:

''باب استحباب لعن أعداء الدين عقيب الصلاة بأسمائهم''[1]

''نماز کے بعد دین کے دشمنوں کا نام لے کر ان پر لعنت کرنے کے استحباب کا بیان۔''

اس میں اس نے اپنی چند روایات نقل کی ہیں، جن میں ایک یہ ہے۔ ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''ہمارے دوستوں اور شیعہ پر ہمارا یہ حق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی آدمی اس وقت تک اٹھ کر نہ جائے، جب تک یہ دعا نہ پڑھ لے:

''اَللهم ... ضاعف لعنتك وبأسك ونكالك وعذابك على اللذين كفرا نعمتك، وخوفا رسولك... وحلا عقده في وصيه، ونبذا عهده في خليفته من بعده، وادعيا مقامه، وغيرا أحكامه، وبدلا سنته، وقلبا دينه وصغرا قدر حجتك وحججك، وبدءا بظلمهم، وطرقا طريق الغدر عليهم، والخلاف عن أمرهم، والقتل لهم... ومنعا خليفتك من سد الثلم، وتقويم العوج، وإمضاء الأحكام، وإظهار دين الإسلام، وإقامة حدود القرآن، اللهم العنهما وابنتيهما، وكل من مال ميلهم، وحذا حذوهم، وسلك طريقتهم، وتصدر ببدعتهم، لا يخطر على البال، ويستعيذ منه أهل النار، العن اللهم من دان بقولهم، واتبع أمرهم، ودعا إلى ولايتهم، وشك في كفرهم من الأولين والآخرين''[2]

''اے اللہ! ان دونوں پر اپنا عذاب لعنت، سختی اور سزا کو دو چند کر دے، جنھوں نے تیری نعمت کی ناشکری کی، تیرے رسول کو دھمکایا، اس کے وصی کے متعلق اس کے عہد کی خلاف ورزی کی، اس کے مقام کا دعویٰ کیا، اس کے احکام اور سنت کو بدل ڈالا، اس کے دین کو معکوس کر دیا، تیری حجت اور حجتوں کی تحقیر کی، ان پر ظلم شروع کیا، ان کو دھوکا دیا، ان کے معاملے میں خلاف ورزی کی، انھیں قتل کیا، تیرے خلیفہ کو رخنہ بند کرنے، ٹیڑھا پن درست کرنے، احکام جاری کرنے، دینِ اسلام کا

[1] مستدرك الوسائل (١/ ٣٤٢)

[2] المصدر السابق.

اظہار کرنے اور قرآنی حدود نافذ کرنے سے روکا۔ اے اللہ! ان دونوں پر اور ان کی دونوں بیٹیوں (عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما) پر لعنت فرما۔ نیز جو بھی ان کی طرف مائل ہو، ان کے نقشِ قدم پر چلے اور ان کی بدعت کا احیا کرے، ان پر ایسی لعنت فرما، جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ آئے اور جہنم والے بھی اس سے پناہ مانگیں۔ اے اللہ! جو ان کی بات مانے، ان کی پیروی کرے، ان کی ولایت کی طرف دعوت دے اور اولین وآخرین میں سے ان کے کفر میں شک کرے، ان پر لعنت فرما۔‘‘

دیکھیے! کس طرح یہ ان تیرہ وتاریک کلمات میں پہلے وپچھلے تمام مسلمانوں پر لعنت کرتے ہیں اور جن دو شخصیات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلطنتِ اسلام قائم کی اور دنیا کے کونے کونے میں دینِ اسلام پھیلا دیا، ان کو مزید تاکید کے ساتھ لعنت وتکفیر کے لیے مخصوص کرتے ہیں اور ان دونوں کو اور ان تمام کو (تمام مسلمانوں کو) جنھوں نے ان دونوں خلفا کی اتباع کی، دین کے دشمنوں میں شمار کرتے ہیں، یہ کیسا دین ہے، جس کو یہ مانتے ہیں اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی احسان میں اتباع کرنے والوں کو دین کے دشمن شمار کرتے ہیں؟ یہ دینِ اسلام نہیں ہوسکتا، البتہ اس کے علاوہ کوئی اور فرقہ یا دین ضرور ہوسکتا ہے!!

یہ لعنتوں کی بوچھاڑ اس بات کی تاکید کے ساتھ غمازی کرتی ہے کہ ان کو گھڑنے والا ان ادیان کے ماننے والوں میں سے کوئی ایک ہے، جن کا اسلام نے ابوبکر وعمر اور ان کے بھائیوں (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے ہاتھوں خاتمہ کیا تھا۔

ان کے مزارات میں بھی ان دعاؤں کے ذریعے جن کو پیراوانِ شیعیت کے لیے ہلاک شدہ زمانوں کے زنادقہ نے گھڑا تھا، کینے کو بونے، حسد کو سینچنے اور خیر القرون پر مسلسل ومتواتر لعنتوں کی بوچھاڑ کر کے عداوت کی آگ بھڑکانے کا سلسلہ بلاتعطل جاری ہے۔ مثال کے طور پر زیارتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں یہ اپنی دعا میں حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ۔فداہ ابی وامی) اور دیگر اصحابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر لعنت بھیجتے اور کہتے ہیں:

’’السلام عليك يا فاطمه، يا سيدة نساء العالمين، لعن الله مانعك إرثك، ودافعك عن حقك، والراد عليك قولك، لعن الله أشياعهم وأتباعهم وألحقهم بدرك الجحيم‘‘[1]

’’اے فاطمہ! آپ پر سلام ہو، اے جہانوں کی عورتوں کی سردار! اللہ تیری وراثت روکنے والے، تیرے حق میں رکاوٹ بننے والے اور تیری بات کو رد کرنے والے پر لعنت کرے۔ اللہ ان کے

[1] بحار الأنوار (١٠٠/ ١٩٧) باب زيارة فاطمة، نیز دیکھیں: (ص: ١٩٨، رقم: ١٦) مزید دیکھیں: (ص: ٢٠٠ من الجزء نفسه)

پیروکاروں پر بھی لعنت کرے اور انھیں جہنم کے نچلے حصے میں داخل کرے۔‘‘

ملاحظہ کیجیے! اس دعا کو بنانے والے کا مقصد صدیقِ امت (رضی اللہ عنہ) پر لعنت کرنا ہے، پھر وہ اس میں ہر اس شخص کو ملا رہا ہے، جس نے بھی آپ کی پیروی اور متابعت کی، جن میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، کیوں کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شیعہ، معاونت کار اور وزرا میں سے تھے۔

یہ حقیقت اس دعا کے واضع پر مخفی نہیں ہوگی، لیکن وہ تمام کا دشمن ہے اور شیعیت کی آڑ لیتا ہے، کیوں کہ شیعی عقل، آلِ بیت پر ظلم و استبداد اور ان کا حق سلب کرنے کی جھوٹی کہانیوں اور ان کی اپنے دشمنوں کے ساتھ کشاکش، جو اصحابِ رسول ہیں، جیسی باتوں سے بھرے ہوئے جذبات کی وجہ سے، ماؤف ہوچکی ہے، اس میں انھوں نے ایسی کہانیوں کے طومار بھر دیے ہیں، جو ان پر یقین رکھنے والے دلوں میں حسد، خون بہانے کی پیاس اور انتقام کی رغبت جیسے جذبات کے سوا اور کچھ باقی نہیں چھوڑتیں،[1] ان کی عملی زندگی اور صورتِ حال اس بات کی گواہ ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزعومہ معائب:

خیر القرون کی تکفیر اور ان پر لعن طعن کرنے کے باوجود شیعہ نے معائبِ صحابہ کے عنوان سے صفحات کے صفحات بھر دیے ہیں۔[2] بعض اہلِ سنت ان کی تردید میں مشغول رہے ہیں۔[3]

[1] وصیت کے اثبات میں اس کشاکش کی تفصیل کے لیے دیکھیں: مروج الذهب (ص: ۱۲۲ وما بعدها)

[2] دیکھیں: ابن المطهر الحلي: منهاج الكرامة (ص: ۱۳۲)

[3] شیخ الاسلام نے روافض کے اس باب میں پھیلائی باتوں کا ’’منهاج السنة (۳/ ۱۹) میں مفصل اور مجمل جواب دیا ہے۔ مجمل جواب کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

’’صحابہ کے جو عیوب نقل کیے جاتے ہیں، ان کی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم: جو جھوٹ ہیں، یا تو یہ مکمل جھوٹ ہیں یا ان میں تحریف کی گئی ہے اور مذمت اور طعن کا باعث بننے والی کمی بیشی داخل کی گئی ہے۔ جو اکثر صریح اور واضح مطاعن اور عیوب ہیں، وہ اسی قبیل سے ہیں، جن کو ابو مخنف لوط بن یحییٰ، ہشام بن سائب کلبی اور ان دونوں جیسے نامی گرامی جھوٹے بیان کرتے ہیں، جن کے جھوٹا ہونے اور ان کی روایات نا قابلِ قبول قرار دینے کے لیے ائمہ نے گواہی دی ہے۔

دوسری قسم: جو سچ پر مشتمل ہیں، لیکن ان اکثر امور میں ان کے لیے عذر ہیں، جو ان کو گناہ سے نکال کر موارد اجتہاد میں داخل کرتے ہیں کہ جن میں مجتہد اگر درست فیصلے تک پہنچ جائے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہوتا ہے اور اگر وہ غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہوتا ہے۔ خلفائے راشدین سے جو اس سلسلے میں عام باتیں منقول ہیں، وہ اسی باب سے ہیں۔ ان امور میں جن کو واقعی گناہ سمجھا جائے تو یہ بھی ان کے لیے باعثِ جرح نہیں، کیوں کہ جو ان کے فضائل، اسلام میں سبقت اور جنتی ہونے کا ذکر ہے، اس کے ہوتے ہوئے اس کی کوئی حقیقت نہیں، کیوں کہ جو واقعی گناہ ہوچکا ہے، اس کی سزا آخرت میں ان متعدد اسباب کی بنا پر موقوف ہوجاتی ہے، جیسے توبہ کرنا، نیکیاں جو گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، کیوں کہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، اسی طرح آنے والے مصائب اور پریشانیاں بھی گناہ مٹا دیتی ہیں۔ (منهاج السنة: ۳/ ۱۹)

اس موضوع کے متعلق ایک بڑی اہم حقیقت یہ ہے کہ شیعہ کا ان مسائل کو ہوا دینا حقیقت میں صحابہ کرام کے متعلق ان کا اپنے موقف کے حقیقی سبب پر پردہ ڈالنا ہے، کیوں کہ صحابہ کرام اگر ہر غلطی سے معصوم ہوتے اور ہر گناہ سے محفوظ رہتے تو پھر بھی امامیہ ان سے راضی نہ ہوتے، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک ان کا صرف یہ گناہ ہے کہ انھوں نے حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور اس گناہ کے سوا ان کا ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے، اسی طرح جو شخص زمین بھر گناہ لے کر آیا، لیکن اس کے پاس ولایتِ علی کا اجازت نامہ (پاسپورٹ) ہو تو وہ نجات پا جائے گا۔

قاضی عبدالجبار اس اہم حقیقت کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور انھوں نے کہا ہے:

''امامیہ اکثر یہ سوال کریں گے کہ حضرت عثمان نے اپنے اقارب کو حکومتی عہدے دیے، حضرت طلحہ و زبیر، حضرت عائشہ کے ساتھ بصرہ روانہ ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ان کی کمزوری اور کٹ حجتی کی وجہ سے ہے، کیوں کہ حضرت عثمان اگر اپنے اقارب کو حکومتی ذمے داریاں نہ دیتے اور جو کیا وہ نہ کرتے تو وہ تب بھی ان کے نزدیک کافر اور مشرک ہی ہوتے، کیوں کہ انھوں نے اپنے لیے اور ابوبکر و عمر کے لیے ولایت و امارت کا دعویٰ کیا تھا۔

''اگر طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ حضرت علی کے لشکر میں ہوتے اور ان کے ساتھ مل کر لڑتے تو پھر بھی وہ مشرک ہی ہوتے، کیوں کہ وہ ابوبکر و عمر اور عثمان کی خلافت کا اعتقاد رکھتے تھے، چناں چہ جو امامیہ کے ساتھ ان کے مسائل کو چھیڑنے کی وجہ سے بحث و مباحثہ کرتا ہے، وہ ایسے ہی ہے جو یہودیوں کے ساتھ طہارت میں وجوبِ نیت کے مسئلے پر گفتگو کرتا ہے یا عیسائیوں کے ساتھ ان کے شراب حلال کرنے کے موضوع پر بحث کرتا ہے۔

''اس مسئلے پر صرف اس شخص سے بحث کی جا سکتی ہے، جو یہ کہتا ہے کہ حضرت عثمان کا صرف یہ گناہ ہے کہ انھوں نے اپنے رشتے داروں کو اہم حکومتی عہدوں پر بٹھایا، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ بھی حضرت عمر کی طرح ہی ہوتے۔ اس طرح جو یہ کہتا ہے کہ حضرت طلحہ و زبیر و عائشہ کا صرف یہی گناہ ہے کہ وہ بصرہ جنگ کے لیے روانہ ہوئے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ بھی ابوعبیدہ بن جراح، عبدالرحمٰن اور ابن مسعود جیسے ہی ہوتے۔ لہٰذا اس بات کو اچھی طرح جان لے اور ان کے ساتھ اس موضوع پر قطعاً گفتگو نہ کر، بلکہ ان کے ساتھ جو وہ نص اور وصیت کا دعویٰ کرتے ہیں، اس پر بحث کر، کیوں کہ یہی اصل ہے۔''[1]

[1] تثبیت دلائل النبوۃ (۱/ ۲۹٤)

② شیعہ کی اہلِ بیت کی تکفیر:

یہ روایات جو اس بے مثال اور منفرد معاشرے پر ارتداد کا حکم لگاتی ہیں، یہ ان تمام میں سے زیادہ سے زیادہ سات لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیتی ہیں اور ان سات افراد کے ضمن میں بھی بہ جز حضرت علی جن کا استثنا بعض روایات میں ذکر ہوا ہے، اہلِ بیت میں سے کسی فرد کو شامل نہیں کرتیں۔ وہ روایت جس میں صرف حضرت علی کا استثنا ذکر ہوا ہے، وہ فضیل بن یسار کی ابوجعفر سے یہ روایت ہے، اس نے کہا:

> ''چار لوگوں کے سوا تمام لوگ اہلِ جاہلیت ہوگئے اور وہ یہ تھے: علی، مقداد، سلمان اور ابو ذر۔ میں نے کہا: عمار بھی؟ تو اس نے کہا: اگر تمھاری مراد وہ لوگ ہیں، جن کے دل میں کوئی شک داخل نہیں ہوا تھا تو وہ صرف یہی تین ہیں۔''[1]

لہٰذا ان روایات میں ارتداد کا حکم صحابہ کرام اور اہلِ بیت نبی میں سے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور اقربا کو بھی شامل ہے، حالاں کہ ان روایات کا خالق اہلِ بیت رسول کا شیعہ اور محبّ ہونے کا دعوے دار ہے۔ تو کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ شیعیت اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف خبیث اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے ایک آڑ کی حیثیت رکھتی ہے؟ نیز ان روایات کے گھڑنے والے صحابہ اور اہلِ بیت کے دشمن ہیں؟ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے، کہ یہ نام جو مستثنیٰ قرار دیے جاتے ہیں، ان زنادقہ کے استعاراتی نام ہی نہ ہوں، جو رفض و انکار کی پہلی جماعت اور پہلا خلیہ تھے اور ان سے صحابہ مراد نہ ہو، وگرنہ ان کے ساتھ کسی اہلِ بیت کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا اور صرف انھی صحابہ کو خاص کیوں کیا جاتا ہے، جن سے پہلے دونوں خلفا کی کوئی مخالفت و عداوت اور ان سے دوری منقول نہیں، بلکہ ان سے ان کی محبت اور ان کے ساتھ تعاون ظاہر ہوا؟

انھوں نے اپنی ان نصوص و روایات میں، جن کا ذکر ہوا ہے، حسین و حسین، آلِ عقیل، آلِ جعفر، آلِ عباس اور ازواجِ مطہرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن پر بھی ارتداد کا حکم لگایا ہے۔

بلکہ شیعہ نے جملہ اہلِ بیت نبی ﷺ جیسے نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس ہیں، ان کو طعن و تکفیر کے لیے مخصوص کیا ہے، حتی کہ انھوں نے کہا ہے کہ یہ آیت مبارکہ: ﴿وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ [الإسراء: ٧٢] ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] اسی طرح ان کے بیٹے حبر الامۃ،

---

[1] تفسير العياشي (١/ ١٩٩) البرهان (١/ ٣١٩) تفسير الصافي (١/ ٣٨٩)

[2] رجال الكشي (ص: ٥٣)

ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہتے ہیں۔ چناں چہ کافی میں ایسے اشارے مذکور ہیں، جو ان کی تکفیر پر مشتمل ہیں اور یہ کہ وہ جاہل اور سخیف العقل ہیں۔[1] رجال الکشی میں ہے:

"اللهم العن ابني فلان، واعم أبصارهما، كما عميت قلوبهما ... واجعل عمى أبصارهم دليلًا على عمي قلوبهما"[2]

''اے اللہ! فلاں کے دو بیٹوں پر لعنت کر اور ان دونوں کو اندھا کر دے، جس طرح تو نے ان دونوں کے دل اندھے کر دیے ہیں اور ان کے آنکھوں کے اندھے پن کو ان کے دلوں کے اندھے پن کی دلیل بنا دے۔''

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شیعہ کا عالم حسن مصطفوی کہتا ہے:

''ان دونوں سے مراد عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عباس ہیں۔''[3]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں بھی شیعہ کے غیظ وغضب اور عتاب کا شکار ہیں، چناں چہ ان کا بھی ان لوگوں میں ذکر نہیں کیا جاتا، جن کو تکفیر سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے، بلکہ ان کے کچھ تو فاطمہ کے سوا نبی کی کسی بیٹی کو تسلیم نہیں کرتے۔[4] کیا وہ شخص جو نبی اور ان کی بیٹیوں کے متعلق ایسی دریدہ دہنی کرتا ہے، وہ رسول سے محبت کرتا ہے؟

صاحبِ کافی نے اپنی روایات میں یہ صریحاً حکم لگایا ہے:

''ہر وہ شخص جو بارہ اماموں پر ایمان نہیں رکھتا، وہ کافر ہے، خواہ وہ علوی یا فاطمی ہی کیوں نہ ہو۔''[5]

یہ حکم حقیقت میں صحابہ کی نسل اور ان کے بعد والی نسل کی تکفیر، جس میں آل واصحاب دونوں شامل ہیں، پر مشتمل ہے، کیوں کہ وہ اثنا عشریہ کے نظریے سے ناواقف تھے، جو ایجاد ہی ۲۶۰ھ کے بعد ہوا ہے۔

اسی طرح ان لوگوں نے ازواجِ مطہرات امہات المومنین کی تکفیر کا بوجھ بھی اپنے سر اٹھایا ہے اور اپنی روایات میں ان میں سے کسی ایک کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا، بلکہ ان میں سے حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا[6]

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٤٧)

[2] رجال الكشي (ص: ٥٣)

[3] المصدر السابق.

[4] دیکھیں: جعفر النجفي: كشف الغطاء (ص: ٥) حسن الأمين: دائرة المعارف الإسلامية الشيعية (١/ ٢٧)

[5] دیکھیں: الكافي: باب من ادعى الإمامة وليس لها بأهل، ومن جحد الأئمة، أو بعضهم، ومن أثبت الإمامة لمن ليس لها بأهل (١/ ٣٧٢ـ ٣٧٤)

[6] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٠٠) رجال الكشي (ص: ٥٧ـ ٦٠) بحار الأنوار (٥٣/ ٩٠)

اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا [1] کو وہ لعن طعن، مذمت اور تکفیر کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔ شیعہ کے شیخ مجلسی نے "باب أحوال عائشة و حفصة" کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے، جس میں ۱۷ روایات نقل کی ہیں [2] اور بقیہ روایات کے لیے دیگر ابواب کا حوالہ دیا ہے۔ [3]

ان روایات میں ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اہلِ بیت کے متعلق انتہا درجے کی اذیت دی ہے۔ حتی کہ ان لوگوں نے اپنی روایات میں عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی ہے، جس کی براءت اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں سے نازل کی۔ ان کی اصولِ تفسیر میں اصل اور بنیادی کتاب تفسیر قمی میں اس بدنما بہتان [4] کا ذکر ہوا ہے، جو قرآنِ کریم کی تکذیب کرتا ہے۔

---

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (۲۲/ ۲٤٦)

[2] بحار الأنوار (۲۲/ ۲۲۷_ ۲٤٧)

[3] مثلاً یہ کہتا ہے: "عائشہ کے بعض احوال کا ذکر "باب تزویج خدیجة" اور "باب أحوال أولاده" میں ماریہ کے واقعات میں ہوا ہے، اسی نے اس پر تہمت لگائی تو اس میں یہ آیاتِ افک نازل ہوئیں۔" (دیکھیے! یہ لوگ کس طرح حقائق تبدیل کرتے ہیں!!) اس کے اکثر حالات کا ذکر واقعہ جمل میں ہوگا۔ (بحار الأنوار: ۲۲/ ۲٤٥)

[4] اس کے الفاظ یہ ہیں: "اس آیت ﴿وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً﴾ کے بارے میں علی بن ابراہیم کہتا ہے: "پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیویوں (عائشہ اور حفصہ) کی مثال بیان کی، پھر کہا: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا﴾ [التحريم: ١٠] "خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول ﴿فَخَانَتٰهُمَا﴾ میں بدکاری کے علاوہ اور کچھ مراد نہیں لیا، وہ فلانہ پر ضرور حد لگائے گا، جو اس نے بصرہ سے واپسی کی راہ پر کیا۔ فلاں اس سے محبت کرتا تھا، جب اس نے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو فلاں نے اس سے کہا: تیرے لیے محرم کے بغیر نکلنا جائز نہیں، چناں چہ اس نے فلاں سے نکاح کر لیا...

یہ قمی کے الفاظ ہیں، جن کو مجلسی نے "بحار الأنوار" (۲۲/ ۲٤٠) پر نقل کیا ہے، تفسیر قمی میں بھی یہ الفاظ مذکور ہیں، لیکن تصحیح کرنے والے نے بصرہ کا نام حذف کر دیا ہے، جو دو مرتبہ ذکر ہوا اور اس کی جگہ خالی نقطے لگا دیے ہیں۔ (تفسير القمص: ۲/ ۳۷۷)

اس عبارت میں ناموں کی صراحت نہیں، اس قول "ليقيمن الحد" کے مطابق یہ حد کون قائم کرے گا؟ فلاں اور فلانۃ کون ہیں؟ لیکن شیعہ کے شیخ ملا باقر مجلسی نے اس تقیے سے پردہ اٹھایا ہے اور ان رموز و اَشکال کو حل کر دیا ہے، کیوں کہ وہ دولتِ صفویہ کے سائے تلے زندگی گزارتا رہا۔ وہ کہتا ہے:

"اس کا یہ کہنا: "ليقيمن الحد" اس سے قائم مراد ہے، جب وہ آئے گا، اس کی تفصیل آگے ذکر ہوگی (میں نے فصلِ غیبت (روپوشی) میں یہ بات مجلسی سے نقل کی ہے، اس نے صراحت کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ کا نام لیا ہے، لیکن اس نے یہ کہا ہے کہ اس کا سبب یہ بنا جو اس نے ماریہ کے بارے میں کہا تھا۔ جس صریح بہتان کا وہ یہاں ذکر کر رہا ہے، وہاں صراحت کے ساتھ حضرت عائشہ کا نام لینے کے باوجود وہ اس کا ذکر کرنے کی جرأت نہیں کر سکا) اور فلاں سے مراد طلحہ ہے۔ (بحار الأنوار: ۲۲/ ۲٤١)

یہ تفسیر قمی کی عبارت ہے، جس کو شیعہ کے معاصر علما ثقہ قرار دیتے ہیں۔ تفسیر پر تعلیق لکھنے والے اور اس کی تصحیح کرنے والے ←

امام ابن کثیر سورۃ النور کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں:

''تمام اہلِ علم رحمہ اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں جو ذکر ہوا ہے، اس کے بعد جس نے حضرت عائشہ کو گالی دی یا یہ تہمت لگائی تو وہ کافر ہے، کیوں کہ وہ قرآن سے عناد اور دشمنی رکھتا ہے۔''[1]

امام قرطبی کہتے ہیں:

''ہر وہ شخص جس نے ان کو یہ گالی دی، جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بَری قرار دیا ہے، وہ اللہ کی تکذیب کرنے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والا ہو، وہ کافر ہے۔''[2]

یاد رہے کہ شیعہ کے نزدیک یہ تکفیر کی روش صحابہ کی نسل کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی تکفیر اور تبرا بازی کا وافر حصہ اس لیے ملتا ہے، کیوں کہ وہ حاملینِ شریعت، ناقلینِ کتاب وسنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا دین لوگوں تک پہنچانے والے ہیں، اس لیے ان پر طعن وتشنیع کرنا حقیقت میں دین پر طعن وتشنیع کرنا ہے۔[3] یہی زندیق لوگوں کے ان بہیمانہ حملوں کا پس پردہ مقصد تھا، لیکن شیعہ کے نزدیک تکفیر کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ جس طرح شیعہ کتب یہ کہتی ہیں:

''تین لوگوں کے سوا تمام لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے۔''

اسی طرح یہ بھی کہتی ہیں:

''ابو خالد کابلی، یحییٰ ام الطّویل اور جبیر بن مطعم، ان تین لوگوں کے سوا تمام لوگ قتلِ حسین کے بعد مرتد ہو گئے۔''[4]

آپ ملاحظہ کریں کہ یہ عبارت اہلِ بیت میں سے بھی کسی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتی، حتی کہ حسن بن علی کو بھی نہیں، جن کو اثنا عشریہ اپنا امام کہتے ہیں۔ بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ انھوں نے ان کو اس وجہ سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا،

← نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ یہ ایک ایسی عار اور شرمندگی ہے، جو ان کے مطابق اور معاصر علما کے ماتھے کا بدنما داغ ہے، البتہ "بحار الأنوار" پر تعلیق نگارے مذکورہ نص پر اپنے شیخ قمی کے دفاع میں تبصرہ کیا ہے، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے دفاع میں نہیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ کی گواہی کے بعد کسی کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن ہم نے یہ امر ان کے جرم کی سنگینی بیان کرنے کے لیے ذکر کیا ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر (۳/ ۲۸۹۔ ۲۹۰) نیز دیکھیں: الصارم المسلول لابن تیمیة (ص: ۵۷۱)

[2] تفسیر القرطبي (۱۲/ ۲۰۶)

[3] ابن تیمیة: منهاج السنة (۱/ ۵)

[4] رجال الكشي (ص: ۱۲۳) أصول الكافي (۲/ ۳۸۰)

کیوں کہ شیعہ ان سے معاویہ کے ساتھ صلح کرنے کی وجہ سے ناراض ہیں، حتی کہ بعض شیعہ نے ان کو اس لقب سے مخاطب کیا ہے: "یا مذل المومنین" (اے مومنوں کو رسوا کرنے والے)[1] شیعہ کے عسکر والے ان پر کود پڑے، انھوں نے ان کا خیمہ لوٹ لیا، ان کا سامان چھین لیا اور ابن بشیر اسدی نے ان کی کوکھ میں نیزہ مارا اور انھوں نے ان کو زخمی حالت میں مدائن لوٹایا۔[2]

③ شیعہ کا مسلمان خلفا اور ان کی حکومتوں کو کافر قرار دینا:

اثنا عشری دین میں اثنا عشریہ حکومت کے علاوہ ہر حکومت باطل اور اس کا سربراہ ظالم اور ایسا طاغوت ہے، جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے اور جو شخص اس کی بیعت کرتا ہے، وہ حقیقت میں غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ کلینی نے کئی ایک ابواب میں یہ مفہوم ثابت کیا ہے، جیسے:

''باب: جس نے امامت کا دعویٰ کیا اور وہ اس کا اہل نہ ہو، جس نے ائمہ یا بعض ائمہ کا انکار کیا اور اس شخص کے لیے امامت ثابت کی، جو اس کا اہل نہیں۔'' اس میں کلینی نے ائمہ سے ۱۲ روایات نقل کی ہیں۔[3]

''باب: جو اللہ کے سامنے اس امام کے بغیر جھکا، جو اللہ کی طرف سے مقرر نہیں۔'' اس باب میں اس نے پانچ روایات ذکر کی ہیں۔[4]

"بحار الأنوار" میں ہے:

''باب: اس کی سزا، جس نے بلاحق امامت کا دعویٰ کیا یا ظلم کا جھنڈا بلند کیا یا ظالم امام کی اطاعت کی۔''[5]

علی اور حسن رضی اللہ عنہما کے ما سوا شیعہ کے اعتقاد کے مطابق تمام خلفائے مسلمین طاغوت ہیں، خواہ وہ حق ہی کی دعوت کیوں نہ دیتے رہے ہوں، اہلِ بیت کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہے ہوں اور اللہ کا دین قائم کرتے رہے ہوں! کیوں کہ شیعہ کہتے ہیں کہ ہر وہ جھنڈا جو قائم کے جھنڈے سے پہلے بلند کیا جاتا رہا ہو، وہ جھنڈا بلند

---

[1] دیکھیں: رجال الکشي (ص: ۱۱۱)
[2] دیکھیں: رجال الکشي (ص: ۱۱۳)
[3] الکافي (۱/ ۳۷۲۔ ۳۷٤)
[4] المصدر السابق (۱/ ۳۷٤۔ ۳۷٦)
[5] بحار الأنوار (۲۵/ ۱۱۰ وما بعدها)

کرنے والا طاغوت ہے۔[1] شارح کافی کہتا ہے:

''خواہ اس کو بلند کرنے والا حق کی دعوت ہی کیوں نہ دیتا ہو۔''[2]

مجلسی نے اپنے قواعد کے مطابق اس روایت پر صحت کا حکم لگایا ہے۔[3] ۲۶۰ ہجری سے قبل خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے متعلق ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:

''وہ غاصب، ظالم اور مرتد ہیں، ان پر اور ان کے اَتباع پر اہلِ بیت پر ظلم کرنے کی وجہ سے اللہ کی لعنت ہو۔''[4]

④ بلادِ اسلامیہ پر دار الکفر کا حکم:

شیعہ کی روایات میں بہت سارے اسلامی بلاد وممالک کو سب وشتم کے لیے مخصوص کیا گیا ہے اور ان کے باشندگان کو بالخصوص کافر قرار دیا گیا ہے۔ یہ ان بلاد میں غالبًا ایسے علاقوں کو متعین کرتے ہیں، جو اسلامی شعائر کے التزام اور سنت کی اتباع میں آگے آگے ہیں، چناں چہ انھوں نے تابناک صدیوں (قرونِ مفضلہ) میں اہلیانِ مکہ و مدینہ کو صریحاً کافر قرار دیا ہے۔ جعفر صادق کے زمانے میں وہ اہلِ مکہ و مدینہ کے بارے میں کہا کرتے تھے:

''اہلِ شام، اہلِ روم سے (عیسائیوں سے بھی) زیادہ برے ہیں۔ اہلِ مدینہ اہلِ مکہ سے بدتر ہیں، حالاں کہ اہلِ مکہ کھلے عام اللہ کے ساتھ کفر کرتے تھے۔''[5]

ابو بصیر سے مروی ہے، وہ ان دونوں علیہما السلام میں سے ایک سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''اہلِ مکہ تو اللہ کے اتھ عام کفر کرتے ہیں اور اہلِ مدینہ یقینی طور پر اہلِ مکہ سے ستر گنا زیادہ خبیث ہیں۔''[6]

یہ ایک معلوم ومشہور حقیقت ہے کہ اہلِ مدینہ بالخصوص قرونِ مفضلہ میں تمام بلاد سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اسوۂ رسول پر کاربند تھے، اسی لیے مسلم علما میں سے کسی عالم کا بھی یہ موقف نہیں کہ اجماعِ اہلِ مدینہ کے سوا کسی شہر کے باشندگان کا اجماع حجت رکھتا ہو اور وہ واجب الاتباع ہو۔[7]

---

[1] الكافي بشرحه للمازندراني (١٢/ ٣٧١) بحار الأنوار (٢٥/ ١١٣)

[2] المازندراني: شرح جامع (١٢/ ٣٧١)

[3] مرآة العقول (٤/ ٣٧٨)

[4] بحار الأنوار (٤/ ٣٨٥)

[5] أصول الكافي (٢/ ٤٠٩)

[6] المصدر السابق (٢/ ٤١٠)

[7] امام مالک اور ان کے اصحاب کا یہ موقف مشہور ہے کہ اہلِ مدینہ کا اجماع حجت ہے، اگرچہ بقیہ ائمہ ان کے اس موقف میں اختلاف رکھتے ہیں، تاہم اس سے ان کی مراد ان قرونِ مفضلہ میں اہلِ مدینہ کا اجماع ہے، لیکن ان صدیوں کے بعد کے اجماع کے متعلق لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ حجت نہیں۔ (مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام: ٢٠/ ٣٠٠)

اہلِ مدینہ چھٹی صدی کے آغاز تک یا اس سے کچھ عرصہ پہلے یا بعد تک اپنے قدیمی مذہب پر کاربند اور مذہبِ مالک کی طرف منسوب رہے ہیں، اس کے بعد ان کے پاس مشرق کے روافضہ میں کچھ لوگ آئے، جنھوں نے ان کے اکثر لوگوں کا مذہب خراب کر دیا۔[1]

یہ اسلام پر کاربند رہنا، ان زنادقہ کے غیظ وغضب کا باعث ہوا، لہٰذا انھوں نے ان الفاظ کے ذریعے اپنی خبث باطن اور کینے کا اظہار کیا۔ تاریخ اپنے آپ کو ہمیشہ دہراتی ہے، چناں چہ عصرِ حاضر میں ان کے ایک خطیب نے خطبہ دیا اور کہا:

''مکہ پر یہود سے بھی بدتر گروہ حکمرانی کرتا ہے۔''[2]

شیعہ کے ایک معاصر عالم اور کافی کی روایات پر تعلیق نگار نے ان کلمات کے چہرے سے نقاب اتارتے ہوئے ان ان الفاظ کا مفہوم یوں بیان کیا ہے:

''شاید یہ کلام بنو امیہ اور ان کے اتباع کے زمانے میں ہو، کیوں کہ وہ منافقین تھے، اسلام کا زبان سے اظہار کرتے، لیکن دل میں کفر کو چھپائے بیٹھے تھے۔ منافقین کفار سے بھی برے ہیں، وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے... یہ بھی احتمال ہے کہ اس بات پر مبنی ہو کہ طاقت ور مخالفین تمام کفار سے مطلقاً برے ہیں، جس طرح بہت ساری روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔''[3]

اس کی رائے میں یہ تکفیر حق پر مبنی ہے، ان پر کفار سے بدتر ہونے کا حکم ان دو وجوہ کی بنا پر لگایا گیا ہے:

1. یا تو انھیں امویوں کی اتباع کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا ہے، یعنی بنو امیہ سے مسلم خلفا کی بیعت کے نتیجے میں اور یہ ان کے نزدیک بہت بڑی منافقت ہے۔ یا اس وجہ سے کہ مخالف کفار سے بدتر ہوتے ہیں، اس آخری نتیجے اور تعلیل کی بنا پر یہ تکفیر ہر زمانے میں دیارِ اسلام کو شامل ہے۔ مزید برآں یہ لوگ مصر اور اہلِ مصر کے متعلق کہتے ہیں:

''فرزندانِ مصر پر داود علیہ السلام کی زبان سے لعنت بھیجی گئی، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کچھ کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔''[4]

---

[1] دیکھیں: الفتاویٰ (۲۰/ ۲۹۹۔ ۳۰۰)

[2] اس کے الفاظ کا تذکرہ ''آیات کی حکومت'' والی فصل میں ہوگا۔

[3] علي أكبر الغفاري: أصول الكافي (٢/ ٤٠٩۔ ٤١٠ حاشیہ)

[4] بحار الأنوار (٦٠/ ٢٠٨) تفسير القمي (ص: ٥٩٦) ط: إيران.

''اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر ناراض ہوا تو ان کو مصر میں داخل کر دیا اور اس وقت تک ان سے راضی نہیں ہوا، جب تک ان کو مصر سے نکال نہیں دیا۔''[1]

''مصر سب سے برا ملک ہے۔ بنی اسرائیل میں سے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا، یہ اس کے لیے جیل ہے۔''[2]

''مصر سے دور رہو، وہاں ٹھہرنے کی خواہش نہ رکھو، کیوں کہ یہ دیوثیت منتقل کر دیتا ہے۔''[3]

مصر کی مذمت، اہلِ مصر کی ہجو اور وہاں رہایش اختیار کرنے سے ڈرانے کے متعلق ان کی بہت زیادہ روایات ذکر ہوئی ہیں۔ انھوں نے ان روایات کی نسبت رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، محمد باقر اور علی رضا کی طرف کی ہے۔ یہ ان تاب ناک اسلامی ادوار میں مصر کے متعلق روافض کی رائے ہے۔

مجلسی نے ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

''مصر ان زمانوں میں تمام ممالک سے زیادہ برا ہو چکا تھا، کیوں کہ اس کے باشندگان تمام لوگوں سے زیادہ کافر اور بدبخت ہو چکے تھے۔''[4]

یہ تمام باتیں صرف اس وجہ سے ہیں کہ مصر نے روافض کا منہج اور طور اطوار اختیار نہیں کیے تھے۔ یہ تمام روایات تاریخِ مصر میں اسماعیلی دور سے پہلے یا بعد کی ہوسکتی ہیں، کیوں کہ جو ان کی رافضیت میں شریک ہو اور ایسی مملکت کے بانی ہوں، جو ان کے کفر کی اجازت دیتی ہو، وہ ان کے بارے میں تو اس طرح کے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتے۔

یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ یہ نصوص اور روایات رافضہ کے مصر اور اہلِ مصر کے خلاف غیظ وغضب اور کینے کا آئینہ خیال ہوں، کیوں کہ عظیم قائد اور سپہ سالار صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ان کے اسماعیلی بھائیوں کی حکومت کا سقوط ہوا تھا، جس نے سرزمینِ کنانہ کو ان کی گندگی اور نجاست سے صاف کر دیا تھا۔

کہاں یہ مصر اور اہلِ مصر کے بارے میں تاریک کلمات اور کہاں وہ باب جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس عنوان کے ساتھ قائم کیا ہے:

---

[1] بحار الأنوار (٦٠/ ٢٠٨۔ ٢٠٩) قرب الإسناد (ص: ٢٢٠) تفسير العياشي (١/ ٣٠٤) البرهان (١/ ٤٥٦)

[2] تفسير العياشي (١/ ٣٠٥) بحار الأنوار (٦٠/ ٢٠١) البرهان (١/ ٤٥٧)

[3] بحار الأنوار (٦٠/ ٢١١)

[4] دیکھیں: بحار الأنوار (٥/ ٢٠٨)

''نبی اکرم ﷺ کی اہلِ مصر کے متعلق وصیت کا بیان۔''[1]

شیعہ کی کتابوں میں بہت زیادہ بلادِ اسلام اور ان کے باشندگان کی مذمت ذکر ہوئی ہے[2] اور مسلمان ممالک میں سے صرف وہی علاقے اس سے مستثنیٰ قرار دیے جاتے ہیں، جو ان کے مذہب کے قائل ہیں اور یہ ان ادوار میں بہت کم ہیں۔

شیعہ کی ایک روایت میں یہاں تک ذکر ہوا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ہماری ولایت اہلِ بلاد پر پیش کی، لیکن اہلِ کوفہ کے سوا کسی نے اس کو قبول نہ کیا۔''[3]

⑤ مسلمان قضات (جج):

شیعہ کی روایات مسلمان قاضیوں کو۔ان کے خیال کے مطابق۔ باطل امامت کے ساتھ مرتبط ہونے کی وجہ سے طواغیت شمار کرتی ہیں۔ کافی میں عمر بن حنظلہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے سوال کیا کہ اگر ہمارے دو آدمیوں میں دین یا وراثت کے کسی معاملے میں جھگڑا ہو جائے تو کیا ان کے لیے سلطان یا قاضیوں کے پاس اپنا فیصلہ کروانے کے لیے جانا جائز ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جو کسی حق یا باطل معاملے میں ان کے پاس فیصلہ کروانے کے لیے جائے تو گویا وہ طاغوت کے پاس فیصلہ کروانے کے لیے جاتا ہے۔ وہ اس کے لیے جو فیصلہ کرے گا، خواہ وہ فیصلہ صحیح اور اس کا ثابت شدہ حق ہی کیوں نہ ہو، وہ حرام لے گا، کیوں کہ اس نے یہ طاغوت کے فیصلے کے نتیجے میں لیا ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کا انکار کریں۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾ [النساء: ٦٠]

''چاہتے یہ ہیں کہ آپس کے فیصلے غیراللہ کی طرف لے جائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں۔''[4]

چناں چہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ مسلمان قاضیوں اور حاکموں کو طاغوت شمار کرتے ہیں اور ان کے فیصلوں کو باطل قرار دیتے ہیں۔ جو شخص ان کے ذریعے سے اپنا حق حاصل کرتا ہے، وہ حرام کھاتا ہے۔ یہ حکم نسل

[1] صحيح مسلم (٢/ ٢٩٧٠)

[2] دیکھیں: الخصال (ص: ٥٠٦۔ ٥٠٧) بحار الأنوار (٦٠/ ٢٠٦ وما بعدها)

[3] بحار الأنوار (٦٠/ ٢٠٩) مجلسی نے اس روایت کو ''بصائر الدرجات'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

[4] أصول الكافي (١/ ٦٧)

درنسل اورصدی بہ صدی تمام مسلمان قاضیوں کو شامل ہے۔

یہ روایت جعفر صادق کے زمانے تک کے قاضیوں اور ان کے فیصلوں پر حکم لگاتی ہے، جس طرح اس روایت کی جعفر تک سند سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر قرونِ مفضلہ کے مسلمان قاضیوں کے متعلق ان کی یہ سوچ ہے تو ان کے بعد والوں کے متعلق آپ کے خیال میں ان کا کیا گمان ہوگا؟

ایسا لگتا ہے کہ وہ یہ چاہتے کہ قاضی صاحبان رِقاع کی بے سروپا کہانیوں، جفر، جامعہ، مصحفِ فاطمہ اور حکم آلِ داود کے مطابق فیصلے کریں اور دلیل کے متعلق سوال نہ کریں، جس طرح یہ ان کی روایات میں ذکر ہوا ہے۔[1] کتاب وسنت اور اجماع سلف کے مطابق نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس آیت مبارکہ کے مصداق ہیں، جس سے یہ استدلال کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ ان چند منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جنھوں نے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے فیصلے پر طاغوت کے فیصلے کو ترجیح دی تھی۔[2]

یہ روافض انہی منافقوں کی جنس سے ہیں۔ شیعہ کے عصرِ حاضر کے علما کے دلوں میں بھی اس سوچ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ خمینی اپنی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے اس مفہوم کو تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے:

''خود امام علیہ السلام سلاطین اور قاضیوں کی طرف رجوع کرنے سے منع کرتے ہیں اور ان کی طرف رجوع کرنے کو طاغوت کی طرف رجوع کرنا خیال کرتے ہیں۔''[3]

کافی کا تعلیق نگار کہتا ہے:

''یہ آیت، روایت کی تائید کے ساتھ، مطلقاً ظالم حاکم کے پاس شکوہ نہ پیش کرنے پر دلالت کرتی ہے اور شاید یہ کہا جا سکے کہ مجبوری کے عالم میں اور فقیہ عدل کے پاس مقدمہ پیش کرنے کا امکان نہ ہونے کی صورت میں، معلوم حق لینے کے لیے ان کا وسیلہ اختیار کرنا جائز ہو۔''[4]

لیکن یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اصول ومبادی جو زنادقہ نے طے کیے ہیں، ان کے بعض پیروکاروں کی نظر میں مقبولیت حاصل نہیں کر سکے، کیوں کہ ان کو مسلمان قاضیوں کے فیصلے کے سائے میں عدل وانصاف ملتا ہے، جو ان کو اپنی قوم کے پاس بھی نہیں ملتا۔ کچھ شیعہ افراد نے اس بات کا شیخ الاسلام کے سامنے اقرار بھی کیا:

---

[1] دیکھیں: اس سلسلے میں ''سنت''، ''ایمان بالکتب'' اور ''غَیبت'' کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[2] دیکھیں: تفسير الطبري (٨/ ٥٠٧ وما بعدها) من الأجزاء المحققه. تفسير البغوي (١/ ٤٤٦)

[3] الحكومة الإسلامية (ص: ٧٤)

[4] أصول الكافي (١/ ٦٧، حاشيه)

''تم (اہلِ سنت) ہمارے ساتھ اس طرح انصاف کرتے ہو کہ ہمارے لوگ بھی ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح انصاف نہیں کرتے۔''[1]

شیعہ کے بعض افراد نے اپنے امام سے شکایت کی کہ وہ اہلِ سنت کو زیادہ دیانت دار، خوش اخلاق اور صاحبِ کردار پاتے ہیں، لیکن ان کو یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ شیعہ اس کے برعکس ہیں![2]

⑥ مسلمانوں کے ائمہ اور علما:

شیعہ مسلم شیوخ اور علما سے کسبِ علم کرنے سے خبردار کرتے ہیں اور ان کو مشرک ملتوں کی طرح ایک ملت شمار کرتے ہیں۔ ہارون بن خارجہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

''میں نے ابوعبداللہ سے کہا: ہم ان مخالفین[3] کے پاس آتے ہیں تو ان سے حدیث سنتے ہیں، کیا وہ ہمارے لیے ان کے خلاف حجت ہو سکے گی؟ انھوں نے کہا: اللہ ان پر اور ان کی مشرک ملتوں پر لعنت کرے! نہ ان کے پاس جا نہ ان سے سن۔''[4]

کافی میں سدیر عن ابی جعفر کی سند سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:

''اے سدیر! میں تجھے اللہ کے دین سے روکنے والے دکھاتا ہوں۔ پھر اس نے اس زمانے میں ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کی طرف دیکھا، جن کے مسجد میں تعلیمی دروس ہو رہے تھے اور کہا: یہ لوگ اللہ کی ہدایت اور کتابِ مبین کے بغیر اللہ کے دین سے روکنے والے ہیں۔ یہ خبیث لوگ اگر اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں، تو لوگ گھومتے اور ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے متعلق کوئی خبر دینے والا نہ ملتا، تا آنکہ وہ ہمارے پاس آتے تو ہم انھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے متعلق بتاتے۔''[5]

ایسا لگتا ہے کہ یہ باطنی لوگ جب ائمہ اہلِ سنت کو لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم اور دعوتِ دین دیتے

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٣٩) مجھے ایک اہلِ سنت قاضی نے بتایا، جس کا قطیف کے کسی علاقے کی عدالت میں تقرر ہوا، جہاں شیعہ آباد ہیں کہ اس نے محسوس کیا ہے کہ شیعہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے اور اپنے مسائل سے چھٹکارا پانے کے لیے اہلِ سنت کے پاس مقدمات پیش کرنے کی خواہش و رغبت رکھتے ہیں اور اپنے علما کے پاس نہیں جاتے۔ بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ وہ مجبوراً اور جنت کے اجازت ناموں سے محرومی اور جہنم کی وعید کی دھمکیوں کے ڈر سے اپنے علما کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

[2] أصول الكافي (٢/ ٤)

[3] ان کے نزدیک یہ لقب عموماً اہلِ سنت پر بولا جاتا ہے، لیکن ہر مخالف کو بھی شامل ہوسکتا ہے۔

[4] بحار الأنوار (٢/ ٢١٦) مجلسی نے اسے ''السرائر لابن إدريس'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

[5] أصول الكافي (١/ ٣٩٢۔ ٣٩٣) تفسير نور الثقلين (٤/ ١٣٢)

دیکھتے تو لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے، ان کے علم سے اپنی تشنہ کامی علم کی سرابی کرتے، ان کے مساجد میں دروس طالبانِ شوق سے آباد ہوتے، علم سے آراستہ ہوتے، ان پر سکینت طاری ہوتی، رحمت کا سایہ ہوتا اور فرشتوں کی حاضری ہوتی، تو یہ غیظ و غضب سے پیچ تاب کھانے لگتے۔

یہ علماے اعلام متقین کے امام اور عمائدین تھے، لیکن ان کے برعکس یہ باطنی لوگ اپنے گھروں میں دبکے رہتے ان کی طرف کوئی متوجہ ہوتا نہ وہ کسی محفل کی جان ہوتے، ذلت و مسکنت ان پر چھائی ہوئی تھی، لوگ ان کو غضب و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے، چناں چہ ان کی یہ خواہشات جو انھوں نے پیروانِ مذہب شیعہ کو دھوکا دینے اور ائمہ اہلِ بیت اور ائمہ مسلمین کے درمیان فتنہ سازی اور نفرت پیدا کرنے کے لیے اہلِ بیت کی زبان سے گھڑیں، یہی خواہشات ائمہ مسلمین کی تکفیر کا باعث بنیں اور ان کی یہ شدید تمنا رہی کہ زمین ان علماے اسلام سے خالی ہوجائے، تاکہ ان کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے موقع میسر آ سکے۔

⑦ اسلامی فرقے:

یہ لوگ اکثر اسلامی فرقوں کو طعن و تشنیع اور تکفیر کے لیے مخصوص کرتے ہیں، لیکن بالخصوص یہ اہلِ سنت کو اپنی دریدہ ذہنی کا نشانہ بناتے ہیں، کبھی ان کو نواصب کا لقب دیتے ہیں تو کبھی مرجیہ کا۔ کافی میں ہے:

''ابومسروق سے مروی ہے کہ مجھ سے ابوعبداللہ نے اہلِ بصرہ کے مذہب کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا: وہ مرجیہ، قدریہ[1] اور حروریہ ہیں۔ انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کافر مشرک ملتوں پر لعنت کرے، جو اللہ تعالیٰ کی کسی بھی چیز (بنیاد) پر عبادت نہیں کرتے۔''[2]

یہ لوگ مرجیہ سے اہلِ سنت مراد لیتے ہیں، اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ شیعہ کا عالم ملا باقر مجلسی اس حدیث: ((اَللهم العن المرجئة، فهم أعداؤنا في الدنيا والآخرة))[3] کی شرح میں لکھتا ہے:

''راجح بات یہ ہے کہ اس عبارت میں اِرجا سے مراد حضرت علی کو پہلے درجے سے چوتھے درجے پر موخر کرنا ہے۔''[4]

یہ جاننا بھی کافی ہوگا کہ زیدیہ جو شیعہ ہیں، ان کو بھی ان کی مذمت اور لعن طعن کا اتنا وافر حصہ ملا ہے، جو

---

① شیعہ بھی بعد میں قدریہ ہوگئے تھے، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے، چناں چہ وہ بھی اس لعنت میں داخل ہیں۔

② أصول الكافي (٢/ ٣٨٧۔ ٤٠٩)

③ فروع الكافي مع شرحه مرآة العقول (٤/ ٣٧١)

④ مرآة العقول (٤/ ٣٧١)

آپ سوچ بھی نہیں سکتے، مثلاً زیدیہ کے متعلق کہتے ہیں کہ عمر بن یزید سے مروی ہے:

''میں نے ابوعبداللہ سے ناصبی اور زیدی پر صدقہ کرنے کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: ان پر کچھ بھی صدقہ نہ کر، بلکہ اگر تم استطاعت رکھو تو ان کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاؤ۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ زیدیہ ناصبی ہیں۔''[1]

کافی میں ہے:

''عبداللہ بن مغیرہ سے مروی ہے کہ میں نے ابوالحسن سے کہا: میرے دو پڑوسی ہیں، ایک ناصبی ہے، دوسرا زیدی۔ دونوں کے ساتھ میل ملاپ بھی رکھنا ضروری ہے، تو میں کس کے ساتھ میل جول رکھوں؟ انھوں نے کہا: وہ دونوں ہی برابر ہیں، جس نے ایک قرآنی آیت کی تکذیب کی تو گویا اس نے اسلام کو پسِ پشت ڈال دیا اور وہ تمام قرآن اور انبیا و رسل کی تکذیب کرنے والا ہے۔ پھر انھوں نے کہا: ناصبی تمھارا دشمن ہے اور زیدی ہمارا دشمن ہے۔''[2]

زیدیہ کے لیے یہ سفارش بھی کام نہیں آئی: ''وہ ولایتِ علی کے دعوت دہندہ تھے۔''[3] اور شیعہ تھے، کیوں کہ ''انھوں نے اس میں ابوبکر و عمر کی ولایت کی آمیزش اور ملاوٹ کر دی تھی۔''[4] اور یہ ان کا ناقابلِ معافی گناہ ہے، بلکہ شیعہ کے نزدیک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ محض محبت رکھنا ہی باعثِ کفر ہے۔ "بحار الأنور'' میں ہے کہ ابوعلی خراسانی علی بن الحسین کے غلام کی سند سے ذکر کرتا ہے کہ اس نے کہا:

''میں ایک دن ان کے ساتھ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے انھوں سے کہا: میں آپ سے ان دو اشخاص: ابوبکر و عمر کے بارے میں پوچھنے کا حق رکھتا ہوں، مجھے ان کے متعلق بتایئے؟ انھوں نے کہا: دونوں کافر ہیں، جس نے ان دونوں سے محبت رکھی، وہ بھی کافر ہے۔''[5]

لہٰذا ان لوگوں نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی امامت و خلافت کا محض اعتقاد رکھنا ناصبیت میں شمار کیا ہے، جو ان کے نزدیک کفر سے بھی بڑھ کر ہے۔ مجلسی کہتا ہے:

---

[1] رجال الكشي (ص: ١٩٩) بحار الأنوار (٧٢/ ١٧٩)

[2] الكافي: كتاب الروضة (١٢/ ٣٠٤) مع شرحه للمازندراني. مفتاح الكتب الأربعة (٨/ ٧٦)

[3] بحار الأنوار (٧٢/ ١٨١)

[4] المصدر السابق.

[5] بحار الأنوار (٧٢/ ١٣٧ـ ١٣٨)

''بعض اوقات ناصِب مطلقاً طاقت ورمخالف پر بولا جاتا ہے، جس طرح اکثر روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔''[1]

وہ مزید کہتا ہے:

''جبریہ، مشبہہ، معتزلہ، خارجیہ اور منکرِ امامت جیسے مخالف پر جنازہ بہ جز تقیہ جائز نہیں، اگر وہ ایسا کرے (یعنی تقیہ کی وجہ سے جنازہ پڑھ لے) تو چوتھی تکبیر کے بعد اس پر لعنت بھیجے۔''[2]

مفید کہتا ہے: ''تمام اہلِ بدعت کافر ہیں۔''[3] اس لیے مجلسی نے اس عنوان: ''باب كفر المخالفين و النصاب'' کے ساتھ ایک باب بھی قائم کیا ہے۔[4]

مجلسی کہتا ہے:

''ہماری روایات کی کتابیں ایسی روایات سے بھری ہوئی ہیں، جو زیدیہ اور ان کے ہم مثل فطحیہ اور واقفہ کے کافر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔''[5]

یہ تمام فرقے، جن کا اس نے ذکر کیا ہے، شیعہ کے فرقے ہیں، لہٰذا جو ان کے علاوہ ہیں، ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہ ان کی ان کے بارے میں کیا رائے ہوگی؟ بلکہ اثنا عشریہ کے رجال خود ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ ''رجال الكشي'' کی یہ روایت سنیے! شیخ الطائفہ طوسی[6] بھی اپنے اصحاب کی یہ حالت بیان کرنے میں اس کی موافقت کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکفیر، مخالفت کرتے اور باہم لعن طعن کرتے ہیں۔

وہ اپنی روایت میں ذکر کرتا ہے کہ ۱۹۰ ہجری میں ابوالحسن ثانی کے دروازے پر ۱۶ لوگ اکٹھے ہوئے، ان میں سے جعفر بن عیسیٰ نام کے ایک شخص نے ان سے کہا: اے جناب! ہم اللہ سے اور آپ ﷺ سے اپنے اصحاب کی حالت کا شکوہ کرنے کے لیے آئے ہیں،[7] انھوں نے کہا: آپ لوگوں کو ان سے کیا شکایت ہے؟ جعفر

---

[1] مرآة العقول (٤/ ٧٢)

[2] مرآة العقول (٤/ ٧٢۔ ٧٣)

[3] أوائل المقالات (ص: ١٥)

[4] بحار الأنوار (٧٢/ ١٣١)

[5] بحار الأنوار (٣٧/ ٣٤)

[6] کیوں کہ اس نے ''رجال الكشي'' کی تہذیب کی ہے۔

[7] یہ الفاظ دائرہ شرک میں داخل ہونے کی وجہ سے منع ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ''ہم اللہ سے پھر آپ سے شکوہ کرتے ہیں۔'' شیعہ کی گمراہیاں تو اس سے بہت بڑی ہوئی ہیں، لیکن یہ صرف قاری کو خبردار کرنے کے لیے تھا۔

نے کہا: وہ خدا کی قسم! ہمیں کافر اور زندیق قرار دیتے ہیں اور ہم سے براءت کا اظہار کرتے ہیں تو انھوں نے کہا: علی بن حسین، محمد بن علی، جعفر اور موسیٰ کے اصحاب بھی ایسے ہی کرتے تھے! زرارہ کے ساتھی دوسروں کو کافر کہتے، اسی طرح دوسرے ان کو کافر قرار دیتے۔''

''یونس نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم زندیق ہیں۔''[1]

یہ ہے ان کی پہلی جماعت اور ہراول دستے کا حال، جو دروغ گوئی کرتے ہوئے اہلِ بیت کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، چناں چہ بعد والے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟!

⑧ ساری امت ہی ...!

امتِ اسلامیہ پر لعنت بھیجنا اور اس کو کافر قرار دینا، شیعہ کی کتابوں میں عام ہے، اس لیے شیعہ حضرات کی قبروں اور مزاروں کی زیارت کے وقت جو دعائیں ان کے وردِ زبان ہوتی ہیں، وہ اس مبارک اور بہترین امت پر لعنت بھیجنے سے خالی نہیں ہوتیں۔ امیر المومنین علی کی قبر کی زیارت کے وقت وہ یہ دعا پڑھتے ہیں:

''...تیرے مخالفین پر، تجھ پر افترا اور ظلم کرنے والے[2] پر، تیرا حق غصب[3] کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہو، جس کو اس بات کا علم ہوگیا، اس کے باوجود وہ اس پر راضی رہا،[4] اس پر بھی لعنت ہو۔ میں ان سے بَری ہوں، اللہ اس امت پر لعنت کرے، جس نے تیری[5] مخالفت کی، تیرا انکار کیا، تیری ولایت[6] کا انکار کیا، تمھارے خلاف اکٹھی ہوگئی، تیری راہ کو چھوڑ دیا اور تجھے رسوا کیا۔

''اللہ کے لیے تعریف ہے، جس نے ان کا ٹھکانا جہنم بنایا ہوا ہے، جو بہت بُری جگہ ہے، جس پر پیش کیا جائے۔ اے اللہ! جوابیت (بت جن کی پوجا کی جائے) طواغیت، فرعونوں، لات، عزیٰ ہر شریک پر، جس کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے[7] اور ہر افترا پرداز پر لعنت کر۔ اے اللہ! ان پر، ان کے پیروکاروں پر، ان کے اَتباع، اولیا،

---

[1] رجال الكشي (ص: ٤٩٨۔ ٤٩٩)

[2]، [3] شیعہ کے نزدیک ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو خلافت سونپنا ظلم اور غصب ہے۔ (الاعتقادات لابن بابويه، ص: ١١٢۔ ١١٣)

[4] یعنی جو ابوبکر کی خلافت پر راضی رہا، کیوں کہ ایسا شخص۔ ان کے گمان کے مطابق ظلم اور غصب پر راضی ہے، چناں چہ یہ حکم غالی شیعہ کے سوا تمام امت کو شامل ہے۔

[5] کیوں کہ اس نے ابوبکر کو خلافت سونپی تھی۔

[6] ان کے نزدیک حضرت علی کی ولایت رسول اللہ ﷺ کی وفات ہی سے شروع ہوجاتی ہے، لہٰذا جس نے تینوں خلفا کی خلافت تسلیم کی، اس نے ولایتِ علی کا انکار کیا۔ (الإرشاد للمفيد، ص: ١٢)

[7] جوابیت، طواغیت ... یہ ان کے اعتقاد میں خلفائے مسلمین ہیں، بالخصوص خلفائے ثلاثہ اور اموی خلفاء، اور وہ شریک جس کو ←

اعوان اور ان کے ساتھ محبت رکھنے والوں پر بہت زیادہ لعنت کر۔''[1]

یہ لعنتیں، جو ان کی زبانوں پر تسبیح و تہلیل کی جگہ ورد کی طرح جاری رہتی ہیں، اس کا ان کے دلوں میں امت اور اس کے دین کے خلاف حسد و بغض اور نفرت بھرنے میں بہت زیادہ کردار و اثر ہے۔ ان روافض نے امت پر ایسے القاب، قبیح خطابات اور خواص چسپاں کیے ہیں، جو کسی گروہ کی کتب میں نہیں ملتے، صرف اس وجہ سے کہ امت اس کی خلافت پر راضی اور خوش ہے، جس کو صحابہ و مہاجرین نے اپنے لیے خلیفہ پسند کیا۔ یہ بعض اوقات پوری امت پر بہتان لگاتے ہیں اور اس کو فجور[2] (بدکاری) کا الزام دیتے ہیں۔ کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ساری امت اولادِ زنا[3] ہے، اس لیے قیامت کے دن وہ اپنی حقیقت کے مطابق ظاہر ہوں گے اور اپنی ماؤں کے ناموں کے ساتھ آواز دیے جائیں گے۔[4]

کسی وقت کہتے ہیں کہ یہ مقلوب و ذلیل مخلوق ہے، جس کا انسانیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ بندر، خنزیر اور کتے ہیں۔[5] یہ اور اس طرح کے شیعہ کے اس امت کے متعلق کئی منکر و ناپسندیدہ اقوال اور لعنتیں ہیں۔

← اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے، اس سے مراد وہ امام ہے، جس کی ان کے بارہ اماموں کے سوا بیعت کی جاتی ہے۔ (دیکھیں: توحیدِ الوہیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ)

(1) ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (٢/ ٣٥٤)

(2) یہ کہتے ہیں: نومولود کے پاس شیطان آتا ہے، تاکہ اس کے ساتھ بدکاری کا کام کرے، اس سے صرف ان کے شیعہ محفوظ رہتے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں اس کے متعلق ان کے الفاظ ذکر ہو چکے ہیں۔ دیکھیں: صفحہ نمبر (٥٠٠)

(3) یہ کہتے ہیں کہ ہمارے شیعہ کے سوا تمام لوگ بدکار عورتوں کی اولاد ہیں، ان کی کتابوں کا حوالہ دیکھنے کے لیے دیکھیں: (٥٠٠)

(4) یہ بحار الأنوار (٧/ ٢٣٧) کا ایک عنوان ہے۔

(5) بطورِ نمونہ یہ روایت ملاحظہ کیجیے: ''ابوبصیر سے مروی ہے، اس نے کہا: ''میں نے ابوجعفر سے کہا: میں آپ کا غلام اور شیعہ ہوں، میری نظر کمزور ہے، مجھے جنت کی ضمانت دے دیجیے!
انھوں نے کہا: کیا میں تجھ کو ائمہ کی علامت نہ دوں؟ میں نے کہا: اگر آپ اسے میرے لیے کر دیں گے تو آپ کو اس کا کیا نقصان ہوگا؟ انھوں نے کہا: کیا تم پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا: میں کیسے پسند نہیں کروں گا؟ چناں چہ انھوں نے میری آنکھوں پر ہاتھ پھیرا، تو میں نے سقیفہ میں بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کو دیکھا۔ انھوں نے کہا: اے ابومحمد! یہ ہے تمھاری نظر دیکھو، تم اپنی آنکھوں سے کیا دیکھتے ہو، اس نے کہا: خدا کی قسم! میں نے بندر اور خنزیر اور کتوں کے سوا اور کچھ بیٹھا ہوا نہ دیکھا، تو میں نے کہا: یہ کون سی مسخ شدہ مخلوق ہے؟ انھوں نے کہا: یہ جو تم دیکھ رہے ہو، یہ سوادِ اعظم ہے۔ اگر لوگوں کی نگاہوں سے پردہ اٹھ جائے تو شیعہ اپنے مخالفین کی یہی اشکال دیکھیں گے۔ پھر انھوں نے کہا: اے ابومحمد! اگر تم پسند کرو تو میں تم کو اسی حالت پر چھوڑ دیتا ہوں اور تیرا حساب اللہ کے ذمے ہوگا اور اگر چاہو تو میں تم کو جنت کی ضمانت دوں اور تم کو واپس پہلی حالت میں لوٹا دوں؟ میں نے کہا: مجھے اس مقلوب مخلوق کو دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ مجھے واپس لوٹا دیں، جنت کا کوئی عوض نہیں۔ انھوں نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر پھیرا تو میں پہلی حالت میں لوٹ آیا۔ (بحار الأنوار: ٢٧/ ٣٠ بحواله ←

یہ اثنا عشری نصوص و روایات امتِ محمدیہ ﷺ کے کسی ایک فرد کو بھی لعن طعن اور تکفیر سے مستثنیٰ قرار نہیں دیتیں، بلکہ مہاجرین و انصار، اصحابِ رسول ﷺ، اہلِ بیت نبی، بلادِ اسلام اور ان کے باشندگان، اسلامی فرقوں، بالخصوص اور امتِ اسلامیہ پر بالعموم یہ لوگ اپنی تمام دعاؤں، نمازوں اور زیارتوں میں لعنت بھیجتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انھوں نے کسی کو ان لعنتوں سے معاف بھی رکھا ہے کہ نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ انھوں نے ایک گروہ کو اس سے نہ صرف مستثنیٰ قرار دیا ہے، بلکہ ان کی مدح سرائی اور مدافعت بھی کی ہے۔

امت کی عمومی تکفیر اور لعن طعن سے مستثنیٰ گروہ:

اگر اثنا عشریہ نے صحابہ رسول، قرابتِ رسول، خلفا، قضاۃ، ائمہ اور اسلامی فرقوں، بہ شمول شیعہ فرقوں کے تمام کی تکفیر کی ہے تو ثنا خوانی کن کی کی ہے؟ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ کے بونوں، انسانیت کے تلچھٹ اور گھٹیا ترین افراد کی ثنا خوانی کرتے ہیں، بلکہ کافروں، ملحدوں، زندیقوں اور منافقوں کی نہ صرف مدح کرتے ہیں، بلکہ ان کا دفاع بھی کرتے ہیں۔ (بلاشبہہ روحیں اکٹھے کیے گئے لشکر ہیں، جن کا آپس میں تعارف ہو جائے، وہ ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں) یہ فرقہ مسیلمہ کذاب کی طرح کے مرتد کے ساتھیوں[1] مختار ابن ابوعبید ثقفی[2] اور نصیر طوسی[3] جیسے زندیقین، جابر جعفی[4]، زرارۃ بن اعین[5] جیسے جھوٹوں اور افترا پردازوں اور قاتلِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ابو لؤلؤ مجوسی جیسے کینہ پرور مجوسیوں کا دفاع کرتا ہے۔ یہ لوگ اس قاتلِ عمر رضی اللہ عنہ کو ''بابا شجاع الدین'' کہتے ہیں۔[6]

←الخرائج والجرائح) ان خلافِ فطرت امور کو دیکھیے، جو صرف جادوگروں اور شعبدہ بازوں کے معاشرے میں پائے جاتے ہیں، پھر مزید ان کا یہ دعویٰ دیکھیے کہ ائمہ جنت کی ضمانت دینے کے مالک و مختار ہیں اور تمام لوگ کتے اور خنزیر ہیں!!
كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذباً.

[1] دیکھیں: عبد الله العلايلي: الإمام الحسين، مقدمة الطبعة الثانية (ص: ٣، ٤، ١٩) نیز ملاحظہ کریں: المنتقى (ص: ٢٧١۔ ٢٧٣)

[2] دیکھیں: ابن إدريس: السرائر (ص: ٤٧٥) نیز دیکھیں: حسين البرقي: تاريخ الكوفة (ص: ٦٢)

[3] دیکھیں: الخوانساري: روضات الجنات (٦/ ٣٠٠۔ ٣٠١) الخميني: الحكومة الإسلامية (ص: ١٢٨)

[4] دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٤٠٨، ٤٠٩)

[5] دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٤١٢)

[6] عباس القمي: الكنى والألقاب (٢/ ٥٥) قتلِ عمر رضی اللہ عنہ کا دن ان کے ہاں سب سے بڑی عید ہے۔ ایک روایت میں ہے: ''یہ عید کا دن ہے اور یہ تمام عیدوں سے بہتر ہے۔'' دیکھیں: الأنوار النعمانية للجزائري (١/ ١٠٨ وما بعدها) فصل[نور سماوي يكشف عن ثواب يوم قتل عمر بن الخطاب.
←

اسی طرح یہ فرقہ ابراہیم قمی، کلینی اور ان دونوں جیسے کافروں سے اپنا دین اخذ کرتا ہے، جو کتاب اللہ کے متعلق نقص وتحریف اور اصحابِ رسول ﷺ کے بارے میں کفر وارتداد کا عقیدہ رکھتے ہیں، یہی نہیں بلکہ یہ لوگ ان کو اپنے دین کے ثقہ ترین اور روایات میں بنیادی راوی شمار کرتے ہیں۔

نقد وتبصرہ:

یہ عام اور مجموعی تکفیر، جس سے کوئی بھی بچ نہیں پایا، کیا کسی تبصرے یا تنقید کی محتاج ہے؟ اس کا باطل اور جھوٹ پر مبنی ہونا اتنا واضح اور عیاں ہے، جو محتاجِ بیان نہیں۔ امت کی تکفیر درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی تکفیر کی ایک کڑی ہے اور دونوں کا سبب بھی ایک ہی ہے۔ یہ ایک فطری امر ہے، جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف کینہ رکھتا ہے، انھیں گالیاں دیتا ہے اور ان کو (نعوذ باللہ) کافر قرار دیتا ہے، وہ ساری امت کے خلاف بھی حسد و کینہ رکھتا ہے اور اس کو کافر شمار کرتا ہے، جس طرح بعض سلف کا کہنا ہے:

''جس کے دل میں کسی ایک صحابی کے خلاف بھی کینہ موجود ہو، اس کے دل میں مسلمانوں کے لیے زیادہ کینہ اور حسد ہوتا ہے۔''[1]

اگر وہ ابوبکر وعمر وعثمان، اہلِ بدر، اہلِ بیعت رضوان اور مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے راضی نہیں، جو فضل و احسان کے بلند و بالا پہاڑ تھے تو کیا وہ ان کے بعد کسی سے خوش ہو سکے گا؟ اس موقف کی بنیاد روافض کا یہ دعویٰ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے امامت وخلافتِ علی کی وصیت سے انحراف کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ اس (مزعومہ) وصیت کا باطل و مردود ہونا گزشتہ صفحات میں عقل ونقل اور متواتر ومعلوم امور کی روشنی میں ذکر ہو چکا ہے، لہٰذا جس کی بنیاد ہی باطل پر ہو، وہ باطل ہی ہوتا ہے۔

خشتِ اول گر نہند معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

ان کا اس ''قرآن کے سائے میں پروان چڑھنے والی بے مثال نسل'' پر ارتداد کا حکم لگانا، مذہبِ رفض کے اساسی طور پر باطل ہونے اور اس کی بنیاد ملحدین کی ایک جماعت کے ہاتھوں رکھے جانے کی واضح علامت ہے، نیز اس نظریے کا باطل و غلط ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ اسی لیے ایک ایرانی اور شیعہ نژاد احمد کسروی کہتا ہے:

← یہ ہے اس امت کے فاروق اور اسلام کی عظیم شخصیت کے متعلق ان کا اعتقاد؟ اس کینے کا یہ سبب ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہے، جن کے عہد میں فارس کے علاقے فتح ہوئے اور اسلامی حکومت کی عمل داری میں داخل ہوئے، اس لیے یہ لوگ ان کے قاتل اور ان کی یومِ شہادت کو بڑی تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

[1] الإبانة لابن بطة (ص: ٤١)

''یہ جو انھوں نے کہا ہے کہ مسلمان نبی (ﷺ) کی وفات کے بعد مرتد ہوگئے تھے، یہ ان کی دروغ گوئی اور بہتان طرازی کی ایک بہت بڑی جرأت ہے۔ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ وہ کس طرح مرتد ہوگئے؟ وہ تو نبی (ﷺ) کے ساتھی تھے، وہ اس وقت ایمان لائے، جب دوسرے لوگوں نے آپ (ﷺ) کو جھٹلایا، انھوں نے آپ (ﷺ) کا دفاع کیا، اس کے لیے اذیتیں برداشت کیں، جنگوں میں آپ ﷺ کی مدد کی اور انھوں نے کبھی اپنی جانوں کو آپ (ﷺ) پر ترجیح نہیں دی، پھر ان کو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی خلافت میں کون سا فائدہ نظر آ رہا تھا کہ اس کے لیے وہ دین سے مرتد ہوگئے؟ کون سا احتمال زیادہ آسان نظر آتا ہے: فاسد اغراض و مقاصد کے حامل ایک یا دو اشخاص کی تکذیب یا سیکڑوں مخلص مسلمانوں کو مرتد قرار دینا؟ اگر تمھارے پاس اس کا کوئی جواب ہے تو پیش کرو۔''[1]

باوجودیکہ شیعہ کا مذہب شریعت، عقل، تاریخ اور اسلام کے بنیادی وضروری امور کی مخالفت کی وجہ سے برخود باطل اور سراسر غلط ہے، پھر بھی اس کا جواب دینے کے لیے ایک جائزہ پیش کرنا ضروری ہے، خواہ سرسری ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ ماضی میں بھی اور آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں، جو اس مسئلے میں دلائل و براہین سے تجاہل سے کام لیتے ہیں۔

آپ کے لیے یہی جاننا کافی ہوگا کہ شیعہ کا عصر حاضر کا عالم اور آیت محمد خالص جو اتحادِ عالم اسلام کے نعرے کا حامل اور اپنے خطبات، نشریات[2] اور اَسفار میں اس کا تکرار کے ساتھ ذکر کرتا ہے، اس نے مورخہ ۲۶ر ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو شیخ محمد بہجۃ البیطار کے نام ایک خط لکھا، جس میں تحریر کیا:

''میں صحابہ کا ذکرِ خیر نہیں کر سکتا، کیوں کہ جس کی کتاب و سنت نے مذمت کی ہے اور قرآن اور متواتر احادیث نے جن کے اعمال کی قباحت بیان کی ہے، میں کتاب و سنت کی مخالفت مول لے کر ان کی مدحت اور ثنا خوانی کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب و غضب کا نشانہ نہیں بننا چاہتا۔ زیادہ سے زیادہ میں یہ لکھ سکتا ہوں کہ کتاب و سنت نے صحابہ کا خیر کے ساتھ ذکر نہیں کیا، نہ یہ ان کی فضیلت ہی پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ صرف صحابہ ہیں۔''[3]

خالصی یہاں صحابہ کرام کا خیر کے ساتھ ذکر نہیں کرتا، حالاں کہ ان کی فضیلت میں متواتر روایات موجود

---

[1] التشيع والشيعة (ص: ٦٦)

[2] مثال کے لیے دیکھیں: الإسلام فوق كل شيء (ص: ٦٥)

[3] رسالة الإسلام والصحابة الكرام بين السنة والشيعة للشيخ محمد بهجة البيطار (ص: ٦)

ہیں، لیکن وہ اپنے ائمہ کے بارے میں کہتا ہے:

''بارہ امام ایمان کے ارکان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ولایت پر ایمان رکھنے کے بغیر بندوں کے اعمال قبول نہیں کرے گا۔''[1]

شیعہ عقائد کے خلاف دلائل:

درآں حالیکہ کتاب اللہ میں بارہ اماموں کا تذکرہ ہے نہ سرِمو ان کی امامت ہی کا کوئی ذکر ہے۔ لہٰذا دیکھیے کہ یہ کس طرح واضح حقائق کی تکذیب اور صریح جھوٹ کی تصدیق کرتے ہیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے تو ضروری ہوجاتا ہے کہ ہم رافضہ کے مذہب کی تردید میں دلائل و براہین پیش کریں اور کتاب وسنت، اقوالِ ائمہ، تاریخ، عقل اور معلوم ومتواتر امور کی روشنی میں صحابہ کرام کی فضیلت بیان کریں۔ یہاں ہم خود شیعہ کی کتابوں سے شیعہ مذہب میں اس عقیدے کے بانی کا انکشاف بھی کریں گے، اس سے شیعہ کے تمام امت کی تکفیر کے موقف کی تردید ہوگی، کیوں کہ وہ سبب جس کی وجہ سے انھوں نے صحابہ کی تکفیر کی ہے، بعینہٖ اسی سبب کی وجہ سے انھوں نے تمام مسلمانوں کی بھی تکفیر کی ہے، لیکن صحابہ کرام کو، شریعت معطل اور باطل کرنے کی غرض سے، جس کو انھوں نے نقل کیا ہے، یہ لوگ قدیم و جدید دور میں خصوصیت کے ساتھ سب وشتم اور لعنت وتکفیر کا نشانہ بناتے آئے ہیں۔

① قرآنِ کریم:

قرآنی نصوص وآیات نے صحابہ کی عدالت اور اللہ تعالیٰ کے ان سے خوش وراضی ہونے کی گواہی دی ہے اور بہت ساری واضح اور روشن آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف وتوصیف کی ہے، جن کا مفہوم جاننے کے لیے ہمیں شیعہ کی طرح باطنی تاویل کی ضرورت نہیں، جو قرآنی آیات کی بارہ اماموں کے ساتھ تاویل کرتے ہیں۔

① اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ [آل عمران: ١١٠]

''تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی۔''

''ان کے لیے یہی فخر واعزاز کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام لوگوں سے بہتر ہونے کی خود گواہی دی ہے۔ وہ اس خطاب میں سب سے پہلے داخل ہونے والے ہیں، اس قوم کے لیے

[1] الخالص: الاعتصام بحبل الله (ص: ٤٣)

اس مقام سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں، جن پر اللہ تعالیٰ اپنی نبی ﷺ کی صحبت اور نصرت کی وجہ سے راضی ہو چکا ہو۔''[1]

اس لیے اس کی تفسیر میں سلف صالحین سے جو اقوال منقول ہوئے ہیں، ان کے تقاضے کے مطابق یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان سے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ﴾ (تم بہترین امت ہو)[2]

(۲) اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ [التوبة: ١٠٠]

''اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

یہ آیت مبارکہ مہاجرین و انصار اور ان کی احسان میں پیروی کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی، ان کو عظیم کامیابی کی خوش خبری اور ان کے لیے نعمتوں بھری جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے بارے میں صریحاً دلالت کرتی ہے۔ اس لیے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے:

''جو ان سے بغض رکھے یا ان کو گالی دے یا ان میں سے چند ایک کے ساتھ بغض رکھے اور اس کو گالی دے، خصوصاً سید الصحابہ، رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر و افضل میری مراد صدیق اکبر، خلیفہ اعظم، ابو قحافہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دشنام طرازی کرے تو اس کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔ رافضہ کا

---

[1] ابن حجر الهيثمي: الصواعق المحرقة (ص: ٧)

[2] ابن عطيه: المحرر الوجيز (٣/ ١٩٣) اسی لیے زیدی شیعہ کے علامہ محمد بن ابراہیم وزیر نے ان صحابہ کرام کے، جن جیسی اس کرہ ارضی پر کوئی قوم نہیں ہوئی، احوال ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: ''یہ اشیا غافل کو خبردار کرتی ہیں اور عاقل کی بصیرت کو تقویت پہنچاتی ہیں، وگرنہ یہ آیت کریمہ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ہی کافی اور بے نیاز کر دینے والی ہے۔ (الروض الباسم: ١/ ٥٦۔ ٥٧) نیز دیکھیں: محب الدين خطيب: الجليل المثالي (ص: ١٩)

ذلیل ٹولہ صحابہ میں افضل فرد کے ساتھ عداوت رکھتا ہے، وہ ان سے بغض وعناد رکھتے ہیں اور ان کو گالیاں دیتے ہیں۔ اللہ کی پناہ! (بلکہ گالیوں سے بڑھ کر وہ ان پر کفر اور ارتداد کا حکم لگاتے ہیں) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی عقلیں معکوس اور دل مقلوب ہو چکے ہیں، اگر یہ ان کو گالی دیتے ہیں، جن سے اللہ راضی ہے تو ان کا قرآن پر ایمان کہاں ہے؟''[1]

(۳) اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ [الفتح: ۱۸]

''بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کر دی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔''

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ ان کے دلوں کے حال سے واقف ہے، وہ ان سے راضی ہے اور اس نے ان پر سکینت نازل کی تو ان کے بارے میں کسی کے لیے بھی لمحہ بھر بھی توقف کرنا اور شک کا اظہار کرنا قطعاً جائز نہیں۔''[2]

''وہ لوگ جنھوں نے حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے کوہِ تنعیم[3] کے پاس بیعت کی، وہ چودہ سو (۱۴۰۰) سے زیادہ تھے۔ جب مشرکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کرنے سے روکا، تب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی...۔''[4]

یہ لوگ، جس طرح شیخ الاسلام فرماتے ہیں، بعینہٖ وہی اشخاص و افراد تھے، جنھوں نے حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی۔[5] لہٰذا جس شخص نے اپنے رب کے اس قول کی کہ وہ درخت کے نیچے بیعت

---

[1] تفسير ابن كثير (۲/ ٤١٠)

[2] الفصل (٤/ ٢٢٥)

[3] تنعیم: مکہ شریف سے تین یا چار میل کے فاصلے پر ہے، اس کا یہ نام اس وجہ سے مشہور ہوا، کیوں کہ اس کی دائیں جانب کوہِ نعیم ہے اور بائیں جانب کوہِ ناعم اور اس وادی کا نام نعمان ہے۔ (تاج العروس مادہ: نعم. معجم البلدان، لفظ تنعيم)

[4] منهاج السنة (۲/ ۱٥۔ ١٦) تحقيق دكتور رشاد سالم.

[5] المصدر السابق (۱/ ۲۰٦)

کرنے والوں سے راضی اور خوش ہے، تردید کی، وہ نامراد اور خسارہ پانے والا ہے۔ جس کے پاس تھوڑا سا بھی علم ہے، وہ بھی جانتا ہے کہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عمار اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم یہ سارے ہی اس اعزاز میں شامل ہیں، لیکن خوارج اور روافض بغض و عناد رکھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہوئے ان سے براءت کے اظہار میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔[1]

(۴) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ [الفتح: ٢٩]

''محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں، کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، بڑی بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔''

صحابہ کا بلند مرتبہ و مقام ملاحظہ کیجیے! اللہ تعالیٰ نے ان اوصاف کے ساتھ ان کی ثنا خوانی کی ہے اور بتایا ہے کہ ان کی یہ صفت تورات و انجیل میں بھی مذکور ہے۔ بعض اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ اس آیت کا ظاہر روافض کے کفار ہونے کا تقاضا کرتا ہے، کیوں کہ ان کے دلوں میں صحابہ کی نفرت و عداوت اور ان کے خلاف طیش ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾ [الفتح: ٢٩] ''تاکہ وہ ان کے ذریعے

[1] الفصل (٤/ ٢٢٦)

کافروں کو غصہ دلائے۔'' چناں چہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ جس کے دل میں صحابہ کے خلاف غیظ و غضب ہو، وہ کفار میں داخل ہے۔[1]

(۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ [الحديد: ١٠]

''تم میں سے جس نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی، وہ (یہ عمل بعد میں کرنے والوں کے) برابر نہیں۔ یہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے بڑے ہیں، جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور جنگ کی اور ان سب سے اللہ نے اچھی جزا کا وعدہ کیا ہے۔''

جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ''حسنیٰ'' کا وعدہ کیا ہے، ان کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾

[الأنبياء: ١٠١۔ ١٠٣]

''بے شک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے بھلائی طے ہوچکی، وہ اس سے دور رکھے گئے ہوں گے۔ وہ اس کی آہٹ نہیں سنیں گے اور وہ اس میں جسے ان کے دل چاہیں گے، ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ انھیں سب سے بڑی گھبراہٹ غمگین نہ کرے گی۔''

اس آیت میں یہ ذکر ہوا ہے کہ جو بھی صحبتِ نبوی میں بیٹھ گیا، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ''حسنیٰ'' کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ [آل عمران: ٩] ''بے شک اللہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''

چناں چہ اس نصِ قرآنی سے یہ صحیح نتیجہ اخذ ہوا کہ وہ شخص جس کے لیے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''حسنیٰ'' طے ہوگئی، وہ آگ سے دور رکھا جائے گا، وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنے گا، وہ اس میں جو چاہے گا، ہمیشہ رہے گا، اسے سب سے بڑی گھبراہٹ غمگین نہ کرے گی ... منافق اور تمام کفار تو آپ ﷺ کے اصحاب نہیں تھے۔[2]

(۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] دیکھیں: الإسفراييني: التبصير في الدين (ص: ٢٥) تفسير ابن كثير (٤/ ٢١٩) تفسير القاسمي (١٥/ ١٠٤)

[2] المحلى (١/ ٤٢)

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [الحشر: ٨۔ ١٠]

’’(یہ مال) ان محتاج گھر بار چھوڑنے والوں کے لیے ہے، جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔ وہ اللہ کی طرف سے کچھ فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔ اور (ان کے لیے) جنھوں نے ان سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ بنا لی ہے، وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئیں اور وہ اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے، جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے، اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔‘‘

یہ آیات مہاجرین و انصار اور ان لوگوں کی مدح و ثنا پر مشتمل ہیں، جو ان کے بعد آئے اور ان کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ان کے دلوں میں ان کے خلاف کوئی کینہ نہ رکھے۔ یہ اس حکم کو بھی شامل ہے کہ یہ اصناف مالِ فے کی مستحق ہیں۔ بلاشبہہ رافضہ ان تینوں اصناف سے باہر ہیں، کیوں کہ یہ سابقین کے لیے بخشش کی دعائیں نہیں کرتے اور ان کے دلوں میں ان کے خلاف کینہ ہے۔

ان آیات میں صحابہ اور اہلِ سنت کی تعریف ہے، جو ان کے ساتھ محبت اور موالات رکھتے ہیں، شیعہ کو اس سے باہر کر دیا گیا ہے اور یہ چیز رافضہ کے مذہب کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔[1]

[1] منهاج السنة (١/ ٢٠٤)

اس موضوع کے متعلق آیات بہت زیادہ ہیں۔[1]

② سنتِ مطہرہ:

سنتِ مطہرہ کی کتابیں صحابہ کی تعریف اور سید الخلق کی زبان اور اس سے ان کی فضیلت سے بھری ہوئی ہیں۔

① کچھ وہ احادیث ہیں، جو اجتماعی طور پر تمام صحابہ کی تعریف کرتی ہیں، جیسے آپ ﷺ کے یہ فرامین:

''میرے صحابہ کو گالی نہ دو، میرے صحابہ کو گالی نہ دو، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی ایک اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے، تب بھی ان میں سے کسی ایک کے مُدّ یا نصف مُدّ کے اجر کو بھی نہ پا سکے۔''[2]

نیز فرمایا:

''لوگوں میں سے بہترین میرا زمانہ ہے، پھر ان کا جو ان کے بعد آئیں گے، پھر ان کا جو ان کے بعد آئیں گے۔ عمران نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے اپنے زمانے کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا یا تین کا۔''[3]

② کچھ وہ نصوص و احادیث ہیں، جو تعیین کر کے بعض جماعتوں کی تعریف ذکر کرتی ہیں، جیسے اہلِ بدر کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''تجھے کیا پتا ہو؟ شاید اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو جھانکا اور کہا: جو چاہو سو کرو، میں نے تم کو بخش دیا ہے۔''[4]

درخت کے نیچے بیعت کرنے والے، اہلِ بیعت رضوان کے بارے میں فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

''اگر اللہ نے چاہا تو درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی ایک بھی دوزخ میں داخل

---

[1] کتنا عمدہ ہو، اگر کوئی قرآن اور علومِ قرآن فیکلٹی کا طالب علم "الصحابة في القرآن الكريم" کے موضوع پر اپنا مقالہ تیار کرے، تا کہ اس طرح سے اس مثالی اور قرآنی نسل پر اللہ تعالیٰ کی زبردست تعریف و ثنا کا اظہار ہو سکے۔

[2] صحيح البخاري، باب فضائل أصحاب النبيﷺ (٤/ ١٩٥) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة﷡ (٢/ ١٩٦٧) رقم الحديث (٢٥٤٠) سنن أبي داود، كتاب السنة، باب في النهي عن سب أصحاب رسول اللهﷺ (٥/ ٤٥) رقم الحديث (٤٦٥٨) سنن الترمذي، كتاب المناقب، باب ٥٩ (٥/ ٦٩٥۔ ٦٩٦) رقم الحديث (٣٨٦١)

[3] صحيح البخاري كتاب الشهادات، باب لا يشهد على شهادة جور إذا شهد (٣/ ١٥١) واللفظ له، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم (٢/ ١٩٦٢) رقم الحديث (٢٥٣٣)

[4] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أهل بدر (٢/ ١٩٤١) رقم الحديث (٢٤٩٤)

نہیں ہوگا۔‘‘[1]

ان کے علاوہ اور بھی ایسی کئی جماعتیں ہیں۔[1]

③ وہ احادیث جو آحاد یعنی ایک ایک صحابی کی فضیلت بیان کرتی ہیں، یہ بہت زیادہ ہیں، ان کو صحاح، سنن اور مسانید کی کتابوں نے ذکر کیا ہے۔[3]

لیکن شیعہ نے اس عظیم سرچشمے سے دور رہنے ہی کو اپنے لیے پسند کیا ہے۔ یہ مقامِ استدلال میں اس کی طرف آتے ہیں نہ ان سے استدلال ہی کرتے ہیں، ہمارا اپنی روایات سے ان کے خلاف دلائل پیش کرنا، ان کے لیے کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، کیوں کہ یہ ان پر یقین ہی نہیں رکھتے، اسی طرح ان کا ان کی اپنی روایات سے ہمارے خلاف دلائل دینا ہمارے لیے کوئی مطلب نہیں رکھتا، کیوں کہ ہم بھی ان کی روایات کی تصدیق نہیں کرتے۔ جب کہ چاہیے تو یہ کہ حریف اور مدمقابل ایک دوسرے کے خلاف اس چیز سے دلیل پیش کریں، جس کو وہ سچ مانتا ہو، جس پر اس کے ساتھ حجت قائم ہوسکتی ہے، چاہے دلیل پیش کرنے والا اس کو سچا مانتا ہو یا نہ مانتا ہو۔[4]

اس لیے میں اس مقام پر بنیادی کتابوں کے فضائلِ صحابہ کے بارے میں ابواب کا حوالہ دینے ہی پر اکتفا کرتا ہوں، جن میں صحابہ کی فضیلت و مدحت اور ان کو سب وشتم کرنے سے منع کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں۔ مَیں شیعہ کی کتابوں سے بھی، شیعہ کے ائمہ کے اقوال پیش کر کے، جن کو یہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی طرح ہی سمجھتے ہیں، ان کے خلاف حجت قائم کروں گا۔

③ ائمہ شیعہ کی صحابہ کرام کی ثنا خوانی:

ابن بابویہ کی ’’الخصال‘‘ میں ہے:

’’ابوعبداللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: اصحابِ رسول ﷺ ۱۲ ہزار تھے،[5] جن میں سے آٹھ

---

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أصحاب الشجرة (٢/ ١٩٤٢) رقم الحديث (٢٤٩٦)

[2]، [3] دیکھیں: جامع الأصول، باب الرابع في فضائل الصحابة ومناقبهم، وفيه خمسة فصول (٨/ ٥٤٧ وما بعدها) نیز دیکھیں: فضائل الصحابة للإمام أحمد، و فضائل الصحابة للنسائي. مزید دیکھیں: الشوكاني: در السحابة في مناقب القرابة والصحابة، الكبيسي: صحابة رسول الله ﷺ في الكتاب والسنة (ص: ١٦١)

[4] الفصل (٤/ ١٥٩)

[5] یہ کسی جاہل کی وضع کاری ہے۔ وہ صحابہ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک تھے، ان کی تعداد عورتوں اور اَتباع کے علاوہ بارہ ہزار تھی۔ اہلِ ہوازن بھی آپ کے پاس مسلمان ہوکر آ گئے اور آپ ﷺ نے مکہ کو لوگوں سے بھرا ہوا چھوڑا۔ اسی طرح مدینے کی صورتِ حال تھی۔ جتنے قبائلِ عرب آپ کے ساتھ چلے، وہ تمام مسلمان تھے اور ان کو آپ ﷺ کی صحبت ←

ہزار مدنی، دو ہزار مکی اور دو ہزار آزاد شدگان (فتح مکہ کے بعد جن کو معافی ملی تھی) تھے، جن میں کوئی قدری تھا نہ مرجی، نہ حروری، نہ معتزلی اور نہ کوئی صاحبِ رائے ہی، وہ دن رات آہ وزاری کیا کرتے تھے۔''[1]

ملا باقر مجلسی ''بحار الأنوار'' صادق عن آبائہ عن علی کی سند سے بیان کرتا ہے کہ حضرت علی نے کہا:

''میں تم کو اصحابِ نبی ﷺ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، ان کو گالی نہ دو، جنھوں نے آپ ﷺ کے بعد کوئی بدعت ایجاد نہیں کی نہ کسی بدعتی کو پناہ ہی دی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق خیر اور اچھائی کی وصیت کی ہے۔''[2]

''بحار الأنوار'' ہی میں ہے:

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ کو دیکھا، اس کے لیے خوش خبری ہے۔ جس نے مجھ کو دیکھنے والے کو دیکھا، اس کے لیے بھی خوش خبری ہے اور جس نے مجھ کو دیکھا، پھر اس کو جس نے دیکھا اور جس نے اس کو دیکھا، اس کے لیے بھی خوش خبری ہے۔''[3]

(شیعہ کے ساتویں امام) موسیٰ بن جعفر سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں، جب میری روح قبض ہو جائے گی، تو میرے اصحاب کے وہ قریب ہو جائے گا، جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں، جب میرے اصحاب دنیا سے چلے جائیں گے تو میرے امت کے وہ قریب ہو جائے گا، جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ دین اس وقت تک تمام ادیان پر غالب رہے گا، جب تک تم میں ایسا شخص موجود رہے گا، جس نے مجھے دیکھا ہوگا۔''[4]

← حاصل تھی۔ تبوک میں بھی آپ ایک ساتھ ایک جم غفیر تھا جس کو کسی رجسٹر میں شمار کرنا ناممکن تھا۔
اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہونے والے تمام افراد کو بھی صحبتِ نبی کا شرف حاصل تھا۔ (ابن اثیر: أسد الغابة: ١/ ١٢)
امام ابو زرعہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ جب فوت ہوئے، تب تک جن لوگوں کو مردوں عورتوں سمیت آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کا موقع ملا تھا، ان کی تعداد ایک لاکھ افراد سے متجاوز ہے۔'' (تدریب الراوي: ٢/ ٢٢١، الإصابة، الذهبي، تجريد أسماء الصحابة ﷺ (ص: ب) قابلِ اعتبار قول یہ ہے کہ ''صحابہ کی کوئی متعین تعداد ثابت نہیں۔ دیکھیں: السخاوي: فتح المغيث (٣/ ١١١)

[1] ابن بابويه القمي: الخصال (ص: ٦٣٩۔ ٦٤٠) نیز دیکھیں: المجلسي: البحار (٢٢/ ٣٠٥)
[2] المجلسي: البحار (٢٢/ ٣٠٥۔ ٣٠٦)
[3] أمالي الصدوق (ص: ٢٤٠۔ ٢٤١) بحار الأنوار (٢٢/ ٣٠٥)
[4] المجلسي: البحار (٢٢/ ٣٠٩۔ ٣١٠) مجلسی نے اسے نوادر الراوندي (ص: ٢٣) کی طرف منسوب کیا ہے۔

شیعہ عالم ابن بابویہ قمی (مشہور صدوق) کی کتاب ''معاني الأخبار'' میں ہے:

''جعفر بن محمد اپنے اجداد سے بیان کرتا ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو تم کتاب اللہ میں پاؤ، تو اس پر عمل کرنا، تمھارے لیے ضروری ہے اور اس کو ترک کرنے کا تمھارے پاس کوئی عذر نہیں۔ جو کتاب اللہ میں تو نہ ہو، لیکن اس میں میری سنت ہو، تو میری سنت ترک کرنے کے لیے بھی تمھارے پاس کوئی عذر نہیں۔ جس مسئلے میں میری سنت بھی موجود نہ ہو تو اس میں جو میرے صحابہ نے کہا: تم بھی اسے ہی اختیار کرو۔ میرے اصحاب تم میں ستاروں کی مانند ہیں، جس کسی کی بھی اقتدا کی گئی، راہِ ہدایت مل گئی۔

''میرے صحابہ کے جس قول کو بھی تم اختیار کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے (اس کے بعد فرقے بازی کے داعیوں نے اس عبارت میں یہ اضافہ کر لیا) کہا گیا: کیا اے اللہ کے رسول! آپ کے اصحاب کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے اہلِ بیت۔''[1]

بلاشبہ صحابہ کی اہلِ بیت کے ساتھ تفسیر کرنا بہت زیادہ بعید از حقیقت ہے، شیعہ صدوق نے اس بُعد اور دوری کو محسوس کیا، لہٰذا گذشتہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے کہا:

''یقیناً اہلِ بیت اختلاف نہیں کرتے، لیکن وہ شیعہ کو کڑوے حق کا فتویٰ دیتے ہیں، بعض اوقات وہ ان کو تقیے کا فتویٰ بھی دیتے ہیں، چناں چہ ان کے جس قول میں اختلاف ہو تو وہ تقیے کی وجہ سے ہوگا اور تقیہ شیعہ کے لیے رحمت ہے۔''[2]

وہ یہاں اس عبارت کو، جو صحابہ کی تعریف میں ہے، تقیے پر محمول کرتا ہے، جب کہ عقل و منطق اس تاویل پر حَرفِ اعتراض بلند کرتے ہیں۔ صحابہ کی تعریف، جس کی خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مدح سرائی کی ہو اور تاریخ نے ان کی فضیلت اور جہاد کی گواہی دی ہو، تقیہ کیوں کر ہو سکتی ہے، جب کہ ان کو گالی دینا حقیقت پر محمول ہو اور وہ ائمہ کا مذہب بھی ہو؟

شیعہ کے پاس حقیقت میں اس کی بہ جز اس کے کوئی دلیل نہیں کہ یہ مذہب دشمنانِ امت کی منطق کے عین مطابق ہے۔ پھر یہ سابقہ عبارت جس کو جعفر صادق رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، یا تو رسول اللہ ﷺ بھی تقیہ کرتے ہوئے امت پر جھوٹ بولتے ہیں، یا پھر جعفر تقیے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتے

[1] ابن بابويه: معاني الأخبار (١٥٦۔ ١٥٧) المجلسي: البحار (٢٢/ ٣٠٧)

[2] المصدر السابق.

ہیں؟ دونوں باتیں ہی رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت پر طعن ہیں اور نصوص و روایات کے صراحتاً مخالف ہیں۔

''نهج البلاغة'' میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ، ابوبکر یا عمر، اس میں شیعہ کے اختلاف کے مطابق، کے بارے میں کہتے ہیں:[1]

''فلاں نے اللہ کی راہ میں بہت کچھ پیش کیا، اس نے ٹیڑھے پن کو درست کر دیا، بیماری کا علاج کیا، سنت قائم کی، فتنے کو اپنے پیچھے چھوڑا (یعنی اس سے محفوظ رہا) اس عالم میں گیا کہ اس کا دامن پاک تھا، اس میں عیب نہ ہونے کے برابر تھے، اس کی خیر کو حاصل کیا، اس کے شر سے پہلے ہی چلا گیا، اللہ کی اطاعت کا حق ادا کیا اور اس سے اس طرح تقویٰ اختیار کیا، جس طرح اس کا حق تھا۔''[2]

یہ ایک عظیم الشان اقتباس اور روایت ہے، جو ان عداوت و کشمکش کے تمام قلعوں کو مسمار کر دیتی ہے، جو انھوں نے شیخین اور حضرت علی کے درمیان تعمیر کیے تھے۔ روافض کو اس جیسی روایت نے حیرت میں ڈال رکھا ہے، کیوں کہ یہ ''نهج البلاغة'' میں ہے اور ''نهج البلاغة'' ان کے نزدیک قطعی الثبوت ہے۔

شیعہ کے عالم میثم البحرانی نے ان الفاظ میں اس کی تصویر کشی کی ہے:

''جان لو! یہاں شیعہ نے ایک سوال اٹھایا ہے کہ یہ تعریفات جن کو اس نے دو آدمیوں میں سے ایک کے حق میں ذکر کیا ہے، ان کو غلط قرار دینے اور ان دونوں کے منصبِ خلافت غصب کرنے کے بارے میں اجماع کے منافی ہیں، یا تو یہ حضرت علی کا کلام نہیں یا پھر ہمارا اجماع غلط ہے۔''

اس کے بعد انھوں نے اس کلام کو تقیے پر محمول کیا ہے اور اس کی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ انھوں نے اس جیسی تعریف ''ان کی دوستی پانے کے لیے کہی تھی، جو شیخین کی خلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے'' یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۔ان کے خیال کے مطابق۔ صحابہ کو دھوکا دینا چاہا اور ان کے سامنے اس بات کے خلاف اظہار کیا، جس کو دل میں چھپائے ہوئے تھے، جب کہ انھوں نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، جو جھوٹ پر مبنی ہے۔ یہ اس شخص کا جواب ہے، جو حضرت علی کا شیعہ اور محبّ ہونے کا دعویدار ہے!![3]

میرا نہیں خیال کہ کوئی بھی صاحبِ خرد اس جواب پر مطمئن ہو سکے گا۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ شیعہ کا اجماع

---

[1] دیکھیں: ميثم البحراني: شرح البلاغة (٤/ ٩٧)

[2] نهج البلاغة (ص: ٣٥٠) تحقيق صبحي الصالح.

[3] ميثم البحراني: شرح نهج البلاغة (٤/ ٩٨)

گمراہی ہے اور حضرت علی کا قول حق اور سچ ہے، ان کو صحیح بات کے اظہار میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں تھا۔ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کی کتابوں سے نقل کردہ یہ اقتباسات شیعہ کی صحابہ کرام کی تکفیر کے نقیض اور الٹ ہیں، جس کا پہلے ذکر ہوا ہے۔

اس کا جواب اثبات میں ہے، کیوں کہ یہ مذہب اپنی روایات میں یہی متناقض صورت پیش کرتا ہے، لیکن ان کے علما اور شیوخ نے ایسے اصول وضوابط وضع کیے ہیں، جن کو انھوں نے ان روایات سے گلو خلاصی پانے اور اس تناقض سے نکلنے کے لیے ائمہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ شیعہ کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ یہ تناقض مذہب کی حقیقت چھپانے کے لیے مطلوب ومقصود ہے، تاکہ عامہ یعنی اہلِ سنت، شیعہ اور شیعہ مذہب کا کام ہی تمام نہ کر دیں۔[1]

شیعہ کا کہنا ہے کہ اختلاف کے وقت: ''اس کو اختیار کرو، جو عامہ کے خلاف ہو، کیوں کہ اسی میں رشد و ہدایت ہے۔''[2] اس لیے ان کے علما ان جیسی عبارات کو تقیے پر محمول کرتے ہیں۔ مزید برآں یہ روایات ان اخبار و روایات کی نسبت بہت زیادہ تھوڑی ہیں، جو لعنت وتکفیر پر مشتمل ہیں، لہٰذا وہ ان کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔

شیعہ کا عالم مفید کہتا ہے:

> ''جو بات تقیہ کرتے ہوئے صادر ہوئی ہو، اس کی ائمہ سے روایت زیادہ نہیں، جس طرح معمول بہ روایات کی کثرت ہے۔''[3]

اسی لیے آپ ابن بابویہ اور میثم کی تعلیق میں ملاحظہ کرتے ہیں کہ اس لیے یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ روایت جس میں صحابہ کی مدح ذکر ہوئی ہے، وہ بر سبیلِ تقیہ ذکر ہوئی ہے۔ اگر بات یہی ہے تو میں نے یہ اور اس جیسی روایات، عقلا کے سامنے اس مذہب کا تناقض ثابت کرنے کے لیے اور پیروانِ شیعہ مذہب میں سے حق کی تلاش کرنے والے افراد کو یہ سمجھانے کے لیے ذکر کی ہیں کہ یہ روایات حقیقت پر مبنی ہیں، بر سبیل تقیہ نہیں، کیوں کہ یہ کتاب اللہ اور اجماعِ امت کے ساتھ اتفاق رکھتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ تقیے کے عقیدے نے مذہب کو علما کے ہاتھوں کھلونا بنا کر رکھ دیا ہے، وہ جس طرح چاہتے ہیں، اس کو اسی طرف موڑ لیتے ہیں۔ اب شیعہ مذہب اہلِ بیت کا مذہب نہیں رہا، بلکہ یہ کلینی، قمی، مجلسی اور ان کے ہم نواؤں کا مذہب بن چکا ہے۔

---

[1] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٦٥)

[2] دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٤٤٦)

[3] تصحیح الاعتقاد (ص: ٧١)

عقل، تاریخ، تواتر (تعامل) اور اجماع کی دلالت:

① یہ بات تواتر اور تسلسل کے ساتھ ہر عام و خاص کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک خاص اہمیت رکھتے تھے اور ان حضرات کو رسول اللہ ﷺ کے ہاں تمام صحابہ سے بڑھ کر خصوصیت، صحبت اور قرب حاصل تھا۔ آپ ﷺ نے ان تمام سے رشتہ مصاہرت قائم کیا۔ آپ ﷺ ان سے محبت کرتے اور ان کی تعریف کرتے، لہٰذا یا تو وہ آپ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ ﷺ کی موت کے بعد بھی ظاہری و باطنی استقامت پر ثابت قدم تھے یا پھر وہ آپ کی زندگی میں یا آپ کی موت کے بعد اس کے برعکس تھے۔ اگر وہ اس درجہ قرب کے باوجود استقامت پر نہیں تھے تو پھر دو باتوں میں سے ایک لازمی ہے کہ یا تو آپ ﷺ کو ان کے حالات کی خبر نہیں تھی یا آپ ﷺ مداہنت اور تغافل کا مظاہرہ کرتے رہے اور ان دونوں نتیجوں میں سے جو نتیجہ بھی اختیار کیا جائے، وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر سب سے بڑا حملہ اور آپ ﷺ پر طعنہ زنی متصور ہوگی۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِيْ فَتِلْكَ مُصِيبَةٌ
وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِيْ فَالْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

''اگر تم نہیں جانتے تو یہ ایک مصیبت ہے، لیکن اگر تم جانتے ہو، تو پھر زیادہ بڑی مصیبت ہے۔''

اگر وہ استقامت کے بعد منحرف ہوگئے تھے، تو یہ خود اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کو امت کے خواص اور آپ کے اکابر صحابہ کے ہاتھوں رسوا کرنا ہے، جن کے ساتھ اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے گا، چناں چہ یہ محال ہے کہ آپ ﷺ کے خواص میں سے بھی اکابر مرتد ہوجائیں؟!

یہ اور اس طرح کی باتیں کر کے حقیقت میں رافضہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں، تاکہ کوئی دریدہ دہن یہ بھی کہہ دے کہ وہ ۔نعوذ باللہ۔ ایک برا آدمی تھا، جس کے ساتھی بھی برے تھے، اگر وہ نیک ہوتا تو اس کے ساتھی بھی نیک ہی ہوتے!

اسی لیے اہلِ علم کہتے ہیں: ''رافضہ زندیقیت کی دسیسہ کاری ہے۔''[1]

② مرتد اس وقت دین سے پھرتا ہے، جب اس کے دل میں کوئی اعتراض یا شبہہ پیدا ہو یا وہ شہوت پرست ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے آغاز میں شکوک و شبہات اور شہوات طاقت ور تھیں، کیوں کہ اس

[1] منهاج السنة (٤/ ١٢٣)

وقت اسلام کمزور تھا، مسلمان تھوڑے تھے، کفار عام زمین پر قابض و مسلط تھے، مسلمانوں کو مکہ میں اذیتوں کا شکار بنایا جاتا، ان کے عزیز و اقارب اور مشرکین ان کو ایسی ایسی اذیتیں دیتے تھے کہ الامان و الحفیظ، لیکن وہ ان تکلیفوں پر صبر کرتے اور آزمایش کے کڑوے گھونٹ پی کر رہ جاتے۔

انھوں نے اس وقت رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑا، جب آپ اکیلے، محتاج، ڈرے ہوئے اور مجبور و مغلوب تھے۔ تمام اہلِ زمین آپ کے خلاف دشمنی میں ایک ہاتھ ہو چکے تھے، انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی خاطر اپنے گھر، اپنے وطن اور اپنی معاشرتی عزت و شرف اور ساکھ سب کچھ تج کر دیا۔

انھوں نے یہ سب کچھ اپنی مرضی اور اختیار سے کیا، لہٰذا جن کا ایمان اسلام کے ضعف اور کمزوری کی حالت میں پہاڑوں کی طرح مضبوط ہو، وہ اس کے ظہور اور انتشار کے بعد کس طرح کمزور ہو سکتا ہے۔[1] بالخصوص ان کے ارتداد کا جو سبب بیان کیا جاتا ہے، وہ ان کا حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کی بیعت کرنا ہے!!

اس میں کوئی ایسی چیز نہیں، جس نے ان کو اپنے ایمان کی قربانی دینے، سبقتِ اسلام اور جہاد سے ہاتھ دھونے اور محض ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خاطر آخرت بیچ دینے پر مجبور کیا ہو۔ اگر ان کو علم ہوتا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اللہ کے ساتھ کفر اور دین سے مرتد ہونے کے مترادف ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کی بیعت کرنے کے لیے وصیت کی ہوئی ہے اور ان کو علم ہوتا کہ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور دین پر استقامت کا موجب ہے تو وہ ایسا کیوں نہ کرتے؟

کیا کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ مہاجرین و انصار اللہ کے ساتھ کفر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فرماں برداری کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو نظر انداز کر دیتے، جو اپنے گھروں سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور فضل چاہنے کی خاطر بے دخل کر دیے گئے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور وہی سچے ہیں۔

◈ ۳ رافضہ کے تکفیرِ صحابہ کے مذہب سے حضرت علی کی تکفیر بھی لازم آتی ہے، کیوں کہ وہ اللہ کا اَمر قائم کرنے سے دست کش ہو گئے تھے، نیز اس سے شریعت کے تواتر و تسلسل کا انکار بلکہ باطل ہونا بھی لازم آتا ہے، کیوں کہ اس کو نقل کرنے والے مرتد تھے۔ مزید برآں یہ قرآن میں بھی تنقید کا باعث ہے، کیوں کہ یہ ہمارے پاس ابوبکر، عمر، عثمان اور ان کے بھائیوں کے ذریعے پہنچا ہے اور یہی اس نظریے کے خالق کا ہدف اور مقصد ہے، اسی لیے امام ابو زرعہ نے فرمایا ہے:

---

[1] منهاج السنة (٤/ ١٢٨)

''جب آپ کسی آدمی کو کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرتا دیکھیں تو سمجھ لیجیے وہ زندیق ہے، کیوں کہ رسول بھی حق ہے اور قرآن بھی حق اور یہ قرآن و سنت ہم تک اصحابِ رسول ﷺ نے پہنچائے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے گواہوں کو مجروح و مطعون قرار دینا چاہتے ہیں، تا کہ کتاب و سنت کو باطل کر سکیں، جب کہ جرح و تنقید کے یہی لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں، کیوں کہ یہ زنادقہ ہیں۔''[1]

اسی بنا پر شیعہ کی کتابیں بھی یہ اعتراف کرتی ہیں کہ یہ نظریہ ابن سبا نے پیدا کیا اور ''وہ پہلا شخص تھا، جس نے ابوبکر، عمر، عثمان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح و تنقید کا اظہار کیا، ان سے براءت کا اعلان کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ خود حضرت علی نے اس کو اس شے کا حکم دیا تھا۔''[2]

۴ حضرت علی کے ساتھ جن لوگوں نے لڑائی کی، آپ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کسی کو بھی کافر قرار نہیں دیا، خوارج کو بھی نہیں، نہ کسی کی اولاد کو جنگی قیدی بنایا نہ کسی کا مال بہ طورِ غنیمت لوٹا اور نہ کسی کو مرتد قرار دیا، جس طرح حضرت ابوبکر نے اور تمام صحابہ کرام نے بنی حنیفہ اور ان جیسے دیگر مرتدین پر ارتداد کا حکم لگایا تھا۔ بلکہ وہ طلحہ و زبیر اور دیگر اپنے خلاف لڑنے والوں پر رضا مندی کا اظہار کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ اور اصحابِ معاویہ کے ساتھ مسلمانوں کی طرح ہی پیش آیا کرتے تھے۔ بلکہ صحیح سند کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ جنگِ جمل کے دن ان کا ہرکارہ اعلان کر رہا تھا:

''کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی زخمی کی گردن نہ ماری جائے اور نہ غنیمت میں مال ہی لوٹا جائے...۔''[3]

آثار و روایات مشہور ہیں کہ وہ حضرت معاویہ کے لشکر میں قتل ہونے والوں کے بارے میں کہا کرتے تھے:

''وہ تمام مسلمان ہیں، نہ کفار ہیں نہ منافقین۔''[4]

یہ حقائق خود شیعہ مراجع سے بھی ثابت ہیں۔ شیعہ کی معتبر کتابوں میں یہ روایت مذکور ہے:

''جعفر اپنے والد سے ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علی ان لوگوں کو شرک اور منافقت کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے، جنھوں نے ان کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا، لیکن وہ کہا کرتے تھے کہ انھوں نے

---

[1] الكفاية: (ص: ٤٩)

[2] القمي: المقالات والفرق (ص: ٢٠) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ١٩۔ ٢٠)

[3] خوارج نے ان کا یہ فعل ناپسند کیا، حتی کہ ابن عباس نے ان کے ساتھ اس مسئلے میں مناظرہ کیا۔ (منهاج السنة: ٤/ ١٨١)

[4] منهاج السنة (٤/ ١٨١)

ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔''[1]

لیکن ان کا عقیدہ تقیہ ان کے دین کو علما کا دین قرار دیتا ہے، ائمہ کا دین نہیں۔ حر عاملی سابقہ روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''میں کہتا ہوں: یہ تقیے پر محمول ہے۔''[2]

اہلِ امصار کے نام حضرت علی کے خط میں ان کے اور اہلِ صفین کے مابین ہونے والے معاملے کا ذکر ہوا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں:

''شروع میں ہمارا شام کے کچھ لوگوں کے ساتھ آمنا سامنا ہوا۔ ظاہری بات یہ ہے کہ ہمارا رب ایک ہے اور ہماری اسلام کی دعوت بھی ایک ہی ہے، نہ ہم ان سے اللہ پر ایمان اور رسول کی تصدیق میں مزید اضافے کے خواہاں ہیں، نہ یہ ان کا ہم سے مطالبہ ہے۔ معاملہ ایک ہی ہے۔ اختلاف صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بارے میں ہے اور ہم اس سے بَری ہیں۔''[3]

انھوں نے ان لوگوں کے فعل کو ناپسند کیا ہے، جو حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو گالیاں دیتے تھے۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

''میں یہ تمھارے لیے ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں دینے والے ہو جاؤ، لیکن اگر ان کے اعمال بیان کرو اور ان کے احوال ذکر کرو تو یہ زیادہ درست کلام اور ان کی عذر خواہی کے لیے زیادہ بہتر ہے، تمھیں ان کو گالیاں دینے کے بجائے یہ کہنا چاہیے تھا: اے اللہ! ان کے اور ہمارے درمیان خون ریزی کو بند کر دے اور ہمارے اور ان کے درمیان صلح کر دے۔''[4]

یہ سب وشتم ان کی صحیح ترین کتاب کے اعتراف کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت اور رویہ نہیں تھا۔

5. سلمان اور عمار کی طرح کے وہ لوگ جن کو شیعہ ارتداد کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، ان کو صرف اس وجہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ یہ لوگ بھی حضرت ابوبکر وعمر کی تکفیر اور ان کی بیعت کا انکار کر کے مذہبِ رفض وانکار کے پیروکار تھے۔ یہ بات روافض کی تلبیس کاریوں اور حقیقت کی پردہ پوشی کرنے والی کارستانیوں میں سے ایک ہے، کیوں کہ ان میں سے کسی ایک ایسے شخص کا بھی ذکر نہیں

---

[1] قرب الإسناد (ص: ٦٢) وسائل الشيعة (١١/ ٦٢)

[2] وسائل الشيعة (١١/ ٦٢)

[3] نهج البلاغة (ص: ٤٤٨)

[4] المصدر السابق (ص: ٢٣٢)

ملتا ہے، جس نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے ان کی خلافت کے بارے میں کوئی جھگڑا کیا ہو۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدائن کے گورنر مقرر تھے، جو ان کی امامت اور اطاعت کے داعی تھے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر مقرر تھے اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کے لشکروں اور غزوات میں شامل تھے، لہٰذا رافضہ کی یہ تلبیس کاری کس طرح چل سکتی ہے؟[1]

۲ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کے متعلق تاریخی واقعات قطعیت اور تواتر کے ساتھ معروف و مشہور ہیں کہ ان پر مصائب و آلام کے اتنے شدید پہاڑے ٹوٹے کہ یہ مصائب بھی عاجز آ گئے، لیکن انھوں نے اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کو ترجیح نہ دی۔ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اپنے نبی کی تائید و نصرت کی اور ان کے ذریعے اپنا دین غالب کیا۔ چناں چہ ان پر وہ شخص طعن و تشنیع اور تبرا بازی کی کس طرح جسارت کر سکتا ہے، جس نے اپنی ساری زندگی کی گھڑیوں میں ایک ایک گھڑی بھی اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانا! یا کوئی شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو، ان کو گالی گلوچ کرنے کی کس طرح جرأت رکھ سکتا ہے؟![2]

اسی لیے حافظ خطیب بغدادی نے کہا ہے:

''اگر ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ بھی ذکر کیا ہوتا، تب بھی ان کے جو حالات ہم نے ذکر کیے ہیں کہ انھوں نے دین کے لیے ہجرت کی، جہاد و نصرت کے کام کیے، اموال اور جانیں قربان کیں، اپنے آبا و اولاد کو قتل کیا اور کروایا، دین کے لیے خیر خواہی اور نصیحت کی اور ان کی جو قوت ایمانی تھی، صرف یہی چیزیں ان کی عدالت اور پاکدامنی کا قطعی یقین دلانے کے لیے کافی ہیں۔''[3]

جو شخص سیرت نبوی کے حالات اور واقعات کا مطالعہ کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو جس ظلم و ستم اور جن اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، حتی کہ تمام عرب ہی آپ کے اور آپ کے صحابہ کے خلاف یکمشت ہوگئے، انھوں نے مکہ کی سنگریلی زمین پر قریش کا ظلم برداشت کیا، شعب ابی طالب میں بائیکاٹ اور حصار کی سختیوں کا عذاب چکھا، وطن، اہل و عیال اور خاندان کی فرقت برداشت کرنا پڑی، کبھی حبشہ ہجرت کی تو دوسری مرتبہ مدینے کی طرف رختِ سفر باندھا، جہاد اور قربانیوں کی مشقتیں جھیلیں حتی کہ اہل و عیال اور خاندان سے بھی لڑائیاں مول لیں، جو شخص ان حالات پر تھوڑا سا بھی غور و فکر کرتا ہے، وہ اس نسل کی عظمت، قوت، ایمان اور

[1] أبو المحاسن الواسطي: المناظر (الورقة: ٦٦) نیز دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۸۶)

[2] التنبيه والرد (ص: ١٠۔ ١١)

[3] الكفاية (ص: ٤٩) نیز دیکھیں: الإيجي: المواقف (ص: ٤١٣)

پامردگی کا قائل ہو جاتا ہے۔

⑦ امیر المومنین حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی عملی اور حقیقی زندگی سے ایسے قرائن وشواہد اور دلائل موجود ہیں، جو ان کے اپنے بھائیوں حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان کے ساتھ تعلقات پر شاہد ہیں اور وہ اتنے معروف ومشہور ہیں کہ روافض نے بھی انھیں نقل کیا ہے، جو صحابہ کرام کے ان منتخب افراد اور اس چنیدہ ہر اول دستے کے مابین سچی محبت اور گہرے بھائی چارے کو ثابت کرتے ہیں۔

ان دلائل اور قرائن میں سرفہرست امیر المومنین حضرت علی کا اپنی بیٹی ام کلثوم کو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں دینا ہے۔[1] اگر اس امت کے عمر فاروق رضی اللہ عنہ اثنا عشریہ کے نزدیک ابلیس سے بھی بڑے کافر ہیں تو کیا یہ اپنی عقلوں کو بروے کار نہیں لاتے اور بالکل تدبر نہیں کرتے کہ ان کا یہ مذہب کس فساد پر منتج ہوتا ہے؟

اگر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کافر ہوتے تو حضرت علی اپنی بڑی بیٹی ام کلثوم کا حضرت عمر سے نکاح کر کے کافر فاسق یا اپنی بیٹی کو (نعوذ باللہ) زنا کے لیے پیش کرنے والے نہ ہو جاتے، کیوں کہ کافر کا مسلمان عورت کے ساتھ ہم بستری کرنا خالص زنا ہے۔[2]

ایک صاحبِ عقل، انصاف پسند، بے غرض اور سچا شیعہ اس حقیقت کو قبول کیے بغیر اور کوئی چارہ نہیں رکھتا، یعنی خلفاے اربعہ کے مابین محبت اور مودت کی حقیقت، اس لیے جب معز الدولہ احمد بن بویہ سے، یہ رافضی تھا اور صحابہ کو دشنام طرازی کیا کرتا تھا، کہا گیا کہ حضرت علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم حضرت عمر سے شادی کی تھی، تو اس نے اس کو بہت گراں سمجھا اور کہا:

''مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ پھر اس نے اپنا اکثر مال صدقہ کر دیا، اپنے غلام آزاد کر دیے، بہت سارے جو حق دبائے تھے، واپس کر دیے اور رونا شروع کر دیا، حتی کہ اس پر غشی طاری ہوگئی۔''[3]

کیوں کہ اس کو اس جرم کی سنگینی کا احساس ہوگیا تھا، جو وہ ساری زندگی کرتا رہا اور روافض کے شبہات اور اعتراضات سے دھوکا کھا کر ان پاک باز شخصیات کی عزتوں کو نوچتا رہا۔ شیعہ کے علما نے اس دلیل کے اثر کو زائل کرنے کی پوری کوشش کی ہے، چناں چہ انھوں نے ائمہ کی طرف سے ایسی روایات گھڑ لی ہیں، جو کہتی ہیں:

''یہ وہ شرم گاہ ہے، جو ہم سے چھین لی گئی تھی۔''[4]

---

[1] دیکھیں: عقد أم كلثوم للشيخ فاروقي، محمد صديق: التحقيق الجلي في تزوج أم كلثوم بنت علي.

[2] السمعاني: الأنساب (١/ ٣٤٧)

[3] ابن الجوزي: المنتظم (٧/ ٣٨ـ ٣٩)

[4] فروع الكافي (٢/ ١٠) وسائل الشيعة (٧/ ٤٣٤ـ ٤٣٥)

یہ بات کہہ کر انھوں نے جلتی پر مزید تیل کا کام کیا ہے اور امیر المومنین کو (نعوذ باللہ) ایک ایسے دیوث (بے غیرت) کی شکل میں پیش کیا ہے، جو اپنی عزت کی بھی حفاظت نہیں کر سکا اور اپنے گھر میں بدکاری کو برداشت کرتا رہا ہے۔ کیا اس جیسی بات امیر المومنین حضرت علی کے بارے میں سوچی بھی جا سکتی ہے؟! ایک حقیر ترین عرب بھی اپنی عزت وحرمت کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے، تو ہاشم تو ایک طرف رہے، جو مساواتِ عرب، بلند و بالا حسب ونسب کے حامل اور حمیت و مروت کی چوٹیوں پر فائز تھے۔ وہ کس طرح امیر المومنین کے لیے اس جیسا قبیح عیب برداشت کر سکتے تھے اور امیر المومنین کون تھے؟ بہادر و شجاع، شریف عرب شیر بنی غالب اور مشرق و مغرب میں اللہ تعالیٰ کے شیر۔"[1]

ایسے لگتا ہے کہ بعض شیعہ علما کو یہ توجیہ پسند نہیں آئی، چناں چہ اس نے ایک عجیب وغریب منطق پیش کر کے اس سے چھٹکارا پانا چاہا۔ وہ کہتا ہے:

"ام کلثوم حضرت علی کی بیٹی نہیں تھی، بلکہ وہ ایک جن زادی تھی، جس نے ام کلثوم کی شکل اختیار کر لی تھی۔"[2]

ان کے درمیان قرابت داری اور گہرے تعلقات قائم تھے اور محبت کے مظاہر بھی نظر آتے تھے۔ یہ بھی ان قرائن اور شواہد میں داخل ہیں۔ یہی نہیں بلکہ حضرت علی اور حسن وحسین نے اپنے بعض بچوں کے نام ابوبکر اور عمر کے نام پر رکھے تھے۔ کیا کوئی شخص اپنی اولاد کے نام اپنے سب سے بڑے دشمن کے نام پر رکھنے کا متحمل ہو سکتا ہے، جس کے ساتھ کفر اور ناپسندیدگی کا رشتہ ہو؟

کیا کوئی شخص اپنے گھر کے کونے کونے میں اپنے دشمنوں کے نام سننے کا حوصلہ رکھ سکتا ہے، جن کو وہ دن بھر اپنے اہل کے ساتھ بار بار دہراتا ہو؟[3]

---

(1) السويدي: مؤتمر النجف (ص: ٨٦)

(2) دیکھیں: الأنوار النعمانية (١/ ٨٣۔ ٨٤) اسماعیلیہ کی کتب میں بھی اسی طرح کی توجیہ مذکور ہے۔ دیکھیں: الهفت الشريف (ص: ٨٤ وما بعدها)

(3) آلِ بیت اور اصحابِ رسول ﷺ کے درمیان مصاہرانہ تعلقات اور آلِ بیت کے ان بچوں کے متعلق جاننے کے لیے جن کے نام خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کے نام پر تھے، محبّ الدین خطیب کی کتاب: "حملة رسالة الإسلام الأولون وما كانوا عليه من المحبة والتعاون (ص: ١١ وما بعدها) نیز ملاحظہ کیجیے: نشأة التشيع وتطوره (ص: ١٢ وما بعدها) نیز دیکھیں: احسان إلٰهى ظهير: الشيعة والسنة. یہاں یہ سب کچھ تکرار کے ساتھ نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسری فصل

عصمتِ امام

مسئلہ عصمتِ امام شیعہ کے ہاں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔[1] یہ ان کے اعتقادی ڈھانچے کی اساسیت میں شامل ہے۔[2]

عصمت کا لغوی معنی:

عصمت عربی زبان میں منع کے معنی میں ہے۔ کہتے ہیں: "عصمة الله عبده" (اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو اس سے بچانا جو اس کو ہلاک کر سکتا ہو)۔ "اعتصم فلان بالله" (اللہ کی پناہ میں آنا)[3]

شیعہ کے نزدیک عصمت کا معنی شیعیت کے اطوار اور ارتقا کے حسبِ حال مختلف ہو جاتا ہے، لیکن ظاہر یوں ہوتا ہے کہ ائمہ کی عصمت کے متعلق شیعہ کا مذہب اس موقف پر آ کر ٹھہر گیا ہے، جس کو اپنے زمانے کے شیعہ عالم، مولف "بحار الأنوار" ملا باقر مجلسی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) نے اپنے اس قول میں مقرر کیا ہے:

"جان لو! امامیہ کا اتفاق ہے کہ ائمہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں، ان سے اصلاً گناہ کا صدور ممکن ہی نہیں، عمداً، نسیاناً یا تاویل و تفسیر میں غلطی یا ان کو اللہ تعالیٰ کا بھلا دینا تو ایک طرف رہا۔"[4]

مجلسی اپنے ائمہ پر عصمت کی، عصمت میں تصور کیے جانے والے تمام وجوہ کے اعتبار سے، چادر پوشی کر رہا ہے۔ چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے معصوم ہونا، خطا سے معصوم ہونا اور سہو و نسیان سے معصوم ہونا، یہ تمام معانی عصمتِ ائمہ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

عصمت کی یہ صورت گری جو مجلسی نے کی ہے اور اس پر شیعہ کے اتفاق کا اعلان کیا ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ

---

[1] عبدالله فياض: تاريخ الإمامية (ص: ۱۵۷)
[2] باقر شريف القرشي: حياة الإمام موسىٰ بن جعفر (۱/ ۱۱۱)
[3] تهذيب اللغة (مادة: عصم)
[4] بحار الأنوار (۲۵/ ۲۱۱) نیز دیکھیں: مرآة العقول (٤/ ۳۵۲)

کے انبیا اور رسولوں کو بھی حاصل نہیں ہوئی، جس طرح اس پر قرآن کے صریح الفاظ، سنتِ رسول اور اجماعِ امت دلالت کرتے ہیں۔[1]

یہ قول حقیقت میں اسلامی اصول کے سامنے نامانوس ہے، بلکہ ائمہ سے مطلقاً سہو ونسیان کی نفی کرنا، ان کو اس ذاتِ عالی مرتبت کے ساتھ تشبیہ دینے کے مرادف ہے، جس کو نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ اسی لیے شیعہ کے آٹھویں امام رضا سے، جس کی عصمت کے وہ دعوے دار ہیں، کہا گیا:

''کوفہ میں ایک قوم کا یہ دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز میں سہو واقع نہیں ہوا، تو انھوں نے کہا: اللہ ان پر لعنت کرے، انھوں نے جھوٹ بولا ہے۔ جو بھولتا نہیں وہ صرف وہ ذات ہے، جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔''[2]

یہ عبارت اگر صحیح ہے تو ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ سہو کی نفی، جو متاخر اثنا عشریہ کے نزدیک عصمت کے مفہوم کی اساسیات میں داخل ہو چکی ہے، رضا کے زمانے میں، شیعہ کی طرف منسوب ایک جماعت کا عقیدہ تھا، جن کا نام قلت کی وجہ سے یا ان کو حقیر جانتے ہوئے اور ان کے قول کی شناعت اور نامعقولیت کی بنا پر ذکر نہیں ہوا۔ وہ اس عقیدے کے لیے افضل الخلق حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ کو مخصوص کرتے تھے اور اس غلو آمیز رجحان کا خود شیعہ کے امام کی طرف سے لعن طعن، تکذیب اور تکفیر کی صورت میں جواب دیا گیا، کیوں کہ اس قول میں رسول اللہ ﷺ کو اس ذات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، جس کو نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ اب رضا ان کے بارے میں کیا کہیں گے جو اس وصف کا ان پر اور ان کے ساتھ دیگر ان کے اجداد اور ان کی اولاد پر اطلاق کرتے ہیں؟ رضا ان کا زیادہ شدت کے ساتھ اور سخت الفاظ میں انکار و مذمت کرتے۔

اس اقتباس سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ رجحان اور نقطۂ نظر رضا کے زمانے کے بعد عام ہوا۔ یہ امر ہمارے لیے اس عقیدے کے آغاز وارتقا کے ابتدائی عناصر کی تحقیق کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔

عقیدۂ عصمت کا آغاز:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ تحقیق پیش کرتے ہیں کہ ''عصمت کا اعتقاد ابن سبا کی آرا میں سے تھا۔''[3] لیکن میری تحقیقات کے مطابق ''عصمت'' کا لفظ ابن سبا سے منقول نہیں۔ بلاشبہہ ابن سبا سے ایسی آرا

---

[1] دیکھیں: فکرة التقریب (ص: ٢٩٩ حاشیه)

[2] بحار الأنوار (٢٥/ ٣٥٠) نیز دیکھیں: ابن بابویه: عیون أخبار الرضا (ص: ٣٢٦)

[3] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (٤/ ٥١٨) منهاج السنة (٤/ ٦٠)

منقول ہیں، جو عصمت یا اس سے بھی کسی خطرناک قول کا موجب ہو سکتی ہیں، بلکہ اس سے امیر المومنین کی الوہیت کا قول بھی منقول ہے۔[1]

لیکن ابن سبا نے امامی نظریے کے مطابق عصمت کا موقف پیش نہیں کیا، اس کی آرا اکثریت کے ساتھ امیر المومنین حضرت علی کے ساتھ خاص ہیں، بلکہ وہ شیعہ میں سے پہلا شخص ہے، جس نے توقف یعنی امام علی کے ظہور اور واپس آنے کے انتظار کا نظریہ پیش کیا۔[2]

قاضی عبدالجبار کی رائے ہے:

''امام کا عصمت کا اس حیثیت سے عقیدہ کہ کسی بھی حالت میں اس کے لیے غلطی کرنا یا ٹھوکر کھانا جائز نہیں اور نہ وہ سہو اور غفلت کا شکار ہو سکتا ہے، یہ صحابہ و تابعین کے زمانے میں ہشام بن حکم کے عصر تک غیر معروف تھا۔ نے یہ قول ایجاد کیا تھا۔''[3]

اس زمانی دورانیے کی تحدید و تعیین میں اس کے ساتھ محبّ الدین خطیب بھی متفق ہیں، جس میں عقیدۂ عصمت کا آغاز ہوا، لیکن وہ اس کو ہشام کے معاصرین میں سے ایک دوسرے شخص کی طرف منسوب کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے:

''ان کے لیے سب سے پہلے جس شخص نے یہ گمراہ اور خبیث عقیدہ ایجاد کیا، اس کو مسلمان شیطان الطاق کا نام دیتے ہیں اور شیعہ اس کو ''مومن آلِ محمد'' کہتے ہیں۔[4] اس کا نام محمد بن علی الاحول تھا۔''[5]

ڈونالڈسن نے یہ احتمال پیش کیا ہے:

''نظریہ عصمت شیعہ کے ہاں جعفر صادق کے زمانے سے شروع ہو چکا تھا۔''[6]

یہ بات بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ ہشام بن حکم اور شیطان الطاق جعفر صادق کے معاصر تھے، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ یہ عقیدہ شیعہ کے ہاں جعفر کے زمانے میں معروف ہو چکا ہو، لیکن یہ کئی ارتقائی مراحل سے گزرا، یہاں تک کہ اس صورت پر آ کر ٹھہر گیا، جو مجلسی نے پیش کی ہے۔

[1] دیکھیں: مقالات الإسلاميين (١/ ٨٦) التنبيه والرد (ص: ١٨) الفرق بين الفرق (ص: ٢١) الملل والنحل (١/ ١٧٤) نیز شیعہ کی کتب میں سے دیکھیں: رجال الكشي (ص: ١٠٦۔ ١٠٧) الرازي: الزينة (ص: ٣٠٥) تنقيح المقال (٢/ ١٨٣)

[2] القمي: المقالات والفرق (ص: ٢٠)

[3] تثبيت دلائل النبوة (٢/ ٥٢٨)

[4] في رجال الكشي (ص: ١٨٥) "مؤمن الطاق"

[5] مجلة الفتح (١٨/ ٢٧٧)

[6] دونلدسن: عقيدة الشيعة (ص: ٣٢٩) محمود صبحي: نظرية الإمامة (ص: ١٣٤)

عقیدہ عصمت کے اطوار و مراحل:

اگر ہم اس عقیدے کے اطوار و مراحل کے استقرا اور تتبع کے لیے ان شیعہ روایات کی طرف رجوع کریں، جن میں عصمت کا ذکر ہوا ہے تو درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

شیعہ کی کتابیں زین العابدین علی بن حسین کی طرف یہ قول منسوب کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا:

''معصوم وہ ہے جو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے اور اللہ کی رسی قرآن ہے۔''[1]

چاہے اس قول کی نسبت علی بن حسین کی طرف صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن یہ شیعہ کی تاریخ کے ابتدائی دور میں عصمت کے متعلق درست نقطۂ نظر پیش کرتا ہے، نیز اس کو اسلام کے اس خوبصورت مفہوم کے ساتھ مربوط کرتا ہے کہ قرآن کے ساتھ تمسک اور اعتصام ہی عصمت اور نجات ہے۔ یہ مفہوم مخصوص افراد تک ہی محدود نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا ﴾ [آل عمران: ١٠٣]

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔''

﴿ وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ [آل عمران: ١٠١]

''اور جو شخص اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لے تو یقیناً اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی گئی۔''

اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ہشام بن حکم جس کی طرف قاضی عبدالجبار نے عقیدہ عصمت کی اختراع منسوب کی ہے، اس سے حسین اشقر نامی ایک شیعہ شخص دریافت کرتا ہے کہ تمھارے اس قول کا کیا معنی ہے:

"إن الإمام لا یکون إلا معصوماً" (صرف معصوم ہی امام ہوتا ہے) اس نے کہا: میں نے ابو عبداللہ (جعفر صادق) سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: معصوم وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی تمام حدود و محرمات کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ [آل عمران: ١٠١][2]

ابن ابی عمیر نامی ایک دوسرا شیعہ کہتا ہے:

''میں نے ہشام بن حکم کے ساتھ اپنی طویل ترین صحبت میں عصمتِ امام کے بارے میں اس بات

---

[1] ابن بابویه: معاني الأخبار (ص: ١٣٢) بحار الأنوار (٢٥/ ١٩٤)

[2] معاني الأخبار (ص: ١٣٢) بحار الأنوار (٢٥/ ١٩٤۔ ١٩٥)

سے زیادہ کسی اچھی بات کا استفادہ نہیں کیا، جو اس نے کہی: امام گناہ نہیں کرتا، کیوں کہ گناہ کے دروازے سے حرص، حسد، غضب اور شہوت ہیں اور یہ تمام وجوہ امام میں ناپید ہیں۔''[1]

لیکن یہ مفہوم بھی ۔ ہر حال میں۔ عصمت کے بارے میں مجلسی کے غلو پر مشتمل نہیں، نہ اس پر وہ نتائج مرتب ہوتے ہیں، جو شیعہ کے عصمت کے اس آخری مفہوم پر مرتب ہوتے ہیں، جو انھوں نے تشکیل دیا ہے۔ یہ تو اس میں اضافہ کرتے ہوئے امام کے کلام کو وحی قرار دیتا ہے، جس میں کسی طرف سے باطل کی آمیزش نہیں اور اس سے سہو، غفلت اور نسیان جیسے انسانی عوارض کی نفی کرتا ہے، تاکہ وہ مخلوق کے طبقے سے نکل کر خالقِ بشریت کی صفات کی چادر اوڑھ لے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ امام پر گناہ سے معصوم رہنے کا حکم اور اس کا لازمی طور پر نیکی کرنا، یعنی وہ اللہ کی طرف سے اس کے لیے مجبور ہے، یہ تقدیر میں اثنا عشریہ کے مذہبِ حریت و اختیار اور بندے کا اپنے فعل کا خالق ہونا، اس کے بھی منافی ہے۔ نیز یہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ ان کا عصمت کے متعلق یہ مفہوم تقدیر کے متعلق ان کے مذہب سے پہلے کا ہے، جس کو انھوں نے تیسری صدی میں معتزلہ سے اخذ کیا تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ کا اعتزالی فکر و نظر سے متاثر ہونے کے بعد ان کے نزدیک عصمت کا مفہوم بھی بعض اعتزالی افکار کے رنگ میں رنگا جا چکا ہے، جیسے نظریہ لطف الٰہی، نظریہ انسانی اختیار۔ یہ ہم مفید (المتوفی ۴۱۳ھ) کی عصمت کی تعریف میں بھی ملاحظہ کرتے ہیں، وہ کہتا ہے:

''یہ لطف و کرم ہے، جو اللہ تعالیٰ مکلّف پر کرتے ہیں اور اس سے معصیت کے وقوع اور قدرت کے باوجود ترکِ اطاعت کو روک دیتے ہیں۔''[2]

لہٰذا عصمت کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ امام کو ترکِ معصیت پر مجبور کرتے ہیں، بلکہ اس پر مہربانیاں کرتے ہیں، جن کے ہوتے ہوئے وہ اپنے اختیار کے ساتھ معصیت ترک کر دیتا ہے۔ یہاں آپ واضح طور پر عصمت کا مفہوم متعین کرنے کے لیے معتزلہ کی اصطلاحات سے استمداد ملاحظہ کر رہے ہیں۔

مسئلہ عصمت معصیت کی نفی کی حد تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اس سے تجاوز کر گیا ہے۔ چوتھی صدی میں ابن بابویہ (المتوفی ۳۸۱ھ) اپنی کتاب ''الاعتقادات'' میں، جس کو وہ امامیہ شیعہ دین کا نام دیتا ہے، عصمت

[1] بحار الأنوار (۲۵/ ۱۹۲۔ ۱۹۳) باختصار. نیز دیکھیں: ابن بابويه: الخصال (۱/ ۲۱۵) معاني الأخبار (ص: ۱۳۳) أمالي الصدوق (ص: ۳۷۵۔ ۳۷٦)

[2] المفيد: النكت الاعتقادية (ص: ۳۳۔ ۳٤) تصحيح الاعتقاد (ص: ۱۰٦) الجيلاني: توفيق التطبيق (ص: ۱٦)

کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ائمہ کے بارے میں ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ معصوم اور ہر پلیدگی سے پاک ہیں، نہ وہ چھوٹا گناہ کرتے ہیں نہ بڑا، جو اللہ نے ان کو حکم دیا ہے، وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے، جو ان کو حکم دیا جاتا ہے، اس کو وہ بجا لاتے ہیں، جس نے ان کے احوال میں سے کسی چیز میں بھی عصمت کی نفی کی، وہ ان سے ناواقف اور جاہل ہے اور جو ان سے ناواقف ہے، وہ کافر ہے۔ ان کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ معصوم اور اوائلِ عمر سے لے کر اواخر تک علم و کمال کے ساتھ موصوف ہیں، ان کے احوال میں کوئی چیز بھی نقص، نافرمانی یا جہالت سے متصف نہیں۔''[1]

وہ یہاں ان سے معصیت، جہالت اور نقص کی نفی کر رہا ہے اور اس کمال کا اثبات کر رہا ہے، جو ان کی زندگی کے آغاز سے لے کر اختتام تک ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور جو اس کی مخالفت کرتا ہے، اس کو کافر قرار دیتا ہے۔ یہ ایک دوسرا مرحلہ ہے، جس میں مسئلہ عصمت داخل ہوجاتا ہے، لیکن اس نے ائمہ سے سہو کی نفی کی وضاحت نہیں کی، جس طرح مجلسی اور دیگر متاخر علما نے کیا ہے۔ بلکہ اس نے اپنی کتاب ''من لا یحضرہ الفقیه'' میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ نبی (ﷺ) سے سہو کی نفی غالی اور مفوضہ لوگوں کا مذہب ہے۔ وہ کہتا ہے:

''غلاۃ اور مفوضہ ۔اللہ ان پر لعنت کرے۔ نبی (ﷺ) سے سہو کے وقوع کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر نبی ﷺ کا نماز میں بھول جانا تسلیم کر لیا جائے تو تبلیغ میں آپ ﷺ کا سہو بھی تسلیم کرنا پڑے گا، کیوں کہ جس طرح نماز فریضہ ہے، اسی طرح تبلیغ بھی فریضہ ہے ...لیکن نبی ﷺ کا سہو ہمارے سہو کی طرح نہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کا سہو اللہ کی طرف سے ہے، اللہ نے اس لیے آپ کو بھلایا، تاکہ یہ باور کروایا جائے کہ آپ بھی بشر اور مخلوق ہیں، جن کو اللہ کے علاوہ رب اور معبود نہ بنایا جائے، نیز لوگ آپ کے سہو سے سہو کا حکم معلوم کر لیں۔ ہمارے شیخ و استاذ محمد بن حسن بن احمد بن ولید کہا کرتے تھے: غلو کا پہلا درجہ نبی ﷺ سے سہو کی نفی کرنا ہے اور میں نبی ﷺ کے سہو کے اثبات اور اس کے منکرین کا رد ایک علاحدہ کتاب کی شکل میں لکھنے میں ثواب کی امید رکھتا ہوں۔''[2]

آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ ابن بابویہ، جس کو یہ رئیس الشیعہ کا نام دیتے ہیں، نبی کریم ﷺ سے سہو کی نفی

---

[1] الاعتقادات (ص: ۱۰۸۔ ۱۰۹)

[2] من لا یحضرہ الفقیه (۱/ ۲۳٤)

کرنے والوں کی تردید کرتا ہے، تو جو نبی سے کم درجے کے ہوں، یعنی ائمہ ان سے کس طرح اس کی نفی کی جا سکتی ہے؟ وہ سہو کی نفی کو غلو کی علامت قرار دیتا ہے اور ذکر کرتا ہے کہ یہ قول غلاۃ کا مذہب ہے، نیز اشارتاً یہ بھی ذکر کرتا ہے کہ سہو کی نفی مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینے پر مشتمل ہے، لیکن اس مسئلے کے دوسرے ارتقائی مرحلے میں متاخرینِ شیعہ نے مسئلہ عصمت میں سہو کی نفی کا اضافہ کر لیا ہے۔ اس لیے ان کی پہلے سے ائمہ کی طرف منسوب روایات اس کی مخالفت کرتی ہیں۔

ابوعبداللہ کے سامنے جب سہو کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا:

''کیا اس سے کوئی بچ سکتا ہے؟ کبھی مجھے اپنے پیچھے اپنا خادم بٹھانا پڑ جاتا ہے، جو میری نماز کی حفاظت کرتا ہے۔''[1]

رضا۔ جس طرح پہلے ذکر ہوا۔ نبی ﷺ سے سہو کی نفی کرنے والے پر لعنت بھیجتا اور کہتا ہے:

''جو نہیں بھولتا وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔''[1]

شیعہ کی کتابوں نے بھی نبی ﷺ کے نماز میں بھولنے کے متعلق روایات نقل کی ہیں۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے اس اجماع سے استدلال کرتے ہیں، جو ان سے پہلے چوتھی صدی ہجری کے شیعہ اور ان کے اقوال ونصوص کی مخالفت کی وجہ سے منہدم ہو جاتا ہے! لیکن غلو کی شہوت کہتی ہے:

''ہمارے امامی اصحاب نے ائمہ کی ولادت سے لے کر موت تک ان کے چھوٹے بڑے گناہوں سے عمداً، خطاً یا نسیاناً معصوم ہونے پر اجماع کیا ہے۔''[3]

جب ان سے پوچھا جائے کہ تمھارا اجماع کب منعقد ہوا، جب کہ تمھارا شیخ صدوق ابن بابویہ اور اس کا استاد ابن الولید دونوں ہی اس مذہب کی مخالفت کرتے ہیں تو اس کا جواب دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

''ان دونوں کی مخالفت اجماع کے لیے غیر مضر ہے، کیوں کہ دونوں کا نسب معروف ہے۔''[4]

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے، جو مطلق عصمت کے قائل ہیں، ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے، جن کی شناخت ونسب غیر معروف ہے یا وہ سارے ہی ایسے ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ امام غائب اپنی کمین گاہ سے نکل

---

[1] بحار الأنوار (۲۵/ ۳۵۱)

[2] دیکھیں: من لا یحضره الفقیه (۱/ ۲۳۳)

[3] بحار الأنوار (۲۵/ ۳۵۰۔ ۳۵۱)

[4] المصدر السابق (۲۵/ ۳۵۱)

کر ان کی آواز میں شامل ہوگیا ہو اور اپنا ووٹ ان کے حق میں استعمال کر دیا ہو۔ اس کا یہ کہنا:

''اجماع میں وہی قابلِ اعتماد ہے۔''[1]

یعنی اس مسئلے میں اجماع کی حجیت ثابت کرنے کے لیے اس گروہ کے ساتھ جس نے سہو کی نفی کا موقف اختیار کیا ہو، محض غائب امام معصوم کے موجود ہونے کا گمان ہی کافی ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی کتابوں میں اِثباتِ سہو کے متعلق اپنے ائمہ کی منقول صریح روایات کو رد کرتے ہیں اور ایسے اجماع کو لیے پھرتے ہیں، جو محض احتمال اور گمان کے ذریعے غائب معصوم کے قول کا انکشاف کرتا ہے، لیکن مسئلہ تو یہ ہے کہ شیعہ مذہب ان کے ائمہ کا مذہب نہیں رہا، علما وشیوخ کا مذہب بن کر رہ گیا ہے۔

مجلسی ان نصوص و روایات کو دیکھ کر، جو اس کے ہم مذہب افراد کے اجماع کی مخالفت کرتی ہے، انگشت بدنداں ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

''یہ مسئلہ بہت زیادہ اشکال کا شکار ہے، کیوں کہ بہت ساری اخبار اور نشانیاں ان سے سہو کے صدور پر دلالت کرتی ہیں، نیز اصحاب کا اجماع بھی اس پر دلالت کرتا ہے، بہ جز ان افراد کے جنھوں نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے عدمِ جواز کا مذہب اپنایا ہے۔''[2]

یہ مجلسی کا کھلے الفاظ میں اعتراف ہے کہ ائمہ کی مطلقاً عصمت پر متاخرین شیعہ کا اجماع ان کی روایات کے مخالفت ہے۔ یہ ایک حقیقی دلیل اور صریح اعتراف ہے کہ وہ گمراہی اور عدمِ دلیل پر، حتی کہ اپنی کتابوں کی بھی نہیں، اجماع کیے بیٹھے ہیں۔

---

[1] دیکھیں: "فصل الإجماع"

[2] بحار الأنوار (٢٥/ ٣٥١)

شیعہ کا اپنے ائمہ کی عصمت پر استدلال

قرآن کریم سے استدلال:

اس بات کے باوجود کہ کتاب اللہ میں اثنا عشریہ کا سرمو ذکر ہی نہیں، جس طرح پہلے گزرا ہے، چہ جائیکہ ان کی عصمت کا کوئی تذکرہ ہو، پھر بھی اثنا عشریہ عصمت ثابت کرنے کے لیے قرآنِ کریم سے استدلال کرتے ہیں۔ شیعہ کے علما اس فرمانِ الٰہی:

﴿ وَ اِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ [البقرة: ١٢٤]

''اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں کے ساتھ آزمایا تو اس نے انھیں پورا کر دیا۔ فرمایا بے شک میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ کہا اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔''

سے متفق طور پر استدلال کرتے ہیں۔ مجلسی نے عصمت کے متعلق باب بہ عنوان: ''باب لزوم عصمة الإمام'' کا آغاز اسی آیت سے کیا ہے۔[1] شیعہ کے جملہ معاصر شیوخ اس آیت کو قرآنِ کریم سے اپنے استدلال کی اصل قرار دیتے ہیں اور اس کے سوا کسی دوسری آیت سے دلیل اخذ نہیں کرتے۔

محسن امین[2] اور محمد حسین آلِ کاشف الغطا کا نام بہ طورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ آلِ کاشف الغطا کہتا ہے:

''یہ آیت لزومِ عصمت میں صریح ہے۔''[3]

''مجمع البیان'' کا مصنف اپنے اصحاب کا اس آیت سے اپنی مراد پر استدلال کا سیاق ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

---

[1] بحار الأنوار (٢٥/ ١٩١)

[2] دیکھیں: أعیان الشیعة (١/ ٤٥٨)

[3] أصل الشیعة (ص: ٥٩)

''ہمارے اصحاب کا اس آیت سے استدلال کہ امام وہی ہو سکتا ہے جو معائب اور قباحتوں سے معصوم ہو، اس بنیاد پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نفی کی ہے کہ اس کا عہد جو امامت ہے،[1] کسی ظالم کو پہنچے، جو معصوم نہ ہو، وہ یا تو اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوتا ہے یا دوسرے پر۔ اگر یہ کہا جائے کہ نفی یہ کی ہے کہ ظالم ظلم کی حالت میں اس عہد کو نہیں پا سکتا، اگر توبہ کر لے، تو اس کو ظالم نہیں کہا جائے گا، چناں چہ اس کا اس عہد کو پانا درست ہوگا۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ظالم اگر توبہ بھی کر لے، تب بھی وہ اس حالت سے خارج نہیں کہ آیت اس وقت اس کو شامل تھی، جب وہ ظالم تھا۔ جب یہ نفی کی کہ وہ اس کو پائے گا تو اس پر یہ حکم لگا دیا کہ وہ اس کو نہیں پا سکے گا۔ آیت مطلق ہے۔ ایک وقت کو چھوڑ کر کسی دوسرے وقت کے ساتھ مقید نہیں، لہٰذا اس کو تمام اوقات پر محمول کرنا واجب ہے اور ظالم چاہے بعد میں توبہ بھی کر لے، تب بھی اس کو نہیں پا سکے گا۔''[2]

ان کے استدلال پر تنقید وتبصرہ:

1. سلف صالحین کا لفظِ عہد کے معنی میں اختلاف ہے اور اس کے متعلق ان کے کئی اقوال ہیں:

سیدنا ابن عباس اور سدی کہتے ہیں:

''اس سے نبوت مراد ہے: ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ [البقرة: ١٢٤] یعنی میری نبوت ظالموں کو نہیں ملے گی۔''

مجاہد کہتے ہیں:

''اس سے امامت مراد ہے، یعنی میں کسی ظالم کو امام نہیں بناؤں گا، جس کی اقتدا کی جائے۔''

قتادہ، ابراہیم نخعی، عطا، حسن بصری اور عکرمہ کا قول ہے:

''آخرت میں اللہ کا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ دنیا میں تو اس کو ظالم پاتا ہے، اس کی وجہ سے امن میں رہتا ہے، کھاتا پیتا ہے اور زندگی گزارتا ہے۔''

زجاج کہتے ہیں: حسن کا قول ہے:

''میری امان ظالموں کو نہیں ملے گی، یعنی میں ان کو عذاب سے محفوظ نہیں رکھوں گا اور ظالم سے

---

[1] سلف کا عہد کے معنی میں اختلاف ہے، جس کا آگے ذکر ہوگا، لیکن روافض وہ مفہوم مراد لیتے ہیں، جو ان کے نفس کی تسکین کرتا ہو اور وہ اسی کو بلا دلیل قطعی اور یقینی قرار دیتے ہیں۔

[2] الطبرسي: مجمع البيان (١/ ٢٠١) نیز دیکھیں: الطوسي: التبيان (١/ ٤٤٩) المجلسي: بحار الأنوار (٢٥/ ١٩١)

مشرک مراد ہے۔''

ربیع بن انس اور ضحاک کہتے ہیں:

''اللہ کا عہد جس کا اس نے اپنے بندوں سے وعدہ لیا ہے، وہ اس کا دین ہے۔ وہ کہتا ہے: اس کا دین ظالموں کو نہیں ملے گا۔ کیا آپ یہ قولِ الٰہی نہیں دیکھتے: ﴿ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ﴾ [الصآفآت: ۱۱۳] یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابراہیم! تیری ساری اولاد حق پر نہیں ہوگی۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے:

''ظالموں کے ساتھ کوئی عہد نہیں۔ اگر تم اس سے وعدہ کرو تو اس کو توڑ دو۔''[1]

لہٰذا، جس طرح آپ نے ملاحظہ کیا کہ علمائے سلف کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے، یہ اکثر کے نزدیک اصل کے اعتبار سے مسئلہ امامت پر بالکل نہیں، جنھوں نے اس کی امامت کے ساتھ تفسیر کی ہے، انھوں نے بھی علم، اصلاح اور اقتدار کی امامت مراد لی ہے نہ کہ رافضہ کے مفہوم میں امامت۔

۲ اگر یہ آیت امامت کے متعلق ہی ہو، تب بھی کسی صورت عصمت پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ یہ کہنا ناممکن ہے کہ جو ظالم نہ ہو، وہ معصوم ہوتا ہے اور کوئی غلطی نہیں کرتا، نہ بھولتا ہے اور نہ سہو اور غفلت ہی کا شکا ہوتا ہے... جو شیعہ کے نزدیک عصمت کا مفہوم ہے۔

ان کے مذہب کے قیاس کے مطابق جو غفلت کا شکار ہوگیا، وہ بھی ظالم ہے اور جس نے غلطی کی، وہ بھی ظالم ہے .... لیکن اس بات میں ان کے ساتھ کوئی بھی اتفاق نہیں کرتا، نہ یہ اصولِ اسلام کے ساتھ ہی کوئی مطابقت رکھتا ہے۔ اثباتِ عصمت اور نفیِ ظلم میں بہت زیادہ فرق ہے، کیوں کہ ظلم کی نفی عدل کا اثبات ہے، شیعہ کی عصمت کا نہیں۔

۳ شیعہ کی یہ بات قابلِ تسلیم نہیں کہ جس نے ظلم کا ارتکاب کیا، پھر اس سے توبہ کر لی تو ظلم کا وصف اس کے ساتھ لاحق ہی رہے گا اور توبہ اس صفت کو ختم کرنے میں غیر مفید ہے، کیوں کہ سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] دیکھیں: تفسير الطبري (۲/ ۲۰ وما بعدها) تفسير البغوي (۱/ ۱۱۲) ابن عطية: المحرر الوجيز (۱/ ۲۵۰) القرطبي: الجامع لأحكام القرآن (۲/ ۱۰۸) تفسير ابن كثير (۱/ ۱۷۲۔ ۱۷۳) الشوكاني: فتح القدير (۱/ ۱۳۸) الألوسي: روح المعاني (۱/ ۳۷۷) تفسير القاسمي (۲/ ۲۴۵۔ ۲۴۶)

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ [الأنعام: ٨٢]
''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا۔''
پھر اس ظلم کی تفسیر اس آیت میں کی:
﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [لقمان: ١٣] ''بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔''
اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق فرمایا:
﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ﴾ [الأنفال: ٣٨]
''ان لوگوں سے کہہ دے جنھوں نے کفر کیا، اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا انھیں بخش دیا جائے گا۔''

لیکن ان لوگوں کے قول کا قیاس یہ کہتا ہے کہ جس نے ایک لمحے کے لیے بھی شرک کیا یا کسی گناہ کا ارتکاب کیا، خواہ وہ کوئی صغیرہ گناہ ہی کیوں نہ ہو تو وہ ظالم ہے اور ظلم کا وصف اس سے جدا نہیں ہوگا۔

اس قیاس کا ماحاصل یہ ہوا کہ مشرک چاہے مسلمان بھی ہو جائے وہ مشرک ہی رہے گا، کیوں کہ ظلم شرک ہی ہے۔[1] یہ موقف اختیار کر کے یہ لوگ وعیدیہ خوارج سے بھی زیادہ انتہا پسند ہوگئے ہیں، کیوں کہ خوارج بھی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے کے لیے وعید اس وقت ثابت کرتے ہیں، جب اس نے توبہ نہ کی ہو۔

یہ بات، شریعت، عرفِ عام اور لغت تو ایک طرف رہی، عقلی بر جستگی ہی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ جس نے کفر کیا یا ظلم کیا، پھر توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی، اس پر کافر یا ظالم کا اطلاق کرنا درست نہیں ہوتا، وگرنہ بوڑھے کو بچہ، بیدار کو سویا ہوا، فقیر کو غنی، سیر شکم کو بھوکا اور مردہ کو زندہ یا اس کے برعکس کہنا روا ہوتا، اسی طرح اگر اس پر مزید قیاس کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ جو شخص یہ قسم اٹھائے کہ وہ کسی کافر کو سلام نہیں کرے گا، لیکن اس نے ایسے انسان کو سلام کہا جو فی الحال مومن تھا، لیکن کئی سال پہلے وہ کافر تھا، تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔[2]

بلکہ یہ معروف بات ہے کہ بعض اوقات ظلم سے توبہ کرنے والا اس سے افضل ہوتا ہے، جو ظلم کا مرتکب

---

[1] یہ لوگ ظلم سے شرک مراد لیتے ہیں، کیوں کہ ان کا مقصد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو باطل قرار دینا ہے، وہ دونوں بھی شرک کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور شرک۔ شیعہ کے دعوے کے مطابق۔ ان کے ایمان لانے کے باوجود ان سے جدا نہیں ہو سکا، اس لیے کلینی نے کہا ہے: ''اس آیت نے ظالم کی امامت کو باطل کر دیا ہے۔'' (أصول الكافي: ١/ ١٩٩)

[2] الألوسي: روح المعاني (١/ ٣٧٧)

ہی نہ ہوا ہو۔ جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ ہر وہ شخص جس نے کفر، قتل یا کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، وہ ہر اس شخص سے افضل ہے، جو کفر کے بعد ایمان لایا، گمراہی کے بعد راہِ ہدایت پر آیا اور گناہوں کے بعد توبہ کی تو ایسا شخص دینِ اسلام میں معلوم بالضرورۃ اور بدیہی امور کا مخالف ہے۔ یہ حقیقت ہر کسی کے علم میں ہے کہ سابقین اپنی اولاد سے افضل ہیں۔ کیا کوئی عقل مند انسان مہاجرین اور انصار کے بیٹوں کو ان کے باپوں کے مماثل قرار دیتا ہے؟[1]

اسی طرح شیعہ کا یہ استدلال اس نتیجے تک پہنچا دیتا ہے کہ تمام مسلمان جن میں شیعہ اور اہلِ بیت بھی شامل ہیں، سوائے ان کے جن کی عصمت کا شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں، ظالم ہیں، کیونکہ وہ معصوم نہیں۔ شیعہ کے عالم طوسی نے کہا ہے:

''ظلم مذمت کا نام ہے، جس کا اطلاق لعنت کے مستحق کے سوا کسی پر کرنا جائز نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِيْنَ﴾ [هود: ١٨]''[2]

4. اثنا عشری شیعہ کے اس آیت سے استدلال کی تردید میں، مَیں اپنی آخری بات ایک زیدی شیعہ عالم کا یہ قول اور تقریر پیش کر کے ختم کرتا ہوں:

''بعض رافضیوں نے اس آیت سے احتجاج کیا ہے کہ جس شخص نے ایک مرتبہ بھی ظلم کیا، وہ امامت کا مستحق نہیں ہوسکتا اور ابوبکر و عمر کی خلافت پر طعن و تشنیع کرنا چاہی، لیکن یہ قطعاً درست نہیں، کیوں کہ عہد کو اگر نبوت پر محمول کیا جائے تو اس میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں اور اگر امامت پر محمول کیا جائے تو جس نے ظلم سے توبہ کر لی، اس کو ظالم نہیں کہا جا سکتا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کی حالت میں اپنا عہد اس تک نہ پہنچنے کا وعدہ کیا ہے۔''[3]

شیعہ کے سنت سے دلائل:

شیعہ اپنی قوم کو مطمئن کرنے کے لیے اور اہلِ سنت کے خلاف استدلال کرنے کے لیے اہلِ سنت کے طرق سے وارد شدہ روایات سے تمسک کرتے ہیں۔ نیز اپنی قوم کو یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا مذہب اجماع پر قائم ہے، جب کہ یہ روایات یا جھوٹی ہیں یا ان کے استدلال سے میل نہیں کھاتیں۔ امامت کی فصل میں ان کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٣٠٢۔ ٣٠٣)

[2] التبيان (١/ ١٥٨)

[3] يوسف بن أحمد الزيدي: الثمرات اليانعة (ج:١، الورقة: ٦٠ مخطوط)

وہ روایات جن سے یہ استدلال کرتے ہیں، یہ اہلِ بیت کے متعلق ہیں اور ان میں اثنا عشریہ کے لیے یک قلم کوئی حجت نہیں، کیوں کہ یہ حقیقت ثابت ہوچکی ہے کہ اثنا عشریہ کا حضرت علی اور ان کی بعض اولاد کے ساتھ مزعومہ تعلق کے علاوہ اہلِ بیت کے ساتھ کوئی رشتہ ناتا نہیں۔ حضرت علی کی اولاد میں بھی حسن و حسین اور حسین کی بعض اولاد شامل ہے۔

حسن عسکری کے لاولد فوت ہوجانے کی وجہ سے وہ نسل بھی ختم ہوگئی، جو ان کی امامت کی قائم تھی، لہٰذا ۲۶۰ھ سے ان کا تعلق ان علما کے ساتھ ہے، جو معدوم اور بے وجود امام کی نیابت کے دعوے دار تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں، جنھوں نے شیعہ مذہب کو اس خوف ناک انجام تک پہنچا دیا ہے، جس کی کچھ جھلکیاں ہمارے سامنے سے گزری ہیں۔

ان کے دلائل کا ذکر گزر چکا ہے، جو ان کی اہلِ بیت کی تکفیر پر دلالت کرتے ہیں، اس لیے ان کا اہلِ بیت کی عصمت کے نظریے کو تھامے رکھنا محض پر فریب عنوان کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ اثنا عشریہ اپنے عقیدۂ عصمت اور دیگر عقائد کو ثابت کرنے کے لیے ان روایات سے استدلال کرتے ہیں، جن کی سندیں تو ایک طرف رہیں، متون بھی منکر اور باطل ہیں اور ان کو صاحبِ کافی، ابراہیم قمی، مجلسی اور ان جیسے لوگ نقل کرتے ہیں۔

مجلسی نے عصمت کے متعلق اپنے قائم کردہ باب میں اپنے قمی، عیاشی اور مفید جیسے شیوخ کی ۲۳ روایات نقل کی ہیں اور اس نے ان کو سورۃ البقرہ کی آیت سے استدلال کرنے کے بعد ذکر کیا ہے، جو ہمارے سامنے یہ حقیقت بیان کرتی ہیں کہ ان کا اس سے استدلال کرنا باطل ہے۔

کلینی نے کافی میں مزعومہ عصمت کے مفہوم میں کئی ابواب قائم کیے ہیں، جن میں اس نے بارہ اماموں سے اپنی سند کے ساتھ بہت ساری روایات نقل کی ہیں، جن میں ان کا دعویٰ ہے کہ وہ معصوم بلکہ شریکِ نبوت اور الوہی صفات کے حامل ہیں۔ اصول الدین کے باب میں اس کی کئی مثالیں ذکر ہوچکی ہیں۔ کافی کے باب ''ائمہ ارکانِ زمین ہیں۔'' میں آپ کو عصمت کا ذکر بھی ملے گا، اس میں اس نے تین روایات درج کی ہیں، جو یہ کہتی ہیں کہ بارہ امام وجوبِ اطاعت، فضیلت اور تکلیف میں رسول اللہ ﷺ کی طرف ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد جس طرح رسول اللہ کے لیے اطاعت تھی، اسی طرح ان کے لیے بھی یہ جاری و ساری ہے۔''[1] اسی طرح تمام بارہ اماموں کی۔

[1] أصول الكافي (١/ ١٩٨)

پھر یہ یہیں پر بس نہیں کرتے، بلکہ ان کو رسول کے مقام سے اٹھا کر رب العالمین کے مقام پر بٹھا دیتے ہیں۔ ایک شیعی روایت کہتی ہے:

''حضرت علی نے کہا: مجھے وہ خصلتیں عطا ہوئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں۔ مجھے مصائب اور اموات کا علم دیا گیا۔ جو مجھ سے پہلے گزرا، وہ مجھ سے نہیں چھوٹا اور جو مجھ سے غائب ہے، وہ مجھ سے دور نہیں۔''[1]

حالاں کہ مصائب اور اموات کا علم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ [لقمان: ٣٤]

''اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔''

جس سے کوئی چیز دور، پوشیدہ اور چھوٹتی نہیں، وہ رب العالمین کی ذات بلند مرتبت ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ﴾ [سبأ: ٣]

''اس سے ذرہ برابر چیز نہ آسمانوں میں چھپی رہتی ہے اور نہ زمین میں۔''

لٰہذا معاملہ عصمت کی حدود سے نکل کر رسالت اور الوہیت کے دعوے تک جا پہنچا ہے، جو سراسر اسلام سے خروج ہے۔ کافی میں اس مفہوم کے ابواب تسلسل کے ساتھ موجود ہیں[2]، جو تاریخ کے مختلف ادوار میں ملحدین اور جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کے دعوے سے کچھ مختلف نہیں، فرق یہ ہے کہ انھوں نے یہ تمام دروغ بافیاں اور افترا پردازیاں اہلِ بیت اطہار کی طرف منسوب کر دی ہیں۔

مسئلہ عصمت پر شیعہ کے عقلی دلائل:

شیعہ کے تمام عقلی دلائل، جن سے وہ امام کی عصمت پر استدلال کرتے ہیں، ان تمام کو اس ایک اصل اور مفروضے کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے کہ ساری امت ہی خطا اور گمراہی کی زد میں ہے اور اس کو گمراہی سے اگر

[1] المصدر السابق (١/ ١٩٧)

[2] دیکھیں: أصول الكافي، باب فرض طاعة الأئمة (١/ ١٨٥) اس میں سترہ (١٧) روایات مذکور ہیں۔ باب أن الأئمة ولاة أمر الله وخزنة علمه (١/ ١٩٢) اس میں چھے روایت مندرج ہیں۔ باب أن الأئماة خلفاء الله۔ عز و جل۔ في أرضه، وأبوابه التي منها يؤتى (١/ ١٩٣) اس میں تین روایات درج کی ہیں۔ اسی طرح کے دیگر ابواب و روایات ہیں، جن کا جھوٹ دینِ اسلام میں یقیناً معلوم ہے۔

کوئی بچا سکتا ہے تو وہ امام ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے تمام دلائل کو اسی اساس اور مقدمے پر ترتیب دیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ امت کے لیے ایک معصوم رئیس کا ہونا ضروری ہے، جو انسانی غلطیوں کی اصلاح کر سکے۔ اگر اس کے لیے غلطی کرنا روا ہے تو اس کے لیے کسی دوسرے کا ہونا ضروری ہوگا، جو اس کی اصلاح کرے، اس سے تسلسل لازم آئے گا، لہٰذا امام کی عصمت کا اعتقاد رکھنا لازمی ہوجاتا ہے، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک امام پر اعتماد ہے، امت پر نہیں....۔ مزید برآں یہ کہتے ہیں:

''امام شریعت کی حفاظت کرنے والا ہے، اس کے بغیر کتاب و سنت اور اجماع پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا...الخ۔''[1]

لیکن حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ امت اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے ساتھ غلطی سے معصوم و محفوظ ہے اور گمراہی پر اتفاق نہیں کرسکتی۔ امت کی یہ عصمت امام کی عصمت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ علمائے کرام نے امت کی عصمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''کیوں کہ ہم سے جو پہلے امتیں تھیں، جب وہ اپنا دین بدل دیتیں تو اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے کے لیے نبی بھیج دیتے، لیکن اس امت کے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، لہٰذا اس کی عصمت نبوت کے قائم مقام ہے۔ اب کسی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس میں کچھ تبدیلی کرے، کیوں کہ وہ جونہی ایسا کرنے کی جراَت کرے گا، اللہ تعالیٰ کسی کو کھڑا کر دے گا، جو اس کی تبدیلی اور خطا کو واضح کر دے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں مومنوں کی راہ کو رسول کی اطاعت کے ساتھ مربوط ومقرون کر دیا ہے: ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ [النساء: ١١٥]

لہٰذا امت کی عصمت اور گمراہی سے محفوظ رہنا، جس طرح اس کا شرعی دلائل میں ذکر ہوا ہے، اس شخص کی مکمل مخالفت کرتا ہے، جو مسلمانوں میں سے کسی ایک کی عصمت کو لازمی قرار دیتا ہے اور مجموعی طور پر مسلمانوں کے لیے، اگر ان میں کوئی معصوم نہ ہو تو، خطا اور غلطی کے روا ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے۔''[2]

---

[1] دیکھیں: ابن المطهر: كشف المراد (ص: ٣٩٠۔ ٣٩١) نیز دیکھیں: نهج المسترشدين (ص: ٦٣) مزید دیکھیں: الألفين (ص: ٥٦ وما بعدها) القزويني: الشيعة في عقائدهم (ص: ٣٦٨۔ ٣٦٩) الزنجاني: عقائد الإمامية (ص: ٧٧) هاشم معروف الحسيني: أصول التشيع (ص: ١٣١۔ ١٣٢)

[2] المنتقىٰ مختصر منهاج السنة (ص: ٤٠١)

وہ تمام عقلی دلائل جو انھوں نے معصوم کی قطعی اور یقینی ضرورت کے اثبات کے لیے تحریر کیے ہیں، وہ ضرورت رسول کے ساتھ پوری ہو چکی ہے، اس لیے امت اختلاف اور تنازع کے وقت کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتی ہے، امام کی طرف نہیں: ﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [النساء: ٥٩] علما کہتے ہیں، اللہ کی کتاب کی طرف اور اس کے نبی کی طرف اور نبی کے فوت ہوجانے کے بعد اس کی سنت کی طرف۔[1]

امت کتاب وسنت کی ہدایت کے ساتھ گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی، کیوں کہ قیامت تک ان دونوں کے ساتھ تمسک کرنے والوں سے خالی نہیں رہے گی، اس لیے امت پر حجت رسولوں کے ذریعے قائم ہوچکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ [النساء: ١٦٣]

''بلاشبہہ ہم نے تیری طرف وحی کی، جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد (دوسرے) نبیوں کی طرف وحی کی۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ائمہ کا ذکر نہیں کیا، یہ آیت اس شخص کے قول کو باطل کر دیتی ہے، جو مخلوق کے لیے رسولوں کے علاوہ کسی دوسرے یعنی ائمہ کی ضرورت کو لازمی قرار دیتا ہے۔[2]

شیعہ کے امام معصوم کی ضرورت پر زور دینے والے عقلی دلائل جس کے بغیر امت ایمان اور امان دونوں سے محروم ہے، انجام کار ان کے نزدیک بھی ائمہ کی عصمت کو ختم اور زائل کر دیتے ہیں، کیوں کہ شیعہ کے اماموں کے ساتھ امامت کے وہ مقاصد حاصل نہیں ہوسکے، جو یہ بیان کرتے ہیں۔

امر واقع تو یہ ہے کہ ۲۶۰ھ کے بعد شیعہ کا کوئی امام ظاہر نہیں ہوا، چاہے وہ اصلاً موجود ہی نہ ہو، جس طرح حسن عسکری کی وفات کے فوراً بعد پائے جانے والے اکثر شیعہ فرقوں کا کہنا ہے، نیز خود حسن عسکری کا خاندان بھی یہی کہتا ہے اور ان میں سرفہرست ان کے بھائی جعفر ہیں، اسی طرح علمائے تاریخ وانساب بھی اسی بات پر زور دیتے ہیں، یا وہ چھپا ہوا ہے اور ظاہر نہیں ہوا، جس طرح اثنا عشریہ کا کہنا ہے، لہٰذا یہ معاملہ تو یہی ختم ہو جانا چاہیے، کیوں کہ اس موعود یا معدوم غائب کا دین و دنیا کو کوئی فائدہ نہیں۔

یہ اثنا عشری مذہب میں ایسا رخنہ اور شگاف ہے، جو پاٹا نہیں جا سکتا اور یہ ان کی تمام حجتوں اور دلائل کو

---

[1] ابن عبد البر: التمهيد (٤/ ٢٦٤)

[2] دیکھیں: ابن تيمية: الفتاوىٰ (١٩/ ٦٦)

بیک جنبش قلم بے اثر اور زائل کر دیتا ہے۔

اسی طرح اس سے پہلے اس کے اجداد میں سے بھی امیر المومنین حضرت علی اور حضرت حسن کے علاوہ، ان کی خلافت سے دست برداری سے پہلے، کوئی بھی منصبِ خلاف و امامت پر فائز نہیں ہوا۔ اس لیے اہلِ علم نے کہا ہے کہ ان کے پاس عصمت کے دعوے کی اس گمان کے علاوہ کوئی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو ائمہ معصومین سے خالی نہیں رکھتا، کیوں کہ اسی میں مصلحت اور لطف الٰہی ہے۔

یہی یقینی طور پر معلوم حقیقت ہے کہ اس غائب اور گم شدہ منتظر کے ساتھ کوئی مصلحت اور لطف وجود پذیر نہیں ہوا، اسی طرح اس کے بزرگوں کے ساتھ بھی وہ مصلحت اور لطف وقوع پذیر نہیں ہوا، جو با اقتدار معصوم امام سے متوقع ہوتا ہے، جس طرح رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد مدینے میں با اقتدار امام تھے، آپ مومنوں کے امام تھے، جن کی اطاعت واجب ہے اور ان کی سعادت اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

آپ ﷺ کے بعد حضرت علی کے سوا یہ کسی کے لیے حاصل نہیں ہوئی، جس کو اقتدار بھی حاصل ہوا ہو اور اس کی عصمت کا بھی دعویٰ کیا گیا ہو۔ یہ حقیقت بھی بداہتاً معلوم ہے کہ وہ مصلحت اور لطف جو مسلمانوں کو خلفائے ثلاثہ کے ادوار میں حاصل ہوا، وہ اس مصلحت اور لطف سے کہیں بڑھ کر ہے، جو حضرت علی کے زمانے میں حاصل ہوا، جو جنگ و جدال، فتنے اور افتراق و انتشار کا عہد تھا۔[1]

پھر جو حضرت علی سے کم تر تھا، لوگوں کو اس کے علم اور دین سے اسی طرح فائدہ پہنچتا تھا، جس طرح اس کے امثال و اقران سے پہنچتا تھا۔ علی بن حسین، ان کے بیٹے ابو جعفر اور ان کے بیٹے جعفر بن محمد دیگر علمائے وقت کی طرح لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ زیادہ علم اور دین کے مالک تھے تو جو قوت، اقتدار، لوگوں کو حق کا پابند بنانا اور باطل سے روکنا اربابِ اقتدار کو حاصل تھا، وہ اہلِ علم کو حاصل نہیں ہوا، لیکن ان تینوں کے بعد جو ان کے ائمہ تھے، جیسے تمام عسکری، تو ان کا کوئی ایسا علم ظاہر نہیں ہوا، جس سے امت نے کوئی استفادہ کیا ہو نہ ان کی کوئی حیثیت اور قوت تھی، جس سے امت کوئی تعاون اور مدد حاصل کرتی، بلکہ وہ دیگر ہاشمیوں کی طرح ہی تھے، جن کا اپنا ایک مرتبہ اور عزت تھی۔

دینِ اسلام کے متعلق جتنی عام لوگوں کو معرفت حاصل تھی، اتنی ہی ان کو بھی حاصل تھی، اس لیے اہلِ علم نے جس طرح ان تینوں سے علمی اخذ و اکتساب کیا، ان سے نہیں کیا۔[2]

---

[1] منهاج السنة (٢/ ١٠٤)

[2] منهاج السنة (٣/ ٢٤٨)

نظریۂ عصمتِ ائمہ پر عام تنقید:

عصمتِ ائمہ کا دعویٰ نبوت میں مشارکت کے ساتھ مماثلت رکھتا ہے، کیوں کہ معصوم کے ہر قول کی اتباع واجب ہے اور اس کی کسی بھی بات میں مخالفت کرنا جائز نہیں۔ یہ انبیا کی خصوصیت ہے، اس لیے ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ان پر جو کچھ نازل ہوا ہے، اس پر ایمان رکھیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ [البقرة: ١٣٦]

''کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد کی طرف اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''

لہٰذا یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم کہیں: جو نبیوں کو دیا گیا ہے، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو انبیا لے کر آئے ہیں، اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ پس جس نے رسول کے بعد کسی کو معصوم قرار دیا، جس کے ہر قول پر ایمان لانا واجب ہو، اس نے اس کو ضرور نبوت کا معنی دے دیا ہے، اگرچہ لفظِ نبوت نہیں بولا۔[1]

یہ قول کتاب و سنت کے اور اجماعِ سلف و ائمہ امت کے مطابق دینِ اسلام کے مخالف ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [النساء: ٥٩]

''اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اختلاف اور تنازع کے وقت کتاب و سنت کے علاوہ کسی کی طرف رجوع کرنے کا حکم

[1] منهاج السنة (٣/ ١٧٤)

نہیں دیا۔ اگر لوگوں کے لیے رسول کے علاوہ بھی کوئی معصوم ہوتا تو ان کو اس کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا، چناں چہ قرآنِ کریم اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ رسول کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء: ٦٩]

''اور جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کرے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہدا اور صالحین میں سے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔''

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ [الجن: ٢٣]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً اسی کے لیے جہنم کی آگ ہے، ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں ہمیشہ۔''

قرآنِ کریم نے کئی مواقع پر اس بات پر دلالت کی ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی، وہ خوش بخت ہے اور اس میں کسی دوسرے معصوم کی اطاعت کی شرط نہیں لگائی، نیز یہ بھی کئی جگہ فرمایا ہے کہ جس نے رسول کی نافرمانی کی، اس کے لیے دوزخ کی وعید اور دھمکی ہے۔ چاہے وہ یہ خیال کرتا رہا ہو کہ اس نے اپنے گمان کے مطابق جس کو معصوم سمجھا، اس کی اطاعت کی ہے۔

اہلِ علم اہلِ کتاب و سنت کا اتفاق ہے کہ رسول کے سوا ہر شخص کا قول اپنایا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے، مگر رسول کا نہیں، اس کی ہر خبر کی، جو اس نے دی، تصدیق کرنا، جو حکم دیا اس کو بجا لانا، جس سے منع کیا اس سے رک جانا، واجب اور لازم ہے۔ نیز جو شریعت اور طریقہ آپ نے بتایا ہے، اس کے مطابق ہی اللہ کی عبادت کی جا سکتی ہے، کیوں کہ وہی ایسا معصوم ہے، جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا، بلکہ اس وحی کی پیروی کرتا ہے، جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔ [2]

سنتِ مطہرہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے، لیکن جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ شیعہ صرف اپنے ائمہ کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں، چناں چہ آیندہ سطور میں ان کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں، جو ان کے

---

[1] منهاج السنة (٢/ ١٠٥)

[2] منهاج السنة (٣/ ١٧٥)

مذہب کے بخیے ادھیڑ دیتے ہیں۔

''نهج البلاغه'' میں، جس کے ایک لفظ میں بھی شیعہ شک نہیں کرتے، حضرت علی کا قول ذکر ہوا ہے، جو ان کے عصمتِ ائمہ کے متعلق تمام گھروندوں کو زمین بوس کر دیتا ہے۔ ''نهج البلاغه'' کا مولف روایت کرتا ہے:

''امیر المومنین نے کہا: میرے ساتھ بناوٹی میل جول رکھو نہ میرے متعلق یہ گمان کرو کہ جو حق میرے سامنے کہا جائے گا، میں اس کو بھاری اور ناگوار سمجھوں گا اور نہ یہ امید رکھو کہ میں اپنے آپ کو کوئی بہت بڑا آدمی سمجھتا ہوں۔ جس نے اپنے سامنے حق گوئی اور عدل پر مبنی بات کو ناگوار اور گراں سمجھا، اس کے لیے ان دونوں پر عمل کرنا، اس سے بھی گراں ہوگا، لہٰذا سچی بات کہنے سے یا کوئی عادلانہ مشورہ دینے سے بالکل پیچھے نہ ہٹو، میں اپنے قول وفعل میں غلطی سے مبرّا نہیں۔''[1]

اس اقتباس میں امیر المومنین اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ نصیحت اور مشورہ دینے سے ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں اور ان کو اس سے کوئی تصنع یا بناوٹی رویہ روک نہ دے یا ان کے بارے میں یہ گمان نہ رکھا جائے کہ جب ان کے سامنے حق بات کہی جائے گی تو وہ اس کو قبول نہیں کریں گے اور اپنے آپ کو کوئی بڑا آدمی سمجھیں گے، جس پر حق سننا گراں ہو۔ کیوں کہ وہ حاکم جو عوام کا مشورہ قبول نہیں کرتا اور یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کی غلطی نکالے، وہ حق اور عدل پر عمل کرنے سے کہیں دور رہتا ہے، کیوں کہ جس کو نصیحت سننا ناگوار اور گراں محسوس ہو، وہ اس پر عمل کرنے، اس سے زیادہ عاجز ہوتا ہے، لہٰذا حق بات کہنے اور عادلانہ مشورہ دینے سے گریز نہ کرو، کیوں کہ جماعت حق اور عصمت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ جبکہ اکیلا آدمی غلطی کا شکار ہونے سے محفوظ نہیں ہوتا۔

چناں چہ حضرت علی نے یہاں ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا، جو ان کے بارے میں شیعہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے، بلکہ انھوں نے تاکید کے ساتھ یہ کہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو غلطی سے محفوظ خیال نہیں کرتے، اس طرح انھوں نے رعایا کے مشورے سے بے پروا ہونے کا بھی اعلان نہیں کیا، بلکہ ان سے حق اور عدل پر مبنی مشورہ طلب کیا ہے، کیوں کہ امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوتی، لیکن ہر شخص انفرادی طور پر گمراہی کا شکار ہو سکتا ہے، چناں چہ معلوم ہوا کہ عصمت کا دعویٰ غالی شیعہ کی اختراع اور ایجاد ہے۔

---

[1] نهج البلاغة (ص: ٣٣٥)

"نهج البلاغة" میں یہ قول بھی ذکر ہوا ہے:

''لوگوں کے لیے امیر کا ہونا ضروری ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد، اس کی امارت اور حکومت میں مومن عمل کرے، اس کے ساتھ مالِ فَے اکٹھا کیا جائے، دشمن کے ساتھ لڑائی کی جائے، راستے پُر امن بنا دیے جائیں اور طاقت ور سے کمزور کا حق لیا جائے۔''[1]

آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ انھوں نے امیر کے لیے عصمت کی شرط لگائی ہے، نہ اس کا دور یا نزدیک سے کوئی اشارہ ہی دیا ہے، بلکہ یہ سمجھا ہے کہ امیر بنانا ضروری ہے، لوگوں اور علاقوں کے مفادات اس کے ساتھ مربوط ہوں۔ یہ نہیں کہا کہ لوگوں کا سربراہ صرف امام معصوم بن سکتا ہے اور ہر وہ جھنڈا جو غیر معصوم کے لیے نصب کیا جائے، وہ جاہلیت کا جھنڈا ہے، جس طرح شیعہ کتابیں کہتی ہیں۔

اسی طرح انھوں نے امارت کو شیعہ کے نزدیک بارہ اماموں ہی میں محصور اور محدود نہیں کیا، نہ دیگر خلفائے مسلمین کو کافر قرار دیا ہے، جس طرح شیعہ کا مذہب ہے۔ بلکہ امام مقرر کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے، چاہے وہ کوئی فاجر ہی کیوں نہ ہو اور انھوں نے اس کی امارت کو شرعی قرار دیا ہے، کیوں کہ فاجر امیر کی امارت میں جہاد کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا کہاں یہ بات اور کہاں شیعہ کا یہ قاعدہ کہ جب تک منتظر باہر نہیں نکل آتا، تب تک جہاد ممنوع ہے...[2] کیوں کہ شیعہ کے نزدیک شرعی امارت صرف بارہ اماموں تک محدود ہے۔

ائمہ گناہوں کا اعتراف کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی مانگا کرتے تھے۔ امیر المومنین اپنی دعا میں کہا کرتے تھے، جس طرح "نهج البلاغة" میں مذکور ہے:

"اللهم اغفر لي ما أنت أعلم به مني، فإن عدت فعد علي بالمغفرة، اللهم اغفرلي ما وأيت من نفسي، ولم تجد له وفاء عندي، اللهم اغفر لي ما تقربت به إليك بلساني، ثم خالفه قلبي، اللهم اغفر لي رمزات الألحاظ، وسقطات الألفاظ، وشهوات الجنان، وهفوات اللسان"[3]

''اے اللہ! میرے گناہ معاف کر دے، جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، اگر میں دوبارہ وہ گناہ کروں تو، تو دوبارہ مجھے معاف کر دے۔ اے اللہ! میں نے جو تیرے ساتھ وعدہ کیا، لیکن اس کو وفا

---

[1] نهج البلاغة (ص: ٨٢)

[2] دیکھیں: ''غَیبت'' اور ''مہدیت'' (ص: ٨٧١)

[3] نهج البلاغة (ص: ١٠٤)

نہ کر سکا، اس کو معاف کر دے۔ اے اللہ! میرا یہ گناہ معاف کر دے، جو میں نے زبان سے تو کہہ کر تیرا قرب حاصل کر لیا، لیکن میرے دل نے اس کی مخالفت کی۔ اے اللہ! لمحات کی حرکتیں، الفاظ کی لغزشیں، دلوں کی خواہشات اور زبان کی غلطیاں معاف فرما۔‘‘

اس دعا میں آپ گناہ کا اقرار، توبہ کے بعد پھر گناہ کی طرف لوٹنا، الفاظ کی لغزشوں، دلوں کی شہوات اور دل کا زبان کی مخالفت کا اعتراف ملاحظہ کر رہے ہیں۔ یہ ساری باتیں شیعہ کے دعوائے عصمت کے خلاف ہیں، کیوں کہ اگر حضرت علی اور ائمہ معصوم ہوتے تو ان کا گناہوں سے استغفار کرنا عبث اور بے کار کی مشق ہوتی۔ شیعہ کی کتابوں نے اپنے تمام ائمہ کا گناہوں اور نافرمانیوں سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا نقل کیا ہے، اگر وہ معصوم ہوتے تو ان کے گناہ بھی نہ ہوتے۔

ابوعبداللہ کہتے ہیں:

’’ہم گناہ کرتے ہیں، بھول جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ سے پکی توبہ کرتے ہیں۔‘‘[1]

ابوالحسن (موسیٰ کاظم) کہا کرتے تھے:

”رب عصيتك بلساني، ولو شئت وعزتك لأخرستني، وعصيتك ببصري، ولو شئت لأكمهتني، وعصيتك بسمعي، ولو شئت وعزتك لأصممتني، وعصيتك بيدي ولو شئت وعزتك لكنعتني، و عصيتك بفرجي، ولو شئت وعزتك لأعقمتني، وعصيتك برجلي ولو شئت وعزتك لجذمتني، وعصيتك بجميع جوارحي التي أنعمت بها علي، ولم يكن هذا جزاك مني...“[2]

’’اے میرے رب! میں نے اپنے زبان سے تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا، تیری عزت کی قسم! تو، تو مجھے گونگا کر دیتا۔ میں نے اپنی آنکھ سے تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا تو مجھے اندھا کر دیتا۔ میں نے اپنی سماعت کے ساتھ تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا تو مجھے بہرہ کر دیتا۔ میں نے اپنے ہاتھ کے ساتھ تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا تو میرے ہاتھ کوشَل کر دیتا۔ میں نے اپنی شرم گاہ کے ساتھ تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا تو مجھے بانجھ کر دیتا۔ میں نے اپنے پاؤں کے ساتھ تیری نافرمانی کی، اگر تو چاہتا تو اس کو کاٹ دیتا۔ میں نے ان تمام اعضا کے ساتھ تیری نافرمانی کی، جو تم نے مجھے انعام

[1] بحار الأنوار (٢٥/ ٢٠٧)

[2] بحار الأنوار (٢٥/ ٢٠٣)

میں دیے، لیکن میری طرف سے یہ تیری نعمتوں کا بدلہ نہیں تھا۔''

ان جیسی دعاؤں کی توجیہ پیش کرنے میں شیعہ علما حیران و پریشان ہیں، جو ان کے عصمت کے متعلق طے کردہ اصول کے منافی ہیں، اس سابقہ حدیث کے متعلق اسی تردد کی ایک شیعہ نے ہمارے سامنے یہ صورت پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''میں اس کے معنی میں غور وفکر کیا کرتا تھا اور میں کہتا: اس کو شیعہ کے عصمت کے متعلق اعتقاد کے کس طرح مطابق کیا جا سکتا ہے، لیکن اس تردد کو زائل کرنے والی کوئی صورت میرے سامنے واضح نہ ہوسکی۔''

پھر وہ ذکر کرتا ہے کہ اس نے اپنے عالم ابو الحسن رضی الدین علی بن موسیٰ بن طاؤوس علوی حسنی کے سامنے یہ اشکال پیش کیا تو ابن طاؤوس نے کہا: وزیر مؤید الدین علقمی نے بھی مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، تو میں نے اس سے کہا: ''وہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے ایسا کہا کرتے تھے۔''

ایسے لگتا ہے کہ ابن علقمی اس جواب سے مطمئن اور قائل ہوگیا ہوگا، لیکن یہ اشکال پیش کرنے والا ابن طاؤوس کے اس جواب پر استدراک کرتے ہوئے کہتا ہے:

''میں نے اس کے بعد سوچا تو کہا: یہ وہ رات کو اپنے سجدے میں کہا کرتے تھے، تب ان کے پاس کوئی بھی نہیں ہوتا تھا، جس کو وہ سکھاتے۔''

وہ کہتا ہے:

''پھر میرے ذہن میں ایک دوسرا جواب آیا کہ وہ یہ بر سبیلِ تواضع کہتے ہوں گے۔ لیکن یہ جواب بھی اس کو مطمئن نہ کر سکا تو سائل اس جواب پر آ کر ٹھہر گیا کہ وہ کھانے پینے اور نکاح کرنے جیسے مباح امور میں مشغول ہونے کو گناہ اور غلطی شمار کرتے ہوں گے اور اس سے استغفار کرتے ہوں گے۔''

وہ ذکر کرتا ہے:

''اس جواب کے بعد کوئی جواب نہیں اور وہ ابن علقمی کے زندہ ہونے کی تمنا کرتا ہے، تا کہ اس کی حیرت دور کر سکے۔''[1]

یہ جواب جس کو یہ سمجھتا ہے کہ یہ اس مشکل اور معمے کا حال ہے، شریعتِ اسلام کے ساتھ اتفاق نہیں رکھتا، جو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیا کو حرام کرنے سے روکتی ہے اور رہبانیت (ترکِ دنیا) کو ایک طرف پھینکتی ہے:

[1] بحار الأنوار (١/ ٧٩٦)

﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ [الأعراف: ۳۲]

''تو کہہ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں؟''

ائمہ ان مباح امور اور نکاح کو، جو اسلام کا ایک قانون ہے، کس طرح گناہ شمار کر سکتے ہیں، جن سے وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ [النساء: ۳]

''تو (اور) عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو۔''

اور وہ کھانے پینے کو گناہ کیوں کر متصور کر سکتے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ [الأعراف: ۱٦۰، طٰهٰ: ۸۱]

''کھاؤ ان پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمھیں عطا کیں۔''

لیکن وہ جواب جو اس اشکال کا حل ہے اور ائمہ کی حقیقی زندگی اور اسلام کے احکام و شرائع کے مطابق ہے، وہ دعوائے عصمت کا اس شکل میں انکار کرنا اور اس کو باطل قرار دینا ہے، جو شکل شیعہ پیش کرتے ہیں۔

اس کا یہی جواب ہے کہ ائمہ غلطی اور نافرمانی سے معصوم نہیں۔ یہ موقف جس طرح شرعی دلائل کے مطابق ہے، ائمہ کی واقعاتی زندگی کے ساتھ بھی ہم آہنگ ہے اور اسی کے ساتھ قیادت کا امکان حقیقت پذیر ہو سکتا ہے۔

بنا بریں اللہ کے انبیا تمام انسانوں کی طرح انسان ہی تھے، جو کھانا کھاتے، بازاروں میں چلتے، دعوتِ دین کی نشر و اشاعت کے لیے محنت کرتے، اپنی اقوام کی اذیتوں اور جہاد کی مشقتوں کو برداشت کرتے۔ یہ سب کچھ محض اس لیے تھا کہ وہ قیادت پیش کریں اور اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ بنیں۔

ایک دوسری بات، جو شیعہ کی کتابوں سے دعوائے عصمت کو باطل کر دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ بعض مواقف، مسائل اور معصومین کے اعمال کے اختلاف و تناقض، ایک دوسرے کے مخالف و متناقض نہیں، بلکہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں....

اختلاف عصمت کے منافی ہے، جو ان کے نزدیک امامت کی شرط ہے، جو نتیجتاً خود اصل امامت ہی کو باطل کر دیتا ہے۔ اسی لیے ائمہ کے اعمال میں اختلاف کی روش بعض شیعہ کے شیعیت کے دائرۂ اثر سے خروج کا

براہِ راست سبب تھا، کیوں کہ ان کو اس تناقض نے شک کا شکار بنا دیا تھا۔

اس کی مثال ملاحظہ کرنے کے لیے قمی اور نوبختی کا یہ اقتباس پڑھیے:

''حسین رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کے بعد ان کے اصحاب کا ایک فرقہ حیرت کا شکار ہوگیا، اس نے کہا: ہمارے لیے حضرت حسن اور حضرت حسین کا فعل اختلاف کا باعث بن گیا ہے، کیوں کہ حضرت حسن نے آ کر اپنے ساتھیوں کی کثرت کے باوجود معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے سے عاجز آ کر ان کے ساتھ صلح کر لی اور ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور ان کا یہ فعل حق پر مبنی واجب اور درست تھا تو حضرت حسین نے کمزوری اور اپنے ساتھیوں کی قلت اور یزید بن معاویہ کے ساتھیوں کی کثرت کے باوجود لڑائی کی، حتی کہ خود بھی قتل ہوگئے اور سارے ساتھی بھی مارے گئے تو ان کا یہ فعل باطل اور غیر واجب تھا، کیوں کہ حضرت حسین کے پاس حضرت حسن کی نسبتِ یزید کے خلاف لڑائی لڑنے سے پیچھے رہنے اور اس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھانے کا زیادہ عذر موجود تھا۔ اگر حسین کا فعل درست تھا، جس کے لیے انھوں نے اپنی اولاد اور ساتھیوں کی قربانی دے دی تو حضرت حسن کا معاویہ کا ساتھ لڑائی نہ لڑنا اور صلح کرنا، جب کہ ان کے ساتھ سپاہیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، باطل ہوگا، چناں چہ انھوں نے ان دونوں کی امامت میں شک کیا، شیعیت سے تائب ہوگئے اور عوام کی رائے کے قائل ہوگئے۔''[1]

ائمہ کے اقوال میں اختلاف اور تناقض کی مثالوں کا باب بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ بعض شیعہ حضرات کا شیعیت سے تائب ہونے کا ایک دوسرا سبب تھا، جس کی شیخ الطائفہ طوسی نے بھی گواہی دی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ان کی روایات تناقض، تباین اور اختلاف کا شکار ہیں، حتی کہ آپ کو کوئی ایک بھی ایسی روایت نہیں ملے گی جس کے متضاد روایت موجود نہ ہو۔''

اس چیز کو اس نے شیعہ مذہب میں سب سے بڑا اعتراض، تنقید اور بعض شیعہ کا شیعہ مذہب ترک کرنے کا سبب شمار کیا ہے۔[2]

تہذیب اور استبصار یہ دونوں کتابیں شیعہ کے چار مصادر میں سے دو معتبر مصادر ہیں۔ یہ دونوں ہی اپنی بہت ساری روایات کے ذریعے سے اس تناقض اور اختلاف پر گواہی پیش کرتی ہیں۔ طوسی نے اس اختلاف اور

---

[1] القمي: المقالات والفرق (ص: ٢٥) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٢٥۔ ٢٦)

[2] دیکھیں: اسی کتاب کے صفحہ نمبر (٣٩٣، ٣٩٤)

تناقض کو دور کرنے کے لیے اس کو تقیے پر محمول کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکا، بلکہ جلتی پر مزید تیل کا کام کیا ہے۔

شیعہ نے اپنے ائمہ کی روایات اور اعمال پر پردہ ڈالنے کے لیے تقیہ اور بدا (ظہورِ علم) کا عقیدہ ایجاد کیا۔ بعض شیعہ کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوگئی اور اس نے جب ان دونوں عقیدتوں کا وضع کرنے کا سبب جان لیا تو وہ شیعیت سے تائب ہوگیا اور اس نے کہا:

''رافضہ کے ائمہ نے اپنے شیعہ کے لیے یہ دونوں نظریے وضع کیے، جن کے ہوتے ہوئے وہ اپنے ائمہ کا کوئی کذب ظاہر نہیں ہونے دیں گے اور وہ یہ ہیں ایک عقیدہ بدا اور دوسرا تقیے کی اجازت۔''[1]

شیعہ کی کتابیں نقل کرتی ہیں کہ امام ایک ہی مسئلے کے متعلق ایک ہی مجلس میں تین مختلف اور متضاد جواب دیتا ہے اور وہ اس کو تقیے پر محمول کرتا ہے یا امام کی فتویٰ دینے میں آزادی پر کہ وہ کمی کر کے یا اضافہ کرکے جواب دینے کا مجاز ہے۔

ایک عمر بن ریاح نامی شیعہ شخص اپنے امام سے کوئی فتویٰ لینے کے لیے گیا، جب اس نے اس کو فتویٰ دیا تو وہ چلا گیا اور آیندہ سال پھر آیا اور اس مسئلے کے متعلق فتویٰ مانگا تو اس نے اس کو پہلے جواب کے الٹ جواب دیا۔ اس نے اس کو عجیب سمجھا اور کہا کہ یہ جواب، اس جواب کے الٹ ہے، جو آپ نے مجھے گذشتہ سال دیا تھا؟ تو انھوں نے جواب دیا: ہمارا جواب تقیے کی بنا پر نکلا تھا، پس اس کو اس کے حکم اور امامت میں شک گزرا، وہ اس کے پاس سے نکلا اور ایک شیعہ کو ملا، جس کا نام محمد بن قیس تھا، اس کو اس نے ساری بات بتائی اور کہا:

''اللہ جانتا ہے، میں نے جب اس سے یہ پوچھا تو میرا دین داری کے لیے صحیح عزم تھا کہ جو مجھ کو وہ فتویٰ دے گا، میں اس پر عمل کروں گا، میرے سامنے تقیہ اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا، جب کہ میری یہ حالت ہے؟''

محمد بن قیس نے اس سے کہا: شاید تمھارے ساتھ کوئی اور بھی تھا، جس سے اس نے تقیہ اختیار کیا ہو، اس نے کہا:

''اس کی مجلس میں دونوں مسئلوں کے وقت میرے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تھا، لیکن اس کے دونوں

[1] المقالات والفرق (ص: ۷۸) فرق الشیعة (ص: ۵۵۔ ۵٦) اس بات کا قائل سلیمان بن جریر ہے، جس کی طرف زیدیہ کا فرقہ سلیمانیہ منسوب ہے۔

جواب بلا غور وفکر تھے اور اس کو یاد ہی نہیں رہا کہ پچھلے سال کیا جواب دیا تھا، تا کہ اس مرتبہ بھی اس طرح کا جواب دے دیتا۔‘‘

چناں چہ وہ اس کی امامت سے تائب ہوگیا اور اس نے کہا: ’’جو باطل فتویٰ دیتا ہو، وہ امام نہیں ہوسکتا۔‘‘[1]

کلینی نے زرارہ بن اعین سے روایت کیا ہے، اس نے ابوجعفر سے نقل کیا، وہ کہتا ہے:

’’میں نے ان سے ایک مسئلے کے متعلق سوال کیا، انھوں نے مجھے اس کا جواب دیا۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا، اس نے بھی اس مسئلے کے متعلق سوال کیا تو اس کو انھوں نے میرے جواب سے مختلف جواب دیا، پھر ایک تیسرا آدمی آیا، اس نے بھی اسی مسئلے کی بابت سوال کیا تو اس کو پہلے دونوں جوابوں کے بالکل برعکس جواب دیا۔

’’جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے کہا: اے فرزندِ رسول ﷺ! دو عراقی شیعہ آپ کے پاس ایک ہی مسئلہ لے کر آئے، آپ نے دونوں کو میرے جواب سے مختلف جواب دیا؟ انھوں نے کہا: اے زرارۃ! یہی ہمارے اور تمھارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم ایک ہی بات پر اتفاق کر لو تو جو تم ہمارے متعلق کہو گے، لوگ اس کی تصدیق کریں گے، جس کے نتیجے ہمارے بقا اور تمھاری بقا خطرے سے دوچار ہو جائے گی۔‘‘[2]

بعض اوقات وہ ایک ہی آیت کی تفسیر میں تین مختلف اور متضاد جوابات دیتے اور یہ سمجھتے کہ یہ اس نے ان کے سپرد کر دیا ہے، جو چاہیں اس میں کہہ دیں۔[3]

لہٰذا آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ ایک ہی مسئلے کے متعلق ایک ہی مجلس میں مختلف جوابات ہیں اور یہ اختلاف دعوائے عصمت کی نفی کرتا ہے۔ یہ شیعہ منطق کے مطابق ہے، وگرنہ ابوجعفر محمد باقر سے اس جیسی کوئی بات بھی صادر نہیں ہوئی، ان کا دین، علم اور پرہیزگاری اس کی نفی کرتی ہے کہ وہ خوف یا تقیے کی وجہ سے اللہ کے دین میں کوئی جھوٹا فتویٰ دیں، لیکن یہ اور اس جیسی روایات ان لوگوں کے لیے حیلہ اور ہتھیار ہیں، جنھوں نے ان کی روایات میں رونما ہونے والے اختلاف اور تناقض کی پردہ پوشی کے لیے ائمہ میں غلو اور عصمتِ ائمہ کا عقیدہ

---

[1] فرق الشیعة (ص: ٥٩۔ ٦١)

[2] أصول الكافي (١/ ٦٥)

[3] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٢٦٥۔ ٢٦٦)

ایجاد کیا، حالاں کہ یہ روایات غالب گمان کے مطابق ان کے اپنے ہاتھوں سے وضع کردہ ہیں۔ اس لیے ان میں تناقض رونما ہوتا ہے، جو انہی کی جہالت کے لائق ہے۔

پھر وہ معصوم جس کی اتباع کا یہ دعویٰ کرتے ہیں، وہ بھی ان کو ان کے دین کی اصل اور اساس یعنی امامت میں اختلاف سے نہیں بچا سکا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ شیعہ کا ائمہ کی تعداد، شخصیات و اعیان، وقف امام کی واپسی کا انتظار یا دوسرے امام کی طرف جانا چاہیے، ان تمام امور میں شدید اختلاف ہے اور یہ اس سلسلے میں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع اور تکفیر کے فتوے لگاتے ہیں۔

یہ ان دیگر متناقض اور متضاد روایات کے علاوہ ہیں، جو دین کے بہت سارے امور اور اصول وفروع کے متعلق ہیں، لیکن اس عصمتِ مزعومہ نے اہلِ مذہب کو اختلاف سے بالکل نہیں روکا...ان کے اثر کا عدمِ وجود اس کی اصل اور اساس کے معدوم اور بے حقیقت ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علاوہ ازیں ممکن ہے کہ شیعہ نے نظریہ عصمت مجوسی مذہب سے وراثت میں پایا ہو، کیوں کہ مجوسی اپنے منتظر، جس کا وہ انتظار کر رہے ہیں، اس کے اور اس کے ساتھیوں کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے، اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور نہ ان سے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ سرزد ہوسکتا ہے...[1]

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا عصمت کا عقیدہ ایک ایسا معاملہ ہے، جس کا آج کوئی اثر نہیں رہا، کیوں کہ ۲۶۰ھ سے ائمہ کا عملاً وجود ختم ہو چکا ہے، اب غائب موعود کے انتظار کے سوا اور کچھ نہیں بچا۔ لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شیعہ کی حقیقی زندگی میں آج بھی اس عقیدے کے اثرات موجود ہیں، جن کا درج ذیل متعدد جوانب میں اظہار ہوتا ہے:

① ان کا بارہ اماموں سے منقول روایات پر اسی طرح عمل کرنا، جس طرح تمام مسلمان قرآن و سنت پر عمل کرتے ہیں۔

② شیعہ کا ان کی قبروں اور مزاروں میں غلو کرنا، ان کی عصمت میں اس قدر زیادہ غلو جو ان کو الوہی صفات کا حامل قرار دیتا ہے، ان کی قبروں اور مزاروں کے غلو میں تبدیل ہو جاتا ہے، لہٰذا ان کا طواف کیا جاتا ہے اور اللہ کے علاوہ ان کو پکارا جاتا ہے۔

③ شیعہ مجتہد کو بھی ایک حد تک یہ صفت اور مقام حاصل ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے پاس آنے والا، اللہ

---

[1] تثبيت دلائل النبوة (١/ ١٧٩)

کے پاس آنے والے کی طرح ہے اور وہ اللہ کے ساتھ شرک کی حد پر ہے۔

یہ انتہائی خطرناک بات ہے، کیوں کہ آج شیعہ کے آیات اور مراجعِ تقلید ہی سلطنتِ شیعہ کی قیادت سنبھالے ہوئے ہیں اور یہ اپنی قوم پر اپنی تعلیمات اس طرح لاگو کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی شریعت ہے اور شرک میں مبتلا ہونے کے خدشے کے پیشِ نظر کوئی ان پر اعتراض بھی نہیں کرسکتا۔

۴ اس فاسد عقیدے کو اپنائے رکھنا اور اس کو دین کی حیثیت دینا۔

تیسری فصل

تقیہ [1]

تقیہ کی تعریف:

مفید ان الفاظ میں شیعہ کے نزدیک تقیہ کی تعریف کرتا ہے:

''تقیہ حق کو چھپانا اور اس کے اعتقاد پر پردہ ڈالنا، مخالفین سے چھپانا اور اس انداز میں اپنے مذہب کا اظہار ترک کرنا، جس کے انجام کار دنیا یا آخرت میں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔'' [2]

مفید تقیے کی یہ تعریف کرتا ہے کہ یہ مخالفین سے کسی نقصان کے پہنچنے کے خدشے کے پیشِ نظر اعتقاد کو چھپانے کا نام ہے اور مخالفین اہلِ سنت ہیں، جیسا کہ شیعہ کے نزدیک یہ لفظ عموماً انھیں پر بولا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اہلِ سنت کے مذہب کا اظہار (جس کو یہ باطل خیال کرتے ہیں) اور رافضہ کے مذہب کا اخفا، جسے یہ حق سمجھتے ہیں، تقیہ ہے۔

اس بنیا پر بعض اہلِ سنت اس رائے کا اظہار کرتے ہیں:

اس عقیدے کے حامل منافقوں سے بھی برے ہیں، کیوں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس کفر کو وہ

---

[1] ''اِتَّقِيتُ الشَّيْءَ، وَتَقَيْتُهُ، أَتَّقِيهِ، تَقىً، وَتَقِيَّةً، وَتِقَاءً'' ڈرنا، احتراز برتنا۔ (لسان العرب، مادہ: وقي) اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''تقیہ اپنے دلی اعتقاد کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنے سے احتراز برتنے کا نام ہے۔'' (فتح الباري: ١/ ٣١٤)

اس کا لفظی معنی ہے: چھپانا۔ بعض اوقات انسان دل میں پوشیدہ بات کے خلاف اظہار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''تقیہ زبان کے ساتھ ہوتا ہے، اور دل ایمان پر مطمئن ہوتا ہے۔'' امام ابو العالیہ فرماتے ہیں: ''تقیہ زبان کے ساتھ ہوتا ہے، عمل کے ساتھ نہیں۔'' (تفسير الطبري: ٦/ ٣١٤۔ ٣١٥ تحقيق شاكر، فتح الباري: ١٣/ ٣١٤)

تقیہ باطن کے خلاف اظہار کا نام ہے۔ (النهاية لابن أثير: ١/ ١٩٣) اکثر عرب تقیہ کو تقاۃ بولتے ہیں، اس لیے قرآن کریم میں آیا ہے: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً﴾ [آل عمران: ٢٨] فراء کے خیال کے مطابق اس کا صحیح تلفظ تقیہ ہے اور ایک قراءت میں ''تقیہ'' بھی ذکر ہوا ہے۔ (معاني القرآن للفراء، ص: ٢٠٥، تفسير الطبري: ٦/ ٣١٧)

[2] شرح عقائد الصدوق (ص: ٢٦١) ملحق بكتاب أوائل المقالات.

دل میں چھپائے ہوئے ہیں، وہ باطل ہے، لیکن خوف کی وجہ سے وہ اسلام کا اظہار کرتے ہیں، لیکن یہ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ جس کو وہ دل میں چھپاتے ہیں، وہ حق ہے اور ان کا یہ طریقہ کار رسولوں اور ائمہ کا منہج ہے۔''[1]

اسلام میں تقیہ عموماً کافروں سے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ﴾ [آل عمران: ٢٨]

''مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا۔''

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ تقیہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے، کفار سے ہے، ان کے علاوہ کسی دوسرے سے نہیں۔''[2]

اس لیے بعض سلف کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسلام کو غالب کر دینے کے بعد تقیہ ختم ہو چکا ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے:

''تقیہ اسلام کے آغاز میں، مسلمانوں کی قوت سے پہلے تھا، لیکن آج اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت اور غلبہ دے دیا ہے اور ان کو اب ان سے تقیہ اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''[3]

لیکن شیعہ کا تقیہ مسلمانوں کے لیے بالخصوص اہلِ سنت سے ہے، بلکہ ان کا یہاں تک خیال ہے:

''قرونِ اولیٰ (مفضلہ) کا زمانہ عہدِ تقیہ ہے، جس طرح مفید نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے۔''[4]

یہ امر ان اقتباسات اور روایات میں بھی آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں، جو انھوں نے ائمہ کی طرف منسوب کی ہیں، کیوں کہ ان کا اعتقاد ہے کہ اہلِ سنت یہود و نصاریٰ سے بھی بڑے کافر ہیں، کیوں کہ بارہ اماموں کی امامت کا منکر منکرِ نبوت سے بھی شدید تر ہے۔[5] تقیہ اضطراری حالت میں رخصت ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو کفار کے ساتھ موالات کی ممانعت کے قانون سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ابن تيمية: رسالة في علم الظاهر والباطن، ضمن مجموعة الرسائل المنيرية (١/ ٢٤٨)

[2] تفسير الطبري (٦/ ٣١٦) تحقيق شاكر.

[3] دیکھیں: تفسير القرطبي (٤/ ٥٧) فتح القدير للشوكاني (١/ ٣٣١)

[4] اس کتاب میں اس کے الفاظ گزر چکے ہیں۔ دیکھیں (ص: ٦١)

[5] دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٧٦٤)

﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴾ [آل عمران: ٢٨]

''ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا اور اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا کفار کے ساتھ موالات قائم کرنے اور دوستی رکھنے سے منع کرنا بلیغ ترین وعید ہے۔ فرمایا: ﴿وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ﴾ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اس نہی کو خاطر میں نہ لایا اور اس کا ارتکاب کیا، وہ اللہ سے بَری ہیں۔ پھر فرمایا: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً﴾ [آل عمران: ٢٨] یعنی اس کے سوا جس کو بعض علاقوں یا بعض اوقات میں ان کے شر کا خوف ہو تو وہ اپنے ظاہر کے ساتھ باطن اور نیت کے ساتھ نہیں، ان سے تقیہ کر سکتا ہے۔[1]

اہلِ علم کا اجماع ہے کہ تقیہ ضرورت کی حالت میں رخصت ہے۔ امام ابن منذر کہتے ہیں:

''اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کر دیا جائے، حتی کہ اس کو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں تو وہ کافر ہو جائے، لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو اس پر کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔''[2]

لیکن جو شخص ایسی صورتِ حال میں عزیمت پر کار بند رہتا ہے تو وہ افضل ہے۔ امام ابن بطال کہتے ہیں:

''اس بات پر اجماع ہے کہ جس کو کفر پر مجبور کر دیا جائے، لیکن وہ قتل ہونا منتخب کر لے تو اس کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ اجر ہے۔''[3]

لیکن وہ تقیہ جو شیعہ کے نزدیک ہے، وہ اس سے مختلف ہے۔ وہ شیعہ کے نزدیک رخصت نہیں، بلکہ نماز کی طرح کا یا اس سے بھی بڑا ان کے دین کا ایک رکن ہے۔ شیعہ عالم ابن بابویہ کہتا ہے:

---

1. تفسیر ابن کثیر (١/ ٣٧١) کتبِ تفسیر میں ان آیات آلِ عمران (آیت: ٢٨) والنحل (آیت: ١٠٦) کے تحت آپ یہ معنی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔
2. فتح الباري (١٢/ ٣١٤)
3. فتح الباري (١٢/ ٣١٧)

''تقیہ کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ یہ واجب ہے۔ جس نے اسے ترک کیا، وہ تارکِ نماز کے قائم مقام ہے۔''[1]

صادق کہتا ہے:

''اگر میں یہ کہوں کہ تارکِ تقیہ، تارکِ نماز کی طرح تو میں سچ کہوں گا۔''[2]

بلکہ انھوں نے نبی مکرم ﷺ کی منسوب کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تارکِ تقیہ تارکِ نماز کی طرح ہے۔''[3]

پھر ان لوگوں نے تقیے کا درجہ مزید بڑھاتے ہوئے اسے دین کا نوے فیصد حصہ قرار دیا ہے۔ پھر انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے تقیے ہی کو سارا دین قرار دیا ہے۔ جو تقیہ نہیں کرتا، اس کا کوئی دین نہیں۔ اصولِ کافی وغیرہ میں جعفر بن محمد سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''دین کا نوے فیصد حصہ تقیے میں ہے۔ جو تقیہ نہیں کرتا، اس کا کوئی دین نہیں۔''[4]

شیعہ نے ترکِ تقیہ کو شرک کے برابر گناہ قرار دیا ہے، جو بخشا نہیں جائے گا۔ شیعہ کی روایات کہتی ہیں:

''مومن سے دنیا میں جو گناہ سرزد ہوں، اللہ تعالیٰ ان تمام کو معاف کر دے گا، سوائے دو گناہوں کے: ① ایک ترکِ تقیہ اور ② دوسرے اخوان (بھائیوں) کے حقوق ضائع کرنا۔''[5]

تقیہ دینِ اسلام میں جہاد اور دعوت کا دین ہے، جو ایک مسلمان کے کردار میں عمومی رویے کی نمایندگی کرتا ہے نہ یہ اسلامی معاشرے کی کوئی نمایاں علامت ہی ہے، بلکہ یہ عموماً عارضی اور انفرادی حالت ہوتی ہے، جو حالتِ اضطرار کے ساتھ متصل اور ہجرت کی عدمِ استطاعت کے ساتھ مربوط ہوتی ہے اور حالتِ اضطرار کے ختم ہونے کے ساتھ ہی زائل ہوجاتی ہے، لیکن شیعہ مذہب میں یہ مذہب کے بنیادی ڈھانچے میں شامل اور اس کا ذاتی مزاج اور جبلت ہے۔ ابوعبداللہ کہتے ہیں:

---

[1] الاعتقادات (ص: ١١٤)

[2] ابن إدريس: السرائر (ص: ٤٧٩) ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (٢/ ٨٠) جامع الأخبار (ص: ١١٠) الحر العاملي: وسائل الشيعة (٧/ ٩٤) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١٢ـ ٤١٤)

[3] جامع الأخبار (ص: ١١٠) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١٢)

[4] أصول الكافي (٢/ ٢١٧) البرقي: المحاسن (ص: ٢٥٩) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٠) المجلسي: بحار الأنوار (٧٥/ ٤٢٣)

[5] تفسير الحسن العسكري (ص: ١٣٠) وسائل الشيعة (١١/ ٤٧٤) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١٥)

''تم ایسے دین پر ہو، جس نے اس کو چھپایا، اللہ تعالیٰ اس کو عزت دے گا اور جس نے اسے پھیلایا، اس کو اللہ تعالیٰ رسوا کر دے گا۔''[1]

مزید کہا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں ہمارے لیے اور تمھارے لیے تقیے کے علاوہ ہر چیز سے انکار کیا ہے۔''[2]

تقیہ شیعہ کے نزدیک استمراری حالت اور دائمی اجتماعی رویہ ہے۔ ابن بابویہ اپنی کتاب "الإعتقادات" (جس کا نام ان کے نزدیک ''دینِ امامیہ'' ہے) میں لکھتا ہے:

''تقیہ واجب ہے، اس کو اس وقت تک منسوخ کرنا جائز نہیں، جب تک قائم کا ظہور نہ ہو جائے۔ جس نے اس کو قائم کے خروج سے پہلے ترک کر دیا تو وہ اللہ کے دین سے اور امامیہ کے دین سے نکل گیا اور اس نے اللہ، رسول اور ائمہ کی مخالفت کی۔''[3]

شیعہ کتب علی بن موسیٰ رضا سے روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا:

''جس کا تقیہ نہیں، اس کا کوئی ایمان نہیں اور تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے، جو تقیے پر زیادہ عمل کرنے والا ہے۔'' (گویا یہ اس آیت: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات: ١٣] کی تفسیر کر رہے ہیں)

ان سے پوچھا گیا: اے فرزندِ رسول! یہ کب تک رہے گا؟ انھوں نے کہا:

''معلوم وقت تک، جو ہمارے قائم کے ظہور کا وقت ہے۔ جس نے ہمارے قائم کے خروج سے پہلے تقیہ ترک کر دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔''[4]

تقیہ تمام دیارِ اسلام میں ہر شیعہ شخص کے لیے لازم ملزوم ہے، بلکہ یہ دار الاسلام کو ''دار التقیہ'' کا نام دیتے ہیں۔ شیعہ روایات میں ذکر ہوا ہے کہ ''تقیہ دار التقیہ میں واجب ہے۔''[5] اس کو یہ مملکتِ باطل کا نام بھی دیتے ہیں، ان کے بقول:

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٢٢)

[2] المصدر السابق (٢/ ٢١٨)

[3] الاعتقادات (ص: ١١٤۔ ١١٥)

[4] ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ٣٥٥) الطبرسي: أعلام الورىٰ (ص: ٤٠٨) أبو القاسم الرازي: كفاية الأثر (ص: ٣٢٣) وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٥) نیز اسی معنی کے لیے دیکھیں: جامع الأخبار (ص: ١١٠) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١٢)

[5] جامع الأخبار (ص: ١١٠) بحار الأنوار (٧٥/ ٤١١)

''جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ مملکتِ باطل میں تقیہ کے سوا قطعاً کلام نہ کرے۔''[1]

دولتِ اسلام کو یہ دولتِ ظالمین سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں:

''دولتِ ظالمین میں ہم پر تقیہ ایک واجب فریضہ ہے، جس نے اس کو ترک کر دیا، اس نے دینِ امامیہ کی مخالفت کی اور اس کو چھوڑ دیا۔''[2]

وہ یہ بات تاکید کے ساتھ کہتے ہیں کہ شیعہ کی اہلِ سنت کے ساتھ معاشرت تقیہ کے ساتھ ہو۔ حر عاملی نے اس کی ترجمانی یہ باب قائم کر کے کی ہے:

''باب: عامہ (اہلِ سنت) کے ساتھ تقیے کے ساتھ معاشرت کا وجوب۔''[3]

انھوں نے ابوعبداللہ کی طرف اس روایت کی نسبت کی ہے کہ انھوں نے کہا:

''جس نے ان کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی، وہ ایسے ہی ہے، جیسے اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی۔''[4]

مزید کہا:

''جس نے منافقوں کے پیچھے تقیے کے ساتھ نماز پڑھی، وہ ائمہ کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی طرح ہے۔''[5]

''کشف الغطا'' کا مصنف کہتا ہے:

''تقیہ جب واجب ہو جائے تو جب بھی عبادت اس کے خلاف بجا لائی جائے گی، وہ باطل ہوگی، اس کی بہت زیادہ ترغیب وارد ہوئی ہے۔ یہ آلِ محمد کا دین ہے اور جس کا تقیہ نہیں، اس کا دین ہی نہیں۔''[6]

بلکہ تقیہ کا اگر کوئی باعث اور بہانہ نہ بھی ہو، تب بھی یہ جاری اور نافذ رہتا ہے۔ ان کی روایات شیعہ شخص کو اس آدمی کے ساتھ بھی تقیہ آمیز رویہ اپنانے پر اکساتی ہیں، جس سے اس کوئی خطرہ نہ ہو، تاکہ یہ اس کی عادت ثانیہ بن جائے اور جب کسی سے ڈرنے کی ضرورت پیش آئے، تب اس کو بلا جھجک استعمال کرے۔

---

[1] جامع الأخبار (ص: ۱۱۰) بحار الأنوار (۷۵/ ٤١٢)

[2] بحار الأنوار (۷۵/ ٤٢١)

[3] وسائل الشيعة (۱۱/ ٤٧٠)

[4] بحار الأنوار، باب التقية (۷۵/ ٤٢١)

[5] جامع الأخبار (ص: ۱۱۰) بحار الأنوار (۷۵/ ٤١٢)

[6] جعفر النجفي: كشف الغطا (ص: ٦١)

شیعہ کی کتابیں روایت کرتی ہیں:

''تقیہ کو لازمی طور پر اختیار کرو۔ وہ ہم میں سے نہیں جو اس کے ساتھ بھی اس کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا نہیں بناتا، جس سے اس کو کوئی خطرہ نہ ہو، تاکہ یہ اس کی اس کے ساتھ بھی فطرت بن جائے، جس اس کو کوئی ڈر اور خوف ہو۔''[1]

چوں کہ اس صورت میں تقیہ جھوٹ اور منافقت کے سوا کوئی دوسرا مفہوم نہیں رکھتا، جس کو فطرتِ سلیمہ ناپسند کرتی ہے، راست طبیعتیں اس سے گھن کھاتی ہیں اور عقلیں اس کو بالکل قبول نہیں کرتیں، اس لیے شیعہ کی روایات نے اس کو اپنے پیروکاروں کے لیے پسندیدہ بنانے اور ان کو، عبادت کے نام پر بلکہ اس کو تمام عبادات میں سے اللہ کا محبوب ترین قرار دے کر اس کا عادی بنانے کے لیے فریب دینے کی سعی لا حاصل بھی کی ہے۔

کلینی نے روایت کیا ہے:

''ہشام کندی سے مروی ہے کہ میں نے ابوعبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی چیز کے ساتھ عبادت نہیں کی گئی، جو اس کو ''خبء'' (چھپانا) سے زیادہ محبوب ہو۔ میں نے کہا: ''خبء'' کیا ہے؟ انھوں نے کہا: تقیہ۔''[2]

کافی وغیرہ میں مذکور ہے:

''محمد بن مروان، ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ میرے والد کہا کرتے تھے: تقیے سے زیادہ میری آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی کون سے چیز ہے؟''[3]

ایک روایت میں ہے:

''اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے تقیے سے بڑی کوئی چیز پیدا نہیں کی۔''[4]

یہ ہیں اثنا عشریہ کے نزدیک تقیے کے معالم اور اثرات۔ صاحبِ کافی نے ''باب التقیة''[5]، ''باب

---

[1] أمالي الطوسي (١/ ١٩٩) وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٦) بحار الأنوار (٧٥/ ٣٩٥)

[2] أصول الكافي (٢/ ٢١٩) نیز دیکھیں: ابن بابويه: معاني الأخبار (ص: ١٦٢) وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٢)

[3] أصول الكافي (٢/ ٢٢٠)

[4] ابن بابويه: الخصال (ص: ٢٢) جامع الأخبار (ص: ١١٠) البرقي: المحاسن (ص: ٢٥٨) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١١/ ٤٦٠، ٤٦٤) بحار الأنوار (٧٥/ ٣٩٤)

[5] أصول الكافي (٢/ ٢١٧)

الکتمان"[1] اور "باب الإذاعة"[2] میں اس کے متعلق روایات ذکر کی ہیں۔

مجلسی نے "باب التقیة والمداراة"[3] میں اپنی ۱۰۹ روایات ذکر کی ہیں۔ جہاں تک تقیے میں اس قدر غلو کا سبب ہے، تو وہ ان مندرجہ ذیل امور کی طرف لوٹتا ہے:

① شیعہ خلفائے ثلاثہ کی امامت و خلافت کو باطل خیال کرتے ہیں، لہٰذا وہ اور ان کی بیعت کرنے والے سب کافروں کی فہرست میں ہیں، باوجودیکہ حضرت علی نے بھی ان کی بیعت کی تھی، ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں، ان کی معیت میں جہاد کیا، ان کے ساتھ رشتے قائم کیے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کر کے لونڈیاں حاصل کیں اور جب منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو انھی کے نقشِ قدم پر رواں دواں ہوئے اور ابوبکر و عمر نے جو کچھ کیا تھا، اس میں ذرہ بھر تبدیلی نہ کی۔ اس بات کا خود شیعہ کی کتابوں کو بھی اعتراف ہے[4] اور ان کا یہ طرزِ عمل شیعہ مذہب کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس تناقض سے نکلنے کی کوشش کی ہے، جو تقیے کے عقیدے کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔

② انھوں نے ائمہ کی عصمت کا عقیدہ پیش کیا ہے، جس کے مطابق وہ غلطی کرتے ہیں نہ بھولتے ہیں اور نہ غفلت ہی کے شکار ہوتے ہیں، جب کہ یہ دعویٰ ان کی سیرت و کردار کے خلاف ہے، بلکہ خود شیعہ کی روایات بھی، جو ائمہ کی طرف منسوب ہیں، اختلاف اور تضاد کا شکار ہیں اور کوئی ایسی روایت موجود نہیں، جس کے برعکس اور متضاد روایت موجود نہ ہو اور اس بات کا خود شیعہ عالم ابن طوسی کو اعتراف ہے۔[5]

اس اختلاف کا وجود نظریۂ عصمت کو بیک جنبش قلم توڑ کر رکھ دیتا ہے، لہٰذا اس اختلاف و تناقض کے لیے جواز تلاش کرنے اور اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لیے انھوں نے عقیدہ تقیہ ایجاد کر لیا۔

صاحبِ کافی، منصور بن حازم سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا:

''میں نے ابوعبداللہ سے کہا: کیا وجہ ہے کہ میں آپ سے ایک مسئلے کا جواب دریافت کرتا ہوں تو مجھے اس کا جواب دیتے ہیں، پھر کوئی دوسرا آدمی اس مسئلے کے متعلق استفسار کرتا ہے تو آپ اس کو

[1] أصول الکافي (۲/ ۲۲۱)
[2] أصول الکافي (۲/ ۳۶۹)
[3] بحار الأنوار (۷۵/ ۳۹۳۔ ٤٤۳)
[4] دیکھیں: صفحہ نمبر (۴۵۶)
[5] دیکھیں: صفحہ نمبر (۳۹۲)

کوئی دوسرا جواب دے دیتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہم لوگوں کو کمی بیشی کر کے جواب دیتے ہیں۔''[1]

شارح کافی کہتا ہے:

''زیادہ کا حکم تقیے کے وقت ہوتا ہے اور کم کا تقیے کے نہ ہونے کے وقت ...ان کا یہ کہنا بے علمی یا بھولنے کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ ان کا اختلاف پر مبنی جواب ان کے لیے زیادہ درست اور ان کی بقا کے لیے زیادہ مفید ہے، کیوں کہ اگر ان میں اتفاق ہو جائے تو ان کا تشیع چھپا نہیں رہ سکے گا اور یہ ان کے اور ان کے ائمہ کے قتل کا سبب بن جائے گا۔''[2]

بنا بریں سلیمان بن جریری زیدی کی تقیے کے نظریے کے متعلق یہ رائے ہے کہ یہ محض اختلاف اور تضاد کی پردہ پوشی کے لیے ہے، کیوں کہ جب انھوں نے دیکھا کہ ایک ہی مسئلے کے جواب میں ان کے ائمہ کے اقوال اختلاف اور تضاد پر مبنی ہیں، جب کہ مختلف مسائل میں ایک ہی جواب پر متفق ہیں، جب ان کو اس شے کا علم ہوا، تو ان سے (شیعہ کے علماے سو کی روایت کے مطابق) ان کے ائمہ نے کہا:

''ہم نے یہ جواب تقیے کی وجہ سے دیے ہیں۔ ہم جس طرح چاہیں اور جو چاہیں جواب دے سکتے ہیں، کیوں کہ یہ ہمارے اختیار میں ہے اور ہم بہتر جانتے ہیں کہ کیا تمھارے لیے زیادہ درست ہے، کس میں ہماری اور تمھاری بقا ہے اور کس طرح ہم اپنے آپ سے اور تم سے دشمن کو روک سکتے ہیں۔ انھوں نے کہا: کون ان میں جھوٹ پر مطلع ہوتا ہوگا اور ان کے سامنے جھوٹ اور حق کیسے عیاں ہوتا ہوگا؟''[3]

③ ائمہ پر جھوٹ باندھنے والوں کا کام آسان کرنا اور اہلِ بیت کے مذہب کی حقیقت کو چھپا کر رکھنا، تاکہ پیروکاروں کو یہ باور کرواسکیں کہ جو وہ (نظریہ تقیہ کے خالق) ائمہ سے نقل کرتے ہیں، وہی ان کا مذہب ہے، لیکن جو ان کی طرف سے مشہور کیا جاتا ہے، جو وہ کہتے ہیں اور جو مسلمانوں کے سامنے کرتے ہیں، وہ شیعہ مذہب کی نمایندگی نہیں کرتا، کیوں کہ یہ سب تقیے کی وجہ سے کرتے ہیں، لہٰذا اس حیلے کے ساتھ ان کے لیے ان کے اقوال رد کرنے، ان کے مذہب میں اپنی باتیں داخل کرنے اور جو ان سے حق نقل کیا جاتا ہے، اس کی تکذیب کے لیے ان کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

[1] أصول الكافي (١/ ٦٥)

[2] المازندراني: شرح جامع (٢/ ٣٩٧)

[3] القمي: المقالات والفرق (ص: ٧٨) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٦٥۔ ٦٦)

مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ امام محمد باقر یا جعفر صادق کے اس کلام اور خطاب کو جو وہ سرعام لوگوں سے کرتے ہیں یا ان سے عادل مسلمان نقل کرتے ہیں، اس دلیل کی بنا پر رد کر دیتے ہیں کہ یہ بعض اہلِ سنت کی موجودگی میں تھا، لہٰذا انھوں نے اپنے کلام میں تقیہ اختیار کیا، لیکن جو باتیں جابر جعفی جیسے کذاب اکیلے ہی ان سے نقل کرتے ہیں، ان کو اس دلیل کی بنا پر فوراً قبول کر لیتے ہیں کہ وہاں کوئی ایسا شخص موجود نہیں تھا، جس سے وہ تقیہ کرتے۔

آپ کے لیے یہ جاننا ہی کافی ہوگا کہ امام زید بن علی جو اہلِ بیت سے ہیں، حضرت علی سے روایت کرتے ہیں، اس روایت کو خود اثنا عشریہ کی کتابیں بھی نقل کرتی ہیں کہ انھوں نے وضو میں اپنے پاؤں دھوئے، لیکن جس شخص کو یہ شیخ الطائفہ کا لقب دیتے ہیں، وہ اس حدیث کو قبول نہیں کرتے اور اس کے پاس تقیے کا دعویٰ کرنے کے سوا کوئی حجت نہیں، جس کو وہ پیش کر سکے۔ وہ "الاستبصار" میں ''زید بن علی عن جدہ علی بن ابی طالب'' کی سند سے حدیث ذکر کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''میں وضو کرنے کے لیے بیٹھا، جب میں نے وضو شروع کیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ... پھر انھوں نے کہا: میں نے اپنے پاؤں دھوئے تو آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: اے علی! انگلیوں کے درمیان خلال کر، آگ کے ساتھ خلال نہ کر۔''[1]

آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت علی وضو میں پاؤں دھوتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو انگلیوں کا خلال کرنے کا تاکیداً حکم فرمایا، لیکن شیعہ اس مسئلے میں سنتِ رسول اور سیرتِ علی کی مخالفت کرتے ہیں اور ان روایات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے، چاہے یہ ان کی اپنی کتابوں میں ائمہ اہلِ بیت کی روایات ہی سے کیوں نہ مروی ہوں۔ شیعہ علما بھی ان روایات پر غور وفکر کرنے اور ان پر تحقیق کرنے کا کوئی تکلف نہیں کرتے، کیوں کہ ان کے پاس تقیے کی ''ریڈی میڈ'' دلیل موجود ہے۔ چناں چہ طوسی کہتا ہے:

''یہ حدیث عامہ (اہلِ سنت) کی موافقت کرتی ہے اور موردِ تقیہ میں ذکر ہوئی ہے، کیوں کہ ہمارے ائمہ کا جو شک وشبہہ سے بالاتر مذہب ہے، وہ پاؤں پر مسح کرنے کا قول ہے۔''

پھر وہ کہتا ہے:

''اس روایت کے تمام راوی عامہ اور زیدی ہیں اور جو ان کے ساتھ خاص ہو، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔''[2]

---

[1] الاستبصار (١/ ٦٥۔ ٦٦)

[2] الاستبصار (١/ ٦٥۔ ٦٦)

پھر اس نے ابو عبداللہ جعفر صادق سے ایک دوسری روایت نقل کی ہے، جو پاؤں کو دھونے میں صریح ہے، اس کو بھی وہ تقیے پر محمول کرتا ہے۔ [1] اذان کے مسئلے میں بھی جو قول اس کے مذہب اور علما کے ساتھ اتفاق نہیں رکھتا، اس کو بھی اس نے تقیے پر محمول کیا ہے۔ [2] وراثت کی تقسیم میں ان کا یہ قاعدہ ہے کہ عورت زمین اور گھروں پر مشتمل جائداد میں کسی چیز کی وارث نہیں بن سکتی۔ [3]

جب ان کے پاس ائمہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو کر آتی ہے، جو اس قاعدے کی مخالفت کرتی ہو، جیسے ابو یعفور کی ابو عبداللہ سے روایت، جس میں وہ ذکر کرتا ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے آدمی کے متعلق سوال کیا کہ کیا وہ اپنی بیوی کے گھر یا زمین کا وارث بن سکتا ہے یا وہ اس صورتِ حال میں عورت ہی کی طرح ہوگا اور اس میں کسی چیز کا وارث نہیں بن سکے گا؟ انھوں نے جواب دیا:

''وہ دونوں ایک دوسرے کی ہر چیز میں، جو وہ ترکے میں چھوڑیں، وارث بنیں گے۔'' [4]

تو طوسی نے کہا:

''ہم اس کو تقیے پر محمول کریں گے، کیوں کہ ہمارے تمام مخالفین، اس مسئلے میں ہمارے مخالف ہیں، عامہ میں سے کوئی بھی ہمارے ساتھ اس میں موافقت نہیں رکھتا اور جو اس طرح ہو، اس میں تقیہ جائز ہوتا ہے۔'' [5]

نکاح کے باب میں ان کی حرمتِ متعہ کے متعلق روایات بھی ذکر ہوئی ہیں، ان کی کتابوں میں ''زید بن علي عن آبائه عن علي'' کی سند سے ذکر ہے کہ حضرت علی نے کہا:

''رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن گھریلوں گدھوں کا گوشت اور نکاحِ متعہ حرام قرار دیا۔'' [6]

حر عاملی کہتا ہے:

''میں کہتا ہوں، اس کو شیخ [7] وغیرہ نے تقیے پر محمول کیا ہے، یعنی روایت میں، کیوں کہ متعہ کا جواز

---

[1] المصدر السابق (١/ ٦٥)

[2] المصدر السابق (١/ ٦٠٨) جیسا کہ اذانِ فجر کے متعلق مذکور ہے کہ وہ ''الصلاة خير من النوم'' کہا کرتے تھے۔

[3] دیکھیں: الاستبصار للطوسي، باب في أن المرأة لا ترث من العقار والدور شيئاً (٤/ ١٥١۔ ١٥٥)

[4] المصدر السابق (٤/ ١٥٤)

[5] المصدر السابق (٤/ ١٥٥)

[6] دیکھیں: الطوسي: تهذيب الأحكام (٢/ ١٨٤) الاستبصار (٣/ ١٣٢) الحر العاملي: وسائل الشيعة (٧/ ٤٤١)

[7] شیعہ کی کتابوں میں جب مطلقاً ''شیخ'' کا لفظ بولا جائے تو اس سے ان کی مراد شیخ طوسی ہوتا ہے۔

مذہبِ امامیہ کی ضروریات اور بنیادی امور میں داخل ہے۔''[1]

④ نظریہ تقیہ شیعہ کو مسلمانوں سے جدا کرنے کے لیے ایجاد کیا گیا، اس لیے ان کی اس کے متعلق روایات اس طرز پر ذکر ہوئی ہیں۔ شیعہ امام ابوعبداللہ کہتا ہے:

''میری تم جو بات لوگوں کی بات کے مشابہ سنو تو اس میں تقیہ ہے اور میری جو بات تم ایسی سنو جو لوگوں کی بات کے مشابہ نہ ہو تو اس میں تقیہ نہیں۔''[2]

یہ ایک خطرناک نظریہ ہے، جس پر عمل پیرا ہونا شیعہ کو کلی طور پر اسلام سے نکال دیتا ہے اور ان کو ملحدین اور زندیقوں کی لڑی میں پرو دیتا ہے، کیوں کہ انھوں نے مسلمانوں کی مخالفت کو ایک قاعدے کی شکل دے دی ہے، جس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ کافروں کی موافقت کریں گے اور مسلمانوں کی مخالفت دیکھیے! تباہ شدہ صدیوں کے زندیقوں نے کس حد تک ان کو کھلونا بنائے رکھا ہے!

اس عقیدہ تقیہ کے اثرات کے نتیجے میں شیعہ کے ہاں ائمہ کا مذہب مفقود ہو چکا ہے، بلکہ شیعہ کے علما کو بھی اکثر اقوال کے متعلق کوئی علم نہیں کہ کون سا قول تقیہ ہے اور کون سا حقیقی؟[3] انھوں نے ان کے لیے ایک یہ پیمانہ مقرر کر دیا ہے کہ ''جو عامہ (اہلِ سنت) کے خلاف ہو، اسی میں ہدایت ہے۔''[4] جس نے مذہب کو غلو کے دائرے میں داخل کر دیا ہے۔

حدائق کے مصنف کو بھی یہ اعتراف ہے کہ تقیے کی وجہ سے ان کے دینی احکام میں بہت تھوڑا کچھ معلوم ہے۔ وہ کہتا ہے:

''دین کے احکام یقینی طور پر بہت تھوڑے معلوم ہیں، کیوں کہ اس کے احکام کی روایات تقیہ کی روایات کے ساتھ خلط ملط ہوچکی ہیں، اسی طرح (شیعہ کے) ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے بھی اپنی جامع کافی میں یہ اقرار کیا ہے، بلکہ اس نے تو اخبار کے تعارض کے وقت مروی ترجیحات پر عمل کرنے کو غلط قرار دیا ہے اور محض انھیں رد کرنے اور ائمہ ابرار کے سامنے جبینِ نیاز

---

① وسائل الشیعة (٧/ ٤٤١)

② بحار الأنوار (٢/ ٢٥٢) مجلسی نے اسے "تهذيب الأحكام للطوسي" کی طرف منسوب کیا ہے۔

③ اس سلسلے میں علمائے شیعہ کے خلاف سویدی کا استدلال اور شیعہ علما کا مبہوت اور لاجواب ہونا ملاحظہ کریں: مؤتمر النجف (ص: ١٠٦)

④ دیکھیں: ''اجماع کے متعلق شیعہ کا عقیدہ'' (ص: ۴۳۵)

جھکانے ہی میں عافیت سمجھی ہے۔‘‘[1]

لیکن شیعہ کے نزدیک جس طرح تقیے پر عمل کیا جاتا ہے، وہ اس حقیقت کو بڑے سلیقے سے بے نقاب کرتا ہے کہ ان کا تقیہ حالتِ اضطرار کے ساتھ مربوط و منسلک نہیں، صاحبِ حدائق یہ اقرار کرتا ہے کہ ائمہ: ’’احکام میں مختلف جوابات دیتے ہیں، خواہ اس مخلوق کا کوئی فرد بھی ان کے پاس موجود نہ ہو۔ آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہی مسئلے کے متعدد جوابات دیتے ہیں، خواہ مخالفین میں سے کوئی بھی ان کا قائل نہ ہو۔‘‘[2]

اس باب میں بہت زیادہ مثالیں موجود ہیں۔ کلینی روایت کرتا ہے:

’’...موسیٰ بن اشیم نے کہا: میں ابوعبداللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ایک آدمی نے ایک قرآنی آیت کے بارے میں استفسار کیا، انھوں نے اس کو اس کا جواب دیا، پھر کوئی دوسرا آنے والا آیا اور اس نے بھی اسی آیت کے متعلق سوال کیا، لیکن اس کو انھوں نے پہلے کے جواب کے برعکس جواب دیا۔ وہ کہتا ہے: اس کی وجہ سے میرے دل میں شک پڑ گیا۔ میں اس طرح محسوس کرتا تھا کہ میرے دل کو چھریوں کے ساتھ چیرا جا رہا ہے۔ میں نے دل میں کہا: میں شام میں ابوقتادہ کو چھوڑ کر آیا، جو ایک واؤ میں بھی غلطی نہیں کرتا تھا اور اس کے پاس آیا جو اتنی کھلی غلطی کر رہا ہے۔ میں اسی حالت میں تھا کہ ایک تیسرا شخص آیا، اس نے بھی اسی آیت کے متعلق پوچھا، تو اس کو انھوں نے پہلے دونوں لوگوں کے جواب سے بھی مختلف جواب دیا، تو میرے دل کو قرار آ گیا اور مجھے علم ہوگیا کہ یہ تقیے کا نتیجہ ہے۔ وہ کہتا ہے: پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: اے ابن اشیم! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے سپرد کیا اور کہا: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ۷] ’’اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ۔‘‘ تو جو اس نے رسول کے سپرد کیا، وہی ہمارے سپرد کیا۔‘‘[3]

دیکھیے! یہ لوگ کس طرح جعفر صادق کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ وہ قرآن کی غلط تاویل کر کے، بلکہ امت کے درمیان مختلف اور متضاد تفسیرات پھیلا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں؟ اس کے بعد شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دین کے امور اس کے سپرد ہیں، جو وہ چاہے سو کرے۔ یہ تقیہ نہیں، بلکہ اللہ کی کتاب میں الحاد اور اس کے

[1] يوسف البحراني: الحدائق الناضرة (١/ ٥)

[2] المصدر السابق.

[3] أصول الكافي (١/ ٢٦٥ـ ٢٦٦)

دین سے روکنا ہے۔

پھر کیا قرونِ اولیٰ میں اپنے زمانے کے اہلِ بیت کے عالمِ دین کو قرآنِ کریم کی تفسیر میں تقیہ کا سہارا لینے کی کوئی ضرورت رہتی ہے؟ شیعہ کا نظریہ ہے کہ ان کے امام بلا جواز محض تقیے کے موجب حلال کو حرام کرنے اور حرام کو حلال کرنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ کافی میں ابان بن تغلب سے روایت ہے کہ اس نے کہا:

''میں نے ابوعبداللہ کو کہتے ہوئے سنا: میرے والد بنو امیہ کے زمانے میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جس پرندے کو باز یا شاہین قتل کرے، وہ حلال ہے اور وہ ان سے تقیہ کرتے تھے، لیکن میں ان سے تقیہ نہیں کرتا، جس کو یہ قتل کرے، وہ حلال ہے اور وہ ان سے تقیہ کرتے تھے، لیکن میں ان سے تقیہ نہیں کرتا، جس کو یہ قتل کرے، وہ حرام ہے۔''[1]

تقیہ کے بلا جواز صریحاً جھوٹ ہونے پر درج ذیل یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے، جس کو کلینی نے محمد بن مسلم سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''میں ابوعبداللہ (جعفر صادق) کے پاس آیا اور ان کے پاس ابوحنیفہ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ انھوں نے کہا: ابن مسلم! بیان کرو، اس کی تعبیر کا علم رکھنے والا موجود ہے اور انھوں نے ابوحنیفہ کی طرف اشارہ کیا (راوی نے ابوحنیفہ کو اپنا خواب سنایا تو ابوحنیفہ نے اس کو (ان کے زعم کے مطابق) جواب دیا)۔''

ابوعبداللہ نے کہا: ابوحنیفہ! بخدا! آپ نے درست کہا ہے۔ راوی کہتا ہے:

''پھر ابوحنیفہ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو میں نے ان سے کہا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں! میں نے اس ناصبی کی تعبیر ناپسند کی ہے۔ انھوں نے کہا: اے ابومسلم! اللہ تجھے تکلیف نہیں دے گا، ان کی تعبیر ہماری تعبیر کے مطابق ہوتی ہے نہ ہماری تعبیر ان کی تعبیر کے مطابق۔ اس کی تعبیر وہ نہیں جو وہ بیان کر کے گیا ہے۔ وہ کہتا ہے: میں نے کہا: آپ نے قسم اٹھا کر اس سے کہا ہے کہ تم نے درست کہا، جب کہ وہ غلط ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، میں نے قسم کھا کر کہا ہے کہ وہ غلطی میں درست ہے۔''[2]

کیا اس روایت میں تقیے کا کوئی جواز بنتا ہے؟ کیا ابوحنیفہ اقتدار یا قوت کے مالک تھے کہ جن سے ڈر کر

[1] فروع الكافي، باب صيد البزاة والصقور (٦/ ٢٠٨)

[2] روضة الكافي (٨/ ٢٩٢) ط: إيران.

تقیہ اختیار کیا جاتا؟ کیا اس کی تعریف کرنے اور قسم کھا کر ان کے جواب کو درست کہنے کی کوئی ضرورت یا اضطراری حالت تھی کہ جب وہ گئے تو ان پر ناصبی ہونے کا حکم لگا دیا اور ان کے جواب کو غلط قرار دے دیا؟ کیا اس کی اس کے علاوہ کوئی اور توجیہ ہوسکتی ہے کہ یہ بلا جواز دھوکے بازی اور دروغ گوئی ہے؟ ہم جعفر کو اس الزام و افترا سے بَری سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خود جعفر کی ذات کے لیے گالی اور طعن و تنقید ہے، جن کی محبت اور شیعہ ہونے کے وہ دعوے دار ہیں۔

جتنا کوئی رافضی جھوٹ سازی اور فریب بافی میں ماہر ہو، اتنا ہی اس کا شیعہ کے نزدیک مرتبہ و مقام بڑھ جاتا ہے، اسی لیے محمد باقر صدر نے حسین بن روح کی ثنا خوانی[1] کی ہے اور کہا ہے کہ اس نے ''بابیہ'' کی ذمے داری بڑے احسن انداز میں نبھائی ہے، کیوں کہ ''اس کا مسلک تھا کہ دوگنا زیادہ تقیے کا التزام کیا جائے اور مذہب اہلِ سنت کے مطابق اعتقاد کا نمایاں اور توجہ طلب اظہار کیا جائے۔''[1]

طوسی کی کتاب ''الغیبۃ'' میں ذکر ہوا ہے:

''عبداللہ بن غالب کہتا ہے: میں نے شیخ ابو القاسم حسین بن روح سے زیادہ عقل مند کوئی انسان نہیں دیکھا۔ میری ان کے ساتھ ملاقات ایک دن ابن یسار کے گھر ہوئی، ان کی سید اور مقتدر کی نگاہ میں بڑی قدر و منزلت تھی۔ عامہ بھی اس کی تعظیم کرتے تھے۔

''میرا اس کے ساتھ آمنا سامنا اس طرح ہوا کہ دو آدمیوں کا آپس میں مناظرہ ہوا۔ ایک نے یہ خیال پیش کیا کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ[2]۔ دوسرے نے کہا: بلکہ علی، عمر سے افضل ہیں۔ ان دونوں کے درمیان جب بحث زیادہ ہونے لگی تو ابو القاسم (رضی اللہ عنہ) نے کہا: صحابہ کا اجماع یہ ہوا کہ صدیق مقدم ہیں، ان کے بعد فاروقِ اعظم، ان کے بعد عثمان ذوالنورین، پھر علی وصی۔ محدثین کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی ہمارے نزدیک بھی درست ہے۔ مجلس میں موجود تمام افراد یہ بات سن کر حیرت میں گم ہوگئے اور جو عامہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے حاضرین تھے، انھوں نے ان کو سر پر اٹھانا شروع کر دیا، ان کے لیے بہ کثرت دعائیں کرنے لگے اور جو ان کو رافضیت کا الزام دیتا تھا، ان پر طعن و تشنیع کرنے لگے۔

---

[1] تاریخ الغیبۃ الصغریٰ (ص: ٤١١)

[2] یہ روایت اسی طرح حضرت عثمان کے ذکر کے بغیر منقول ہے، گویا ان کی مجلس میں عمومی شیعہ رجحان غالب تھا، اس کے باوجود اس میں تقیہ میں ملفوف گفتگو ہو رہی تھی۔

مجھے ہنسی آنے لگی۔ میں اپنے آپ کو بہ مشکل روک رہا تھا۔ میں نے اپنی آستین اپنے منہ میں ٹھونسی اور مجھے خدشہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں میں قابو نہ پا سکوں تو میں مجلس سے کود کر نکلا۔ انھوں نے میری طرف دیکھا تو میری حالت کو بھانپ لیا۔ جب میں گھر پہنچا تو دروازے پر دستک ہوئی۔ میں بھاگ کر باہر نکلا کر دیکھتا ہوں کہ ابو القاسم حسین بن روح اپنے خچر پر سوار ہیں اور مجلس سے اٹھ کر اپنے گھر جانے سے پہلے سیدھے میری ہی گھر پر آ گئے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا: اے ابو عبداللہ! اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے، تم کیوں ہنسے؟ گویا تم نے میرے متعلق یہ کہنا چاہا کہ جو میں نے کہا ہے، وہ تمھارے نزدیک سچ نہیں، تو میں نے کہا: وہ میرے نزدیک بھی ایسے ہی ہے تو انھوں نے مجھ سے کہا: اے شیخ! اللہ سے ڈر جا! میں تجھ کو اس بات سے بَری نہیں کروں گا کہ تم اس قول کو میری زبان پر آنا بہت بڑا خیال کرتے ہو۔ میں نے کہا: جناب! ایک آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ امام کا ساتھی ہے اور اس کا وکیل اور وہ یہ بات کہہ رہا ہو، اس پر تعجب نہیں ہوگا اور اس پر ہنسا نہیں جائے گا۔ انھوں نے مجھ سے کہا: تیری زندگی کی قسم![1] اگر تم نے دوبارہ ایسا کیا تو میں تجھ کو چھوڑ دوں گا، پھر انھوں نے مجھے الوداع کہا اور چلے گئے۔''[2]

میں نے یہ قصہ طویل ہونے کے باوجود نقل کیا ہے، کیوں کہ یہ اس چال کی تصویر کشی کرتا ہے کہ وہ کس طرح اہلِ سنت کو دھوکا دیتے ہیں اور اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں، جو ان کے دلوں میں نہیں اور اپنے نفاق اور جھوٹ کی وجہ سے بعض اہلِ سنت کی تصدیق کرنے کی بنا پر آپس میں مذاق اڑاتے ہیں۔ شیعہ کی سوچ اس زمانے میں بھی اس منافقت اور اس سے فائدہ اٹھانے پر یقین رکھتی ہے۔[3]

شیعہ کی اس طرز کی بہت زیادہ روایات ہیں۔ اگر صفحات کی تنگ دستی کا خدشہ نہ ہوتو میں انھیں یہاں ذکر کرتا اور ان پر تنقید اور ان کا تجزیہ پیش کرتا۔ یہ روایت خصوصی تحقیق کی طلب گار ہیں، کیوں کہ یہ روافض کی حیلے بازیوں اور اندازِ فکر کو بے نقاب کرتی ہیں۔[4]

---

1. غیر اللہ کے نام پر قسم کھانا معصوم کے نائب اور اس کے باب کی شریعت ہے۔
2. الغيبة للطوسي (ص: ٢٣٦۔ ٢٣٧)
3. دیکھیں: محمد باقر الصدر: تاريخ الغيبة الصغریٰ (ص: ٣٨٥) اس نے یہ قصہ ابن روح سے نقل کیا ہے اور اس کے اس طریقے کی تائید اور اس کے مسلک کی تعریف کی ہے۔
4. دیکھیں: ایسی بعض روایات "بحار الأنوار" (٧٥/ ٤٠٢) میں ملاحظہ کریں۔

شیعہ کا تقیہ کے لیے استدلال:

اثنا عشریہ[1] اپنے عقیدہ تقیہ کے لیے آلِ عمران،[2] سورۃ النحل[3] کی آیات اور دیگر آیات[4] سے استدلال کرتے ہیں، لیکن ان کا ان (دو آیات) سے استدلال موقع سے مناسبت نہیں رکھتا، جس طرح شیعہ کے نزدیک تقیہ کے معالم و آثار کی وضاحت میں گزرا ہے۔ اس لیے اہلِ علم نے شیعہ کی واقعاتی اور حقیقی صورتِ حال سے واقفیت کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ شیعہ کے نزدیک تقیہ جھوٹ اور منافقت کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ بات شیعہ کی روایت سے بھی ثابت ہوچکی ہے۔ لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ شیعہ کے نزدیک تقیہ جھوٹ اور منافقت ہے، یہ پھر بھی اس کو دین خیال کرتے ہیں، بلکہ اس کو سارا دین سمجھتے ہیں!!

چناں چہ ان کا حال منافقوں کے حال کی جنس سے تعلق رکھتا ہے، مجبور کی حالت کے ساتھ نہیں، جس کو مجبور کیا جائے، لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ منافقت کے تقیے اور اسلام کے تقیے کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''تقیہ... یہ نہیں کہ میں جھوٹ بولوں اور جو دل میں نہ ہو، اس کو زبان پر لاؤں، یہ تو منافقت ہے۔ بلکہ میں وہ کروں، جس کی طاقت رکھتا ہوں ...مومن جب کافروں اور فاجروں کے درمیان ہو، تو وہ عدمِ استطاعت کی بنا پر ان کے ساتھ اپنے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرنے کا مکلّف نہیں، لیکن اگر اس کے لیے ممکن ہو تو زبان سے ضرور جہاد کرے۔ وگرنہ دل میں ان کے خلاف نفرت رکھے، لیکن جھوٹ نہ بولے اور زبان سے وہ نہ کہے جس کا دل میں اعتقاد نہ رکھتا ہو، یا دین کو ظاہر کرے یا اس

---

[1] دیکھیں: جملة منها في بحار الأنوار (۷۵/ ٤٠٢ وما بعدها)

[2] ﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً﴾ [آل عمران: ۲۸] ''مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا۔''

[3] ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ [النحل: ١٠٦] ''جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔''

[4] اس سے مراد وہ آیات ہیں، جن کی شیعہ اپنے باطنی منہج کے مطابق تاویل کرتے ہیں، جیسا کہ وہ اس آیت: ﴿فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ [الکهف: ۹۷] ''پھر نہ ان میں یہ طاقت رہی کہ اس پر چڑھ جائیں اور نہ وہ اس میں کوئی سوراخ کر سکے۔'' کی تاویل کرتے ہیں کہ وہ اس میں نقیب لگانے کی طاقت نہیں رکھیں گے، جب تقیے پر عمل کیا۔ اس آیت: ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ [الكهف: ۹۸] ''تو وہ اسے زمین کے برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے۔'' کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ کشف کے وقت تقیہ اٹھایا تو انھوں نے اللہ کے دشمنوں سے انتقام لیا، شیعہ کی اس باطنی تاویل کے لیے ملاحظہ کریں: (تفسير العياشي: ۲/ ۳٥١، البرهان: ۲/ ٤٨٦، البحار: ٥/ ١٦٨) نیز دیکھیں: فكرة التقريب (ص: ۲۲۰۔ ۲۲۱)

کو چھپا کر رکھے اور وہ اس حالت میں بھی ان کے مکمل دین کے ساتھ موافقت نہ رکھے، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ آلِ فرعون کے مومن کی طرح رہے، جو ان کے تمام دین میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا تھا، نہ وہ جھوٹ بولتا تھا اور نہ ایسی بات کہتا تھا، جو اس کے دل میں نہیں تھی، بلکہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ دین کو چھپانا اور چیز ہے اور باطل دین کا اظہار چیزے دیگر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس شخص کے لیے جائز کیا ہے جس کو کلمۂ کفر بولنے پر مجبور کر دیا جائے۔"[1] چناں چہ اس کو اللہ تعالیٰ اس میں معذور خیال کرے گا، لیکن منافق اور کذاب کا عذر کسی حال میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

پھر وہ مومن جو کافروں کے درمیان رہنے اور اپنا ایمان چھپانے پر مجبور ہو، وہ ان کے ساتھ اپنے ایمان کے تقاضے کے مطابق، سچائی، دیانت داری، نصیحت گوئی اور خیر خواہی کے ساتھ پیش آئے، خواہ وہ ان کے دین کے موافق نہ ہی ہو، جس طرح حضرت یوسف صدیق علیہ السلام اہلِ مصر کے ساتھ پیش آئے جو کافر تھے... لیکن رافضی کے برعکس جو اپنے مخالف کو ہر چوٹ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی وار خالی نہیں جانے دیتا۔"[2]

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٣٦٠)

[2] المصدر السابق.

چوتھی فصل

مہدیت اور غیبوبت (روپوشی)

اس فصل میں، مَیں ۔ان شاء اللہ۔ شیعہ فرقوں کے نزدیک بالعموم مسئلہ مہدیت اور غیوبت (روپوشی) پر بحث کروں گا اور یہ ذکر کروں گا کہ اثنا عشریہ میں اس نظریے کا کب آغاز ہوا؟ یہ کن ارتقائی مراحل سے گزرا؟ شیعہ کے نزدیک اس عقیدے کے کیا خط و خال ہیں؟ اس کے لیے وہ کن دلائل سے استدلال کرتے ہیں اور غیبوبت کے زمانے کی طوالت کا کیا جواز اور دفاع کرتے ہیں، جس کو گیارہ صدیاں ہونے کو آئی ہیں؟

اس کے بعد ان تخیلات اور تصورات کا تذکرہ ہوگا، جو اثنا عشریہ مہدی کے غیبوبت سے واپس آنے کے بعد مہدی کی سلطنت کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ ان خیال آفرینیوں کو انھوں نے ائمہ اہلِ بیت کی روایات کی شکل میں پیش کیا ہے، تاکہ یہ ان کے پیروکاروں کے نزدیک عصمت اور تقدس کے لباس میں ملبوس ہو جائیں۔ اس کی سیرت، شریعت اور لشکروں کے بارے میں جو کچھ انھوں نے ذکر کیا ہے، اس کو بھی زیرِ بحث لاؤں گا، اس کے بعد میں یہ پیش کروں گا کہ شیعہ نے فترتِ غیبوبت (روپوشی کے دورانیے) میں کیا قواعد وضع کیے؟ اس کی وجہ سے کون سے شرعی احکام کو معطل اور کالعدم قرار دیا اور شیعہ کے علما نے امام کی گمشدگی کا سامنا کرنے کے لیے ''نیابتِ مہدی'' کا عقیدہ اختراع کرنے کی کوشش کی۔

موضوع کے اختتام پر مَیں اس نظریے کی اساس پر بحث و تنقید کروں گا۔

شیعہ فرقوں کے نزدیک مہدیت و غیوبت:

امامِ غائب یا چھپے ہوئے امام پر ایمان کا نظریہ اکثر شیعہ فرقوں کے ہاں موجود ہے، جو اپنے امام کی موت کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مرا نہیں، بلکہ وہ ہمیشہ رہے گا، لیکن لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے اور مستقبل میں مہدی کے روپ میں ظاہر ہوگا۔ ان فرقوں کا صرف یہ اختلاف ہے کہ وہ امام کون سا ہوگا، جس کے لیے دوبارہ آنا مقدر ہو چکا ہے؟ اسی طرح ان کا ائمہ اور ان کے اعیان و شخصیات کی تحدید میں بھی اختلاف ہے اور یہ امام غائب بھی انھیں میں سے کوئی ایک ہوگا۔

قمی، نوبختی اور شہرستانی وغیرہ کے بہ قول سبئیہ وہ پہلا فرقہ خیال کیا جاتا ہے، جس نے حضرت علی کی امامت پر توقف (یعنی ان کے بعد کوئی امام نہیں ہوگا) اور ان کے غائب ہونے کا عقیدہ پیش کیا ہے۔[1]

ان کا دعویٰ ہے:

''حضرت علی نہ قتل ہوئے ہیں نہ فوت ہوئے اور نہ وہ اس وقت تک قتل یا فوت ہو سکتے ہیں، جب تک تمام عرب کو اپنی لاٹھی سے نہ ہانک لیں اور زمین کو عدل و انصاف کے ساتھ نہ بھر دیں، جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے۔''[2]

عبداللہ بن سبا مدائن میں تھا، جب اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر ملی تو اس نے خبر لانے والے سے کہا:

''تم نے جھوٹ بولا ہے۔ اگر تو ستر تھیلیوں میں بھی ان کا دماغ میرے پاس لے کر آتا اور ان کے قتل پر ستر عادل گواہ لاتا، پھر بھی ہمیں یقین ہوتا کہ وہ فوت ہوئے ہیں نہ قتل، ان کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی، جب تک وہ زمین پر بادشاہی نہ کر لیں۔''[3]

یہ فرقہ ان کے غائب ہونے کے بعد واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ اس کے بعد سبئیہ سے یہ نظریہ کیسانیہ کے ایک فرقے کربیہ[4] کی طرف منتقل ہوگیا۔ جب محمد بن حنفیہ کی وفات ہوئی تو اس فرقے نے کہا: جو ان کی امامت کا دعوے دار تھا، کہ وہ زندہ ہیں، ان کو موت نہیں آ سکتی۔ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان جبلِ رضوی میں ہیں، ان کی دائیں جانب ایک شیر اور بائیں جانب چیتا ہے، جو ان کے خروج اور قیام کے وقت تک اس کی حفاظت کے لیے مامور ہیں۔[5] ان

---

[1] القمي: المقالات والفرق (ص: ١٩۔ ٢٠) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٢٢) الشهرستاني: الملل والنحل (١/ ١٧٤)

[2] المقالات والفرق (ص: ١٩) فرق الشيعة (ص: ٢٢) مقالات الإسلاميين (١/ ٨٦)

[3] فرق الشيعة (ص: ٢٣) المقالات والفرق (ص: ٢١)

[4] کربیہ: یہ ابو کریب ضریر کے پیروکار ہیں۔ کیسانیہ کی تعریف گزر چکی ہے۔

[5] ان کے شعرا نے اس سلسلے میں کئی قصیدے نظم کیے ہیں، حتی کہ ان کا ایک شاعر کثیر عزہ کہتا ہے:

أَلَا إِنَّ الْأَئِمَّةَ مِنْ قُرَيْشٍ ... وُلَاةُ الْحَقِّ أَرْبَعَةٌ سَوَاء
عَلِيٌّ وَالثَّلَاثَةُ مِنْ بَنِيهِ ... هُمُ الْأَسْبَاطُ لَيْسَ بِهِمْ خِفَاءَ
فَسِبْطٌ سِبْطُ إِيْمَانٍ وَّبِرٍّ ... وَسِبْطٌ غَيَّبَتْهُ كَرْبَلَاءُ
وَسِبْطٌ لَا يَذُوقُ الْمَوْتَ حَتّٰى ... يَقُوْدَ الْخَيْلَ يَقْدُمُهَا اللِّوَاءُ
تَغَيَّبَ لَا يُرىٰ عَنَّا زَمَان ... بِرِضْوىٰ عِنْدَه عَسَلٌ وَمَاءُ

←

کا کہنا ہے کہ وہی مہدی منتظر ہے۔[1]

انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ جبلِ رضوی میں ان سے ستر سال تک چھپا رہے گا، پھر باہر نکلے گا، ان کی حکومت قائم کرے گا اور بنو امیہ کے جابروں کو قتل کرے گا۔[2]

جب ستر سال گزر گئے، ان کی کوئی خواہش پوری نہ ہوئی تو شیعہ کے بعض شعرا نے اس کے ساتھیوں کو اسی عقیدہ کا عادی بنانے اور انتظار پر راضی کرنے کی کوشش کی، خواہ اس کے لیے عمرِ نوح بھی درکار ہو،[3] اس کے بعد شیعہ فرقوں کے درمیان امام پر توقف اور اس کے مہدی بن کر آنے تک انتظار کا عقیدہ عام ہو گیا۔

آلِ بیت میں سے ہر امام کی وفات کے بعد اس کے پیروکاروں کا ایک فرقہ ظاہر ہو جاتا، جو اس کے بارے میں یہی دعویٰ کرتا اور اس کی واپسی کا انتظار کرتا۔ شیعہ کے درمیان اس امام کی تحدید و تعیین میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، جس پر توقف ہوا اور اس کے لیے، ان کے نظریے کے مطابق، واپسی آنا مقدر ہے، اسی لیے سمعانی کہتا ہے:

''پھر وہ اپنے اس امام کے انتظار میں، جس کا انھوں نے انتظار کیا، ایسے اختلاف کا اظہار کرتے

← ''آگاہ رہو کہ قریش سے حق کے نگران ائمہ چار ہیں۔ علی (رضی اللہ عنہ) اور ان کے تین بیٹے ہیں، جو نواسے ہیں، وہ کسی پر مخفی نہیں۔ ایک نواسہ ایمان و صلاح کا پیکر ہے اور دوسرا جسے کربلا نے نگل لیا، جب کہ تیسرا نواسہ موت نہیں چکھے گا، جب تک وہ علم بردار لشکر کی قیادت نہیں کرتا۔ وہ رضویٰ میں غائب ہے، نظر نہیں آتا۔ اس کے پاس شہد اور پانی ہے۔''

(دیکھیں: مسائل الإمامة، ص: ٢٦، مقالات الإسلاميين: ١/ ٩٢۔ ٩٣، الفرق بين الفرق، ص: ٤١) اس سلسلے میں کتبِ فرق و نظریات نے کئی دوسرے شعرا کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ نیز دیکھیں: مسائل الإمامة (ص: ٢٦، ٢٧، ٢٨، ٢٩) امام بغدادی نے ان اشعار کی تردید میں کچھ اشعار نظم کیے ہیں۔ (الفرق بين الفرق، ص: ٤١۔ ٤٣)

[1] مسائل الإمامة (ص: ٢٦) فرق الشيعة (ص: ٢٧) مقالات الإسلاميين (١/ ٩٢) الفرق بين الفرق: (ص: ٣٩) التبصير في الدين (ص: ١٨۔ ١٩)

[2] مسائل الإمامة (ص: ٢٧)

[3] اس بارے میں شیعہ کا ایک شاعر کہتا ہے:

لَوْ غَابَ عَنا عُمُرَ نُوحٍ أَيْقَنَتْ ... مِنَّا النُّفُوسُ بِأَنَّهُ سَيَؤُوبُ

إِنِّيْ لَأَرْجُوْه وَآمُلُه كَمَا ... قَدْ كَانَ يَأْمُلُ يُوسُفَا يَعْقُوْبُ

''اگر وہ ہم سے عمرِ نوح تک غائب رہا تو پھر بھی ہمارے لوگوں کو اس کی واپسی کا یقین ہوگا، جس طرح یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کی امید رکھتے تھے، میں بھی اسی طرح اس کے آنے کی امید رکھتا ہوں۔''

المصدر السابق (ص: ٢٩)

ہیں، جس میں احمقانہ پن واضح جھلکتا ہے۔''[1]

بلکہ زیدیہ کا ایک فرقہ جارودیہ بھی اس امام کے انتظار کے وہم میں سرگرداں رہا ہے، جوفوت ہو چکا ہے، اگر چہ ان کا اس امام منتظر کی تحدید میں کچھ فروعی اختلاف ہے، جس طرح اشعری[2]، بغدادی[3] اور شہرستانی[4] وغیرہ[5] نے ذکر کیا ہے۔ اس لیے احمد امین[6] اور گولڈ زیہر[7] نے جو یہ کہا ہے کہ زیدیہ تمام کے تمام اس رجحان کا انکار کرتے ہیں، وہ صحیح نہیں۔

شیعہ فرقوں کا عقیدۂ غیوبت اہلِ بیت کے معروف افراد کے ساتھ مرتبط ہے، جن کا تاریخ میں حقیقی وجود تھا اور انھوں نے عام لوگوں کی طرح زندگی گزاری، جب وہ راہیٔ عدم ہوگئے تو ان فرقوں نے ان کے بارے میں یہ دعویٰ کر دیا کیوں کہ انھوں نے ان کی موت کی تصدیق نہ کی اور یہ خیال آرائی کی کہ وہ غائب ہوگئے ہیں اور ایک مرتبہ پھر ظاہر ہوں گے، لیکن اثنا عشریہ کے نزدیک یہ نظریہ اس اعتبار سے مختلف ہے کہ یہ ان کے نزدیک ایک ''خیالی شخصیت'' کے ساتھ منسلک ہے، جس کا اس دعوے کے ظہور کے معاصر اکثر شیعہ فرقوں کے نزدیک کوئی وجود نہیں۔

یہ اس اعتقاد کے حاملین کے نزدیک ایک علامتی شخصیت ہے،[8] جس کو لوگوں نے دیکھا ہے نہ وہ اس کو پہچانتے ہیں اور نہ اس کی جگہ ہی سے واقف ہیں۔ یہ شخصیت ان کے دعوے کے مطابق ولادت کے بعد ہی غائب ہوگئی۔ اس کا حمل بھی ظاہر نہیں ہوا، اس کی ولادت انتہائی زیادہ رازداری اور خفیہ انداز میں ہوئی، بلکہ اس کا خاندان، وکیل اور سب سے قریبی لوگ، وہ بھی اس حمل اور اس نومولود کے بارے میں قطعاً ناواقف تھے، بلکہ وہ اس کا انکار کرتے تھے اور وہ ان شیعہ کے سامنے بھی براہِ راست ظاہر نہیں ہوا، جو اس کا دعویٰ کرتے تھے، بلکہ نائبین اور سفرا کے ذریعے اس کا تعارف ہوا، جو اس کے ساتھ تعلق کا دعویٰ کرتے تھے۔

---

[1] الأنساب (١/ ٣٤٥)

[2] مقالات الإسلاميين (١/ ١٤١۔ ١٤٢)

[3] الفرق بين الفرق (ص: ٣١۔ ٣٢)

[4] الملل والنحل (١/ ١٥٨۔ ١٥٩)

[5] نشوان: الحور العين (ص: ١٥٦)

[6] ضحى الإسلام ٣٠/ ٢٤٣)

[7] العقيدة والشريعة (ص: ٢١١)

[8] شیعہ اس کے متعلق اخبار و واقعات کو اس کا نام لیے بغیر رمز و کنایہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

یہ شخصیت ان کے نزدیک ''مہدی منتظر'' کی شخصیت ہے، اس پر ایمان رکھنا، اثنا عشریہ کے نزدیک، اس اصل اور بنیاد کی تشکیل کرتا ہے، جس پر ان کے مذہب کی عمارت قائم ہے اور یہی وہ اساس ہے، جس پر ان کے نزدیک شیعیت کا ڈھانچہ کھڑا ہے۔ کیوں کہ حسن عسکری کی وفات کے بعد ائمہ شیعہ کا وجود ختم ہو جانے کی وجہ سے ان کے مزعومہ بیٹے کے غائب ہو جانے پر ایمان یہ وہ محور ہے جس کے گرد اُن کے عقائد گردش کرتے ہیں، نیز یہی وہ بنیاد ہے، جس نے شیعہ کی عمارت کو گرنے سے تھام کر رکھا ہوا ہے، لیکن اثنا عشریہ کے نزدیک یہ نظریہ کب اور کس طرح ظہور پذیر ہوا؟

شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک نظریۂ غیبوبت کا آغاز اور ارتقا

حسن عسکری کی وفات کے بعد شیعہ کی حالت:

اس نظریے کے آغاز پر گفتگو کرنے سے پہلے حسن عسکری کی وفات کے بعد شیعہ کے حالات پر ایک نظر ڈالنا از بس ضروری ہے، کیوں کہ ان کا اس نظریے کے آغاز کے ساتھ انتہائی گہرا تعلق ہے، ان کے گیارھویں امام، حسن عسکری کی ۲۶۰ھ میں وفات کے بعد ان کا کوئی وارث ظاہر ہوا نہ ان کی کوئی ظاہری اولاد معروف تھی، لہٰذا انھوں نے جو ترکہ چھوڑا، اس کو ان کے بھائی جعفر اور والدہ نے تقسیم کر لیا۔[1]

خود شیعہ کی کتابوں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ اس وجہ سے شیعہ کا معاملہ اضطراب کا شکار ہو گیا اور ان میں پھوٹ پیدا ہوگئی، کیوں کہ یہ بے امام ہو چکے تھے اور ان کے نزدیک امام کے بغیر دین کا وجود ہی نہیں، کیوں کہ وہی اہلِ ارض پر حجت ہے[2]، بلکہ ان کے نزدیک کتاب اللہ بھی اس کے بغیر حجت نہیں۔ امام کے وجود کے ساتھ ہی کائنات کی بقا ہے، کیوں کہ ''اگر زمین امام سے خالی ہوگئی تو وہ دھنس جائے گی۔''[3]

وہ لوگوں کے لیے امان ہے:

''اگر امام زمین سے ایک ساعت کے لیے بھی اٹھ جائے تو وہ اس طرح تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی، جس طرح سمندر کی لہریں اپنے میں رہنے والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔''[4]

---

[1] المقالات والفرق (ص: ۱۰۲) فرق الشیعة (ص: ۹٦) اس میں مذکور ہے کہ ان کا کوئی نشان باقی نہ بچا۔

[2] أصول الكافي (۱/ ۱۸۸)

[3] المصدر السابق (۱/ ۱۷۹)

[4] المصدر السابق.

لیکن امام لاولد فوت ہوگیا اور زمین امام سے خالی ہوگئی، لیکن ان حادثات میں سے کوئی چیز بھی رونما نہ ہوئی تو شیعہ حیرت میں گم ہوگئے اور شیعہ کا اپنے عظیم ترین معاملے یعنی امام کی تعیین میں اختلاف پیدا ہوگیا، چناں چہ شیعہ عالم نوبختی کے بہ قول[1] شیعہ چودہ فرقوں میں بٹ گئے اور قمی کے مطابق پندرہ فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔[2] یہ دونوں ہی اثنا عشری ہیں اور اختلاف کے واقعات کے عینی شاہد، کیوں کہ ان کا تعلق تیسری صدی ہجری سے ہے، لہٰذا حسن عسکری کی وفات کے بعد شیعہ کے احوال کی تصویر کشی میں ان دونوں کی معلومات بڑی اہم ہیں۔

ان دونوں کے بعد مزید فرقے بن گئے اور اختلاف کا دائرہ وسیع ہوگیا۔ شیعہ مورخ مسعودی (المتوفی ۳۴۶ھ) حسن عسکری کے بعد شیعہ کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ بیس فرقوں میں تقسیم ہوگئے[3]، تو اس کے بعد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہوگا؟[4]

ان فرقوں کے امامت کے متعلق مختلف اور متفرق نظریات ہیں، کچھ اس بات کے قائل ہیں:

''حسن بن علی زندہ ہیں، فوت نہیں ہوئے، صرف غائب ہوئے ہیں اور وہی ''قائم'' ہیں، ان کے لیے مرنا روا نہیں، ان کی کوئی ظاہری اولاد نہیں، کیوں کہ زمین امام سے خالی نہیں ہوتی۔''[5]

اس فرقے نے حسن عسکری پر توقف کیا ہے اور یہ انہی کے مہدی ہونے اور ان کے انتظار کا قائل ہے، جو شیعہ کی ہر امام کی وفات کے وقت عادت ہے، جس کی امامت کا وہ دعویٰ کرتے ہوں۔ ایک دوسرے فرقے کا یہ موقف ہے:

''ان کی موت واقع ہوچکی ہے، لیکن ان کا خیال ہے کہ وہ موت کے بعد زندہ ہے، لیکن غائب ہے اور عن قریب ظاہر ہوگا۔''[6]

جب کہ کچھ دوسرے فرقوں نے یہ کوشش کی ہے کہ امامت کو ان کے بھائی جعفر کی طرف منتقل کر کے

---

[1] فرق الشیعة (ص: ٩٦) المفید: الفصول المختارة (ص: ٢٥٨)

[2] المقالات والفرق (ص: ١٠٢)

[3] مروج الذهب (٤/ ١٩٠) نیز دیکھیں: الصواعق المحرقة (ص: ١٦٨)

[4] میری رائے کے مطابق یہ اختلاف اس وقت رکا، جب سمری نے نظریۂ بابیہ کو کالعدم قرار دیا اور مہدی کی نیابت عامہ کا نظریہ ایجاد کیا اور اس وقت ان سب کا مولود کی غیبوبت کے دعوے پر اتفاق ہوگیا، کیوں کہ وہ تمام ان نذرانوں کو تقسیم کرنے پر متفق ہوگئے تھے، جو بعد میں اس کی نیابت کے نام پر اکٹھے کیے جاتے تھے۔

[5] فرق الشیعة (ص: ٩٦) المقالات والفرق (ص: ١٠٦)

[6] فرق الشیعة (ص: ٩٧) المقالات والفرق (ص: ١٠٧)

جاری رکھا جائے۔[1]

ایک دوسرے فرقے نے حسن کے لاولد فوت ہونے کی وجہ سے ان کی امامت کو کالعدم قرار دیا ہے[2]، لیکن اثنا عشریہ نے یہ دعویٰ کیا ہے:

''حسن عسکری کا ایک لڑکا ہے، اس نے یعنی حسن نے اس کی پیدایش کو مخفی رکھا اور وقت کی سختی اور سلطان کے ان کو شدت کے ساتھ طلب کرنے کی وجہ سے انھوں نے اس کے معاملے کو چھپا کر رکھا، چناں چہ ان کی زندگی میں ان کا بیٹا ظاہر ہوا نہ لوگوں نے اس کو ان کی وفات کے بعد ہی پہچانا۔''[3]

اس کے مقابلے میں ایک دوسرا نقطۂ نظر ہے، جو کہتا ہے:

''متواتر روایات کے مطابق، جن کی تکذیب غیر معقول ہے، حسن بن علی کی وفات صحیح ثابت ہے، جس طرح ان کے آبا و اجداد کی وفات بھی صحیح ثابت ہے، ان کی موت کا مشاہدہ کرنے والوں کی اتنی کثرت ہے کہ کیا دوست کیا دشمن، سب سے یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے، اس جیسی یقینی کیفیت میں شک قطعاً نہیں کرنا چاہیے اور انھی اسباب سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان کا کوئی بیٹا نہیں۔ جب ہمارے نزدیک یہ دونوں جہتیں صحیح ثابت ہیں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حسن بن علی کے بعد کوئی امام نہیں اور امامت منقطع ہو چکی ہے، جس طرح یہ روا ہے کہ نبوت محمد ﷺ کے بعد منقطع ہو چکی ہے، اسی طرح امامت کا منقطع ہونا بھی معقول اور جائز ہے، کیوں کہ نبوت و رسالت کی اس سے بہت زیادہ اہمیت ہے، مخلوق اس کی زیادہ محتاج ہے، اس کے ذریعے حجت زیادہ لازم ہوتی ہے اور اس کے ساتھ عذر بالکل ختم ہو جاتا ہے، کیوں کہ اس کے ساتھ ظاہری دلائل اور روشن نشانیاں ہوتی ہیں اور جب وہ ختم ہو چکی ہے تو اس طرح امامت کا منقطع ہو جانا بھی معقول ہے۔''[4]

اسی طرح ایک اور فرقے نے بھی ان کی موت کے قطعی ہونے اور ان کی کوئی اولاد نہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ اس کا کہنا ہے:

''اللہ تعالیٰ آلِ محمد میں سے جو گزر چکے ہیں، انھی میں سے کسی کو قائم بنا کر مبعوث کرے گا۔ اگر

---

[1] المقالات والفرق (ص: ١١٠)

[2] دیکھیں: المقالات والفرق (ص: ١٠٩) فرق الشيعة (ص: ١٠٠۔ ١٠١)

[3] المفيد: الإرشاد (ص: ٣٨٩)

[4] المقالات والفرق (ص: ١٠٧۔ ١٠٨) فرق الشيعة (ص: ١٠٥)

چاہے تو حسن بن علی کو مبعوث کر دے، چاہے تو کسی دوسرے کو کر دے۔ ہم اب فترت کے زمانے میں ہے (جس میں کوئی امام نہیں) اس میں امامت منقطع ہو چکی ہے۔''[1]

اس طرح شیعہ کے اقوال اور نقطہ ہائے نظر میں اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے اور یہ مختلف گروہوں اور فرقوں میں بَٹ چکے ہیں اور ہر جماعت اپنے عقائد پر راضی اور خوش ہے۔ اس زمانہ فترت میں ان کی حیرت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ بعض نے توقف کر لیا اور کہا:

''ہم بالکل نہیں جانتے کہ اس میں کیا کہیں؟ ہمارے سامنے یہ معاملہ مشتبہ ہو چکا ہے۔''[2]

یہ ہیں اس اختلاف کے چند خط و خال جو حسن کی وفات کے بعد شیعہ کی رگوں میں سرایت کر گیا۔

عقیدۂ غیبوبت کے اسباب:

شاید قاری کو آلِ بیت میں سے کسی فرد کی امامت کے قول وعقیدے پر اس قدر اصرار پر تعجب ہو کہ یہ جو مر چکا ہے، اس کی موت ہی کا انکار کرتے ہیں یا یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہو گیا یا جس کی کوئی اولاد ہی نہیں، اس کی طرف ایک اختراعی بیٹا منسوب کر رہے ہیں، لیکن ان میں سے بہت تھوڑے لوگ ایسے تھے، جن کی آنکھوں کے سامنے سے جب یہ پردہ ہٹا کہ وہ تو لا ولد ہی فوت ہوئے ہیں تو ان کی عقل نے شیعیت اور فرقہ پرستی چھوڑ دی، امام منقطع ہو جانے کا عقیدہ اختیار کیا اور اپنی زندگی کے کام دھندوں میں مشغول ہو گئے۔ شاید صرف یہی وہ گروہ تھا، جو دل سے شیعہ تھا۔ جب اس کے سامنے حقیقتِ حال منکشف ہو گئی اور نقاب اتر گیا تو یہ تائب ہو گیا۔

اس اصرار کا اہم سبب ان فرقوں کے اپنی رائے کے دفاع میں باہمی اختلاف ونزاع اور پیروکاروں کی زیادہ سے زیادہ تعداد اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کے دوران میں سامنے آتا ہے، کیوں کہ ہر فرقہ اپنے مہدی کا اعلان کرتا ہے اور دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔

اس جھگڑے کے اثنا میں یہ حقیقت چپکے چپکے ظاہر ہوتی ہے جس کو اثنا عشریہ، جو حسن عسکری کے مزعوم بیٹے کی غیبوبت اور اس پر توقف کے قائل ہیں، دوسرے گروہ کے دعوے کی حقیقت بے نقاب کرتے ہوئے، جو موسیٰ کاظم پر توقف اور اور اس کے غائب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، کہتے ہیں:

''ابو ابراہیم (موسیٰ کاظم) جب فوت ہوئے تو ان کے ہر نائب اور وکیل کے پاس بہت زیادہ مال

---

[1] المقالات والفرق (ص: ۱۰۸) نیز دیکھیں: فرق الشیعة (ص: ۱۰۵)

[2] المقالات والفرق (ص: ۱۱۵۔ ۱۱۶) نیز دیکھیں: فرق الشیعة (ص: ۱۰۸)

تھا، انھوں نے مال کی لالچ اور طمع کے پیشِ نظر اس کی موت کا انکار کیا اور اسی پر توقف کیا۔ زیاد بن مروان قندی کے پاس ستر ہزار دینار تھے اور علی بن ابوحمزہ کے پاس تیس ہزار درہم تھے...۔"[1]

شیعہ کی اس مفہوم کی اور بھی بہت زیادہ روایات ہیں، جو اس راز سے پردہ اٹھاتی ہیں۔[2] امام کے غائب ہونے کے دعوے اور اس کے واپس آنے کے انتظار کے پسِ منظر میں مال بٹورنے کی چال تھی۔ بہت سارے ایسے فرقے تھے، جو شیعیت کے دعوے کی آڑ میں سادہ لوح لوگوں کو فریب دے کر مستفید ہو رہے تھے، وہ ان سے امام کے نائب کے نام پر نذرانے وصول کرتے اور جب امام فوت ہوجاتا تو اس کی موت کا انکار کر دیتے، تاکہ وہ اموال ان کے ہاتھوں ہی میں رہیں اور امام غائب کے نام پر ان سے خمس وصول کرنے کا سلسلہ جاری رہے۔

اس طرح یہ لوٹ کا بازار گرم رہا اور قربانی کا بکرہ وہ سادہ لوح اور بیوقوف عوام ہیں، جو تمام بلادِ اسلام میں، جن کو امام کے نائب تصور کرتے ہیں، ان کی خدمت میں نذرانوں کے ڈھیر پیش کرتے ہیں۔ ان نائبین کو اس ٹھنڈی اور مفت کی غنیمت کا بڑا مزہ آیا، لہٰذا انھوں نے لوگوں کے دلوں میں آلِ بیت کی محبت کا شعلہ جگا دیا، آلِ بیت پر ظلم کا احساس دلانا شروع کر دیا، آلِ بیت کے مصائب کو موضوعِ سخن بنانا شروع کر دیا اور آلِ بیت کے حق کا مطالبہ شروع کر دیا، تاکہ امت کو فرقے بندی کی آگ میں جھونک دیں اور ان اموال کو اپنی خفیہ تنظیموں کا پیٹ بھرنے کے لیے وسیلہ بنا سکیں، جو دن رات سلطنتِ اسلام کی عمارت کھوکھلی کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔

شاید عقیدۂ مہدیت اور غیبوبت کا عقیدہ اختیار کرنے کا سبب شیعہ کی سلطنتِ اسلام سے علاحدہ ایک سیاسی ڈھانچہ تشکیل دینے کی آرزو بھی ہو۔ یہ بات ان کے مسئلۂ امامت کو اتنی زیادہ اہمیت دینے سے واضح محسوس ہوتی ہے، جب ان کی امیدیں خاک میں مل گئی، یہ مغلوب ہوگئے اور ذلت اور رسوائی ان کا مقدر بن گئی تو یہ ایک نفسیاتی طور پر شکستہ خاطر کی طرح حقیقت سے بھاگ کر امیدوں اور خوابوں کی دنیا میں جینے لگے۔ تاکہ اپنے آپ کو ناامیدی اور اپنے شیعہ کو مایوسی سے نکال دیں، چناں چہ انھوں نے اپنے شیعہ کے دلوں میں امید و رجا کی کرنیں جگانا شروع کر دیں اور ان کو اس خوش کن تمنا سے بہلانا شروع کر دیا کہ آخر کار انھی کو اقتدار حاصل ہوگا۔

اس لیے مہدیت اور غیبوبت کا عقیدہ مالی فوائد کے ساتھ ساتھ اس کے مبلغین کو ہر امام کی وفات کے بعد مایوسی اور فقدانِ امید کے عوامل کا مقابلہ کرنے کے لیے تازہ خون مہیا کرتا رہا۔ اسی طرح شیعیت انتہا پسندانہ مذاہب، فرقے بندی اور خواہش پرستی کے دلدادہ افراد کے دلوں کی دھڑکن اور محبت بھی رہی ہے، کیوں کہ ان کو

[1] الغيبة للطوسي (ص: ٤٢۔ ٤٣)

[2] دیکھیں: المصدر السابق (ص: ٤٣ وما بعدها) و رجال الكشي: رقم الروايات (٧٥٩، ٨٧١، ٨٨٨، ٨٩٣)

اپنے مقاصد کی تکمیل اور اپنے اعتقادات پر کاربند رہنے کے لیے اس میں مناسب فضا مل جاتی ہے، چناں چہ شیعیت کے قافلے میں ان غلو آمیز رجحانات کے حامل افراد بھی مل گئے۔

یہ چوں چوں کا مربہ شیعہ کو اپنے موروثی عقائد کا قائل کرنے کے درپے رہا، خصوصاً جب شیعہ نے اپنے آپ کو امت کے اصول اور اجماع سے علاحدہ کر لیا، اس لیے شیعہ اعتقاد کے مطابق مہدیت اور غَیبت کے مسئلے کی جڑیں بعض ادیان اور فرقوں سے جا ملتی ہیں، جس سے یہ سمجھنا کچھ بعید از عقل نہیں کہ ان مذاہب و اَدیان کے پیروکاروں کا شیعہ کے ذہن میں اس نظریے کو بونے میں ضرور کوئی کردار ہے۔ بعض مستشرقین کا یہ میلان ہے کہ یہ نظریہ یہودی نژاد ہے، کیوں کہ یہود کا یہ اعتقاد ہے کہ ایلیا (حضرت الیاس) کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اور وہ اَخیر زمانے میں واپس آئیں گے، اس لیے ایلیا، ان کی رائے کے مطابق، شیعہ کے چھپے ہوئے غائب اماموں کا پہلا نمونہ ہیں۔[1]

میری نظر میں یہودی اثرات کے اظہار کے لیے یہی کافی نہیں، کیوں کہ اسلام میں بھی یہ عقیدہ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اور وہ آخر زمانے میں واپس آئیں گے، لہٰذا یہ نظریہ جو انھوں نے پیش کیا، اسلامی عقائد کے لیے نامانوس نہیں، لیکن مستشرقین چوں کہ مسئلہ مہدیت کا سرے ہی سے انکار کرتے ہیں، اس لیے انھوں نے یہ رائے دی ہے۔

یہودی اثرات کی وضاحت دیگر وجوہ سے زیادہ بہتر طریقے سے ہوتی ہے، مثلاً نظریۂ غیبوبت کی جڑیں ابن سبا سے ملتی ہیں، جو یہود کا ایک نامور عالم تھا۔ اسی طرح بعض شیعہ شعرا نے بھی یہ صراحت کی ہے کہ مہدیت کا نظریہ کعب احبار کی روایات سے ماخوذ ہے، جو اسلام سے پہلے یہودی دین کا پیروکار تھا۔ یہ بات کیسانیہ کے شاعر کثیر عزہ کے ابن حنفیہ کی مدح میں اشعار میں بہ خوبی معلوم ہوتی ہے:

هو المهدي خبرناه كعب
أخو الأحبار في الحقب الخوالي[2]

''ہم کو اس کے مہدی ہونے کی خبر کعب نے، جو گذشتہ زمانوں میں یہودی علما میں سے تھا خبر دی ہے۔''

وان فلوٹن کہتا ہے:

''جہاں تک ہم اہلِ مغرب کی بات ہے تو مہدی منتظر کے عقیدے نے ہم میں سے مستشرقین کی

---

[1] جولد سيهر: العقيده والشريعة (ص:١٩٢)

[2] ديوان كثير عزة (١/ ٢٧٥)

خصوصی توجہ حاصل کی ہے۔''[1]

اس کے بعد وہ اس عقیدے کو اسرائیلی روایات کے ساتھ منسلک کرتا ہے اور اسے یہودی اور عیسائی اصول سے ماخذ قرار دیتا ہے، کیوں کہ اس کے خیال کے مطابق یہ بعض اشخاص یا مخصوص واقعات کی پیشین گوئی کے دائرے میں داخل ہے۔ یہ وہ پیشین گوئی ہے، جس کا اسرائیلی کتابوں میں بہت زیادہ ذکر ہے، لیکن یہ بادی الامر میں عرب کے ہاں معروف نہیں تھی۔ یہ ان کے پاس ان یہودیوں اور عیسائیوں کے توسط سے پہنچی تھی، جنھوں نے اسلام قبول کیا۔[2]

بہ ظاہر اس کا اس عقیدے کو محض اس وجہ سے یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ مربوط کرنا کہ یہ ان غیبی اخبار کے دائرے میں شامل ہے، جن سے عرب ناواقف تھے، ایک کمزور ربط ہے، کیوں کہ بعض غیبی اخبار کی خبر دینا تو رسولِ عربی ہاشمی (ﷺ) کے معجزات میں داخل ہے، لیکن یہ لوگ ان مسائل کا اپنی کافرانہ سوچ اور نبوتِ محمد ﷺ کے انکار کے رجحانِ فکر کے مطابق تجزیہ کرتے ہیں۔

اس مسئلے میں راجح نقطہ نظر یہ ہے کہ مہدیت اور غیبوبت کے متعلق اثنا عشریہ کا عقیدہ مجوسی اصول سے ماخوذ ہے، کیوں کہ شیعہ کی اکثریت ایرانیوں پر مشتمل ہے، مجوسیت ایرانیوں کا ایک مذہب ہے اور مجوسیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا بشتاسف بن بہراسف کا ابشاوشن نامی بیٹا مہدی منتظر ہے، جو خراسان اور چین کے ایک بہت بڑے قلعے میں زندہ اور باقی ہے۔[3] یہ نظریہ اثنا عشری مذہب کی روح کے عین مطابق ہے۔

اثنا عشریہ کے نظریۂ غیبوبت کا خالق:

اگر ایک طرف ابن سبا حضرت علی کی امامت و خلافت کی وصیت و تعیین کے عقیدے کا واضع ہے، جس طرح شیعہ اور غیر شیعہ کی کتابیں ذکر کرتی ہیں تو دوسری طرف ایک اور ابن سبا ہے، جس نے، حسن عسکری کی نسل منقطع ہوجانے کی وجہ سے نظریۂ امامت کے، عملی اور حِسی طور پر ختم ہوجانے کے باعث اس کا بدل اختراع کیا، یا وہ اس مجموعے میں شامل تھا، جس نے یہ نظریہ وضع کیا، لیکن وہ اس دعوے کا نمایاں چہرہ ہے، اس آدمی کو عثمان بن سعید عمری[4] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے غایت درجہ راز داری سے کام لیا۔ وہ اپنے عقائد و نظریات

---

[1] السيادة العربية والإسرائيليات (ص: ١١٠)

[2] المصدر السابق (ص: ١١٢)

[3] تثبيت دلائل النبوة (١/ ١٧٩)

[4] استاد محبّ الدین خطیب کی رائے ہے کہ نظریہ غیبت کا موجد محمد بن نصیر، بنو نمیر کے موالی سے ہے۔ (الخطوط العريضة، ←

پر پردہ ڈالنے کے لیے بہ ظاہر گھی کی تجارت کرتا تھا۔

وہ پیروکاروں سے زکات، خمس اور حق آلِ بیت کے نام پر اکٹھے کیے گئے، اموال وصول کرتا اور ''ان کو خوف اور تقیے کی وجہ سے گھی کے تھیلوں اور مٹکوں میں چھپا لیتا۔''[1] اس نے اپنے دعوے میں یہ خیال پیش کیا کہ ''حسن کا ایک لڑکا تھا، جو چار سال کی عمر میں چھپ گیا۔''[2]

اس نے مزید کہا ہے:

''اس کے ساتھ اس کے سوا کوئی بھی مل نہیں سکتا، وہ اس کے اور شیعہ کے درمیان اس کا سفیر ہے، وہ ان کے اموال وصول کرتا ہے اور ان کے سوالات اور مشکلات اس امام غائب تک پہنچانے کا ذمے دار ہے۔''

عجیب بات تو یہ ہے کہ شیعہ کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ معصوم کے قول کے سوا کچھ قبول نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ اجماع بھی معصوم کے بغیر رد کر دیتے ہیں، لیکن یہاں اپنے اہم ترین عقیدے میں ایک غیر معصوم آدمی کا دعویٰ قبول کرتے ہیں، جس جیسا دعویٰ دیگر کئی لوگ بھی کرتے ہیں! ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ وہی غائب کا دربان اور دروازہ ہے۔ شیعہ کے درمیان اختلاف اپنی آخری حدوں کو چھو رہا تھا، ہر کوئی توقیع (رقعہ) نکال لیتا اور یہ دعویٰ کرتا کہ یہ غائب منتظر نے جاری کیا ہے، جو دوسرے پر لعنت اور اس کی تکذیب پر مشتمل ہوتا۔

طوسی نے ان کے ناموں کا ذکر اس عنوان کے تحت ایک مبحث میں کیا ہے:

''ان مذموم افراد کا ذکر جنھوں نے بابیت (دربانی) کا دعویٰ کیا، اللہ ان پر لعنت کرے۔''[3]

عثمان بن سعید کے، جس طرح شیعہ کی کتابیں نقل کرتی ہیں، اکثر اسلامی دیار وممالک میں وکلا ہیں، جو اس معدوم کی امامت کے قائل اور عثمان بن سعید کے اس کا باب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ابن بابویہ قمی

← ص: ٣٨) اثنا عشریہ کی کتابوں میں ذکر ہوا ہے کہ ''وہ غائب کی بابت دربانی کا دعویٰ کرنے والوں میں سے تھا، اس سے بھی پہلے شریعی نامی ایک آدمی نے یہ دعویٰ کیا تھا، اس کے بعد دوسرے لوگوں نے اس کے دعوے کی طرح دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔'' (الغيبة للطوسي، ص: ٢٤٤)

[1] الغيبة للطوسي (ص: ٢١٤۔ ٢١٥) محمد الصدر: تاريخ الغيبة الصغرى (ص: ٣٩٦۔ ٣٩٧)

[2] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٥٨) روایات میں اختلاف کے پیشِ نظر چھپنے کے وقت اس کی عمر میں اختلاف ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔ مجلسی نے کہا ہے کہ ''اکثر روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانچ سال سے چند مہینے یا ایک سال اور چند مہینے چھوٹا تھا۔'' (بحار الأنوار: ٢٥/ ١٢٣)

[3] الغيبة (ص: ٢٤٤)

نے ان وکلا کے نام ذکر کیے ہیں، جو ان کے ناموں کا جامع ترین تذکرہ ہے، اسی طرح محمد باقر صدر ان کے نام بھی ذکر کرتا ہے۔[1]

کچھ دوسرے وکلا بھی ہیں، جو عثمان بن سعید اور اس کے شیعہ سے نالاں ہیں۔ طوسی نے ان میں سے سات کا ذکر: ''ائمہ کے مذموم وکلا کا تذکرہ'' کے عنوان سے کیا ہے۔[2]

شیعہ کے نزدیک باب اور وکیل میں یہ فرق ہے کہ باب (درباں) امام غائب سے ملتا ہے، لیکن وکیل باب سے ملتا ہے، امام کو نہیں دیکھتا اور وہ شیعہ اور باب کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ جب اثنا عشریہ کا پہلا قابلِ اعتماد باب عثمان بن سعید فوت ہوگیا تو اس کے بعد اس کے بیٹے محمد کو مقرر کیا گیا، لیکن شیعہ کے ایک گروہ نے اس کی تقرری کی مخالفت کی، لہٰذا وہ اس کے بیٹے کے باب ہونے پر راضی نہ ہوئے اور ان کے درمیان جھگڑے اور ایک دوسرے پر لعن طعن نے جنم لے لیا۔

احمد بن ہلال کرخی نامی ایک شخص ان مخالفین میں سے تھا، جب اس سے کہا گیا: تم ابو جعفر محمد بن عثمان کی دربانی کیوں تسلیم نہیں کرتے، جب کہ خود امام واجب اطاعت نے اس کی تعیین کی ہے؟[3] اس نے ان سے کہا:

''میں نے نہیں سنا کہ انھوں نے اس کی وکالت کی تعیین کی ہو، میں اس کے باپ (عثمان بن سعید) کا انکار نہیں کرتا، لیکن میں یہ کہنے کی جسارت قطعاً نہیں کروں گا کہ ابو جعفر صاحبِ زمان کا وکیل ہے۔''[4]

انھوں نے کہا: تیرے علاوہ دوسروں نے اس سے سنا ہے، اس نے کہا: تم نے جو سنا ہے، اس پر عمل کرو... تو انھوں نے ان سے پر لعنت بھیجنا شروع کر دی اور اس سے براءت کا اظہار کر لیا۔[5]

شیعہ کے بعض وثائق اس تنازعے کے سبب سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر طوسی، محمد بن علی بن بلال نامی ایک شخص سے ذکر کرتا ہے کہ اس نے محمد بن عثمان عمری کے باب ہونے کا انکار کیا، اس کے اور عمری کے درمیان طویل گفتگو ہوئی، جو بڑی معروف کہانی ہے۔

---

[1] تاریخ الغیبة الصغری (ص: ٦٠)

[2] الغيبة للطوسي (ص: ٢١٣۔ ٢١٤)

[3] اس سے شیعہ کی مراد امام منتظر ہے، کیوں کہ وہ باب اول کے قول کو امام کا قول قرار دیتے ہیں، کیوں کہ وہ اس کا اکیلا باب اور سفیر تھا، چناں چہ انھوں نے عثمان بن سعید کے اپنے بیٹے کو مقرر کرنا امام کی طرف سے مقدس وصیت نامہ سمجھا، جس کا مخالف لعنت کا مستحق ہے۔

[4] دیکھیے! وہ اس کو وکیل کہہ رہا ہے، حالاں کہ اثنا عشریہ اس کو باب کہتے ہیں اور وہ وکیل اور باب کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

[5] الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٥)

اس کے یہ قول: پہلے اس نے ان اموال کو روکے رکھا، جو اس کے پاس امام کے تھے۔ اس نے ان کو دینے سے انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا:

''وہ کیل ہے، یہاں تک کہ جماعت اس سے بَری ہوئی اور انھوں نے اس پر لعنت بھیجی۔''[1]

آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ وہ وکالت میں عثمان بن سعید کا شریک تھا، جب وہ فوت ہوگیا تو اس نے مال کو ہڑپ کرنا چاہا۔

معلوم ہوا کہ بابیت اور وکالت کے لیے ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنا اور لڑائی کرنا محض مال جمع کرنے کی غرض سے تھا، وگرنہ اگر واقعی کوئی امام غائب ہوتا، جو ابواب کے ذریعے شیعہ کے امور کی نگرانی کرتا تو یہ اموال اس حیلے باز انسان کے پاس آتے نہ وہ صاحبِ زمان کی نگاہ میں اعتبار حاصل کر سکتا، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک امام جو ہوا ہے اور جو ہونے والا ہے، سب سے واقف ہوتا ہے۔

اس نے شروع ہی میں اس شخص کے ساتھ لَین دَین کرنے سے خبردار کرنے کے متعلق کوئی حکم کیوں جاری نہیں کیا، تا کہ وہ لوگوں کے مال نہ لے؟ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ غائب امام کا وجود ہی نہیں۔ یہ ڈاکوؤں کی ٹولیاں ہیں، جو تشیع اور دین داری کے نام پر لوگوں کا مال باطل طریقے سے لوٹتے ہیں، اس لیے ان کا جھگڑا بھی اسی کی خاطر ہے۔ پھر محمد بن عثمان بن سعید[2] (المتوفی ۳۰۴، ۳۰۵ھ) پچاس سال تک منصبِ بابیت پر فائز رہ کر فوت ہوگیا۔[3] لوگ اس کی خدمت میں مال پیش کرتے رہے اور وہ حسن کے خط میں ان کے لیے رقعے نکالتا رہا، جس میں ان کے دین و دنیا کے اہم امور کے متعلق پوچھے گئے سوالات کے عجیب وغریب جوابات تحریر ہوتے۔[4]

اس کے بعد ابو القاسم حسین بن روح نامی شخص بابیت کے منصب پر فائز ہوا۔ یہ شیعہ کی روایات کے مطابق محمد بن عثمان کی زندگی کے آخری ایام میں بابیت کی ذمے داری نبھاتا تھا، چناں چہ وہ لوگوں کے لائے ہوئے اموال کو اس کے سپرد کرنے کا حکم دیا کرتا تھا۔ اس لیے ایک محمد بن علی الاسود نامی شخص نے کہا کہ باب الوقف پر جو مال اکٹھا ہوتا، میں اسے ابوجعفر محمد بن عثمان عمری کے پاس پہنچاتا اور وہ مجھ سے وصول کر لیتا۔ میں نے اس کی زندگی کے آخری ایام میں اس کی موت سے دو یا تین سال پہلے اس کے پاس کچھ مال پہنچایا تو اس نے مجھے

[1] المصدر السابق.

[2] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ۲۲۳) رجال الحلي (ص: ۱۴۹)

[3] الغيبة للطوسي (ص: ۲۲۳) رجال الحلي (ص: ۱۴۹)

[4] الغيبة للطوسي (ص: ۲۲۳)

ابو القاسم روحی کے سپرد کرنے کا حکم دیا، میں اس سے وصول یابی کا مطالبہ کرتا تو اس نے اس امر کی ابوجعفر (محمد بن عثمان) کو شکایت کی، تو اس نے مجھے حکم دیا کہ میں اس سے وصول یابی کا مطالبہ نہ کروں اور کہا:

''جو ابو القاسم تک پہنچتا ہے، وہ سب مجھ تک پہنچ جاتا ہے، اس کے بعد میں مال اس کے پاس پہنچاتا اور اس سے وصولی کا مطالبہ نہ کرتا۔''[1]

جب ایک شیعہ نے ابو القاسم بن روح کو مال دینے میں کچھ تردد کا اظہار کیا تو باب محمد بن عثمان اس پر بھڑک اٹھا اور اس سے کہا:

''تم نے میرا حکم نہیں مانا؟ لیکن اس آدمی نے اس خوف سے اس کو نرم اور ٹھنڈا کرنا شروع کر دیا کہ کہیں وہ اس کے نام لعنت اور اس سے براءت کے اظہار پر مشتمل رقعہ نہ نکال دے، جو ابواب کی ایسے لوگوں کے متعلق عادت تھی، جو مال دینے سے انکار کر دیتے۔''[2]

چناں چہ اس نے چاپلوسی کے انداز میں اس سے کہا:

''آپ نے جو میرے لیے لکھا، میں اس پر کوئی جسارت نہیں کر رہا۔''

لیکن باب نے اس کو غصے کے عالم میں جواب دیا: ''کھڑا ہو جا، جس طرح میں تم سے کہہ رہا ہوں۔''

وہ آدمی کہتا ہے:

''میرے پاس فوراً چلے جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں ابو القاسم بن روح کے پاس گیا جو اس وقت ایک تنگ مکان میں تھا اور اس کو ساری بات بتائی، وہ خوش ہوگیا اور شکر گزار ہوا اور میں نے اس کو دینار دے دیے، اس کے بعد میرے پاس جتنے دینار آتے، مَیں وہ اس تک پہنچا دیتا۔''[3]

آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ شیعہ رموز کس طرح اپنے آپ کو ہالۂ تقدس میں پیش کرتے ہیں اور اپنے قول کو عصمت اور مطلقاً وجوبِ اطاعت سے متصف کرتے ہیں، وگرنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور لعنت اس کا مقدر ٹھہرے گی، نیز یہ امر بھی قابلِ التفات ہے کہ مال کی زبان ہی منتظر کی طرف منسوب توقیعات اور ابواب اور وکلا کی زبانوں پر رائج لغت ہے۔

ابو القاسم بن روح کو اس لیے منتخب کیا گیا، کیوں کہ وہ اس جگہ کے راز کی زیادہ حفاظت کرنے والا تھا،

---

[1] المصدر السابق (ص: ٢٢٥۔ ٢٢٦)

[2] یہ عیسائیوں کے ہاں محرومی کی پرچیوں کے مانند ہیں۔

[3] الغيبة للطوسي (ص: ٢٢٤)

جہاں امام غائب مقیم ہے، کیوں کہ باب کا انتخاب مخصوص شرائط کی روشنی میں شیعہ حلقوں کی طرف سے کیا جاتا، جن میں شاید نمایاں ترین شرط راز کی حفاظت اور ظہور اور شہرت سے مکمل اجتناب تھی۔ طوسی کی کتاب ''الغيبة'' میں مذکور یہ واقعہ اس پر دلالت کرتا ہے:

''سہل نوبختی سے پوچھا گیا کہ یہ منصب تجھے چھوڑ کر شیخ ابو القاسم حسین بن روح کو کیوں ملا؟ اس نے جواب دیا: وہ زیادہ بہتر جانتے ہیں، جو انھوں نے انتخاب کیا۔[1] لیکن میں ایسا آدمی ہوں کہ میں حریفوں سے ملتا اور ان سے مناظرے بھی کرتا ہوں۔ اگر مجھے اس (مہدی غائب) کی جگہ کا علم ہو جاتا (کیوں کہ باب کے سوا اس کی جگہ سے کوئی باخبر نہیں ہوتا) اور مجھ پر اس کی جگہ معلوم کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جاتا تو شاید میں اس جگہ کی نشان دہی کر دیتا، لیکن ابو القاسم ایسا آدمی تھا کہ اگر حجت (امام منتظر) اس کے دامن کے نیچے بھی ہوتا اور اس کو قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا، تب بھی اس سے اپنا دامن نہ اٹھاتا۔''[2]

اس کے باوجود ابو القاسم کی تقرری نے خفیہ جماعتوں کے درمیان بہت زیادہ اختلاف کو ہوا دی، جس کے نتیجے میں ان کے کئی رؤسا علاحدہ ہوگئے، انھوں نے اپنی بابیت کا دعویٰ کر دیا اور ان کے درمیان لعن طعن کی ایک طویل جنگ بازی شروع ہوگئی۔

چند لوگ ایسے بھی تھے، جب وہ پیروکاروں کی کثرت کو شکار نہ کر سکے تو وہ بابیت کے دعوے کے قلعی کھولنے کے درپے ہوگئے، انہی میں ایک محمد بن علی شلمغانی (مقتول المتوفی ۳۲۳ھ)[3] نامی شخص بھی تھا، جس نے روافض کے مہدی کے نائب ہونے کا دعویٰ کیا، اس دوڑ میں ابو القاسم بن روح کا مقابلہ کیا اور ان کو سر بازار رسوا کیا، اس نے کہا:

''جب ہم ابو القاسم بن روح کے ساتھ اس معاملے میں داخل ہوئے تو ہمیں علم تھا کہ ہم کس میں داخل ہوئے۔ ہم اس منصب کے لیے اس طرح لڑتے تھے، جس طرح کتے مردار پر لڑتے ہیں۔''[4]

اس پر احمد کسروی ایرانی (شیعہ نژاد) تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

---

[1] دیکھیے! وہ یہاں اس کے انتخاب کو شیعہ علما کی طرف منسوب کر رہا ہے، حالاں کہ ان کا گمان ہے کہ یہ امام غائب کا اختیار ہے۔

[2] الغيبة (ص: ٢٤٠)

[3] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٨) البداية والنهاية لابن كثير (١١/ ١٧٩) الكامل (٨/ ٢٩٠)

[4] الغيبة للطوسي (ص: ٢٤١)

''اس نے جو کہا درست کہا۔ جھگڑا اموال کے علاوہ اور کسی چیز کے لیے نہیں تھا۔ آدمی مال جمع کرتا، پھر لالچ کا شکار ہوجاتا تو بابیت کا دعویٰ کر دیتا، تاکہ اسے یہ مال دوسرے کے سپرد نہ کرنا پڑے۔''[1]

پھر جونہی ابن روح ۳۲۶ھ کو فوت ہوا تو بابیت (دربانی) اس کی وصیت کے مطابق ابو الحسن علی بن محمد سمری[2] نامی ایک چوتھے شخص کی طرف منتقل ہوگئی، جو منصبِ بابیت پر براجمان ہوا۔

امام کو غائب ہوئے تقریباً ستر برس ہو رہے تھے، لیکن شیعہ کے اس کے شدت کے ساتھ شوقِ انتظار میں جلنے کے باوجود ان کی اس کی واپسی کے متعلق امید پوری نہ ہوسکی۔ شیعہ کے غائب اور چھپے ہوئے امام کے ظاہر ہونے کے جتنے وعدے تھے، وہ سب جھوٹے ثابت ہوئے تو شیعہ حلقوں میں شک نے جنم لینا شروع کر دیا اور بابیت کے دعوے داروں میں ہونے والے شدید ترین نزاع نے حقیقتِ حال کو بے نقاب کرنا شروع کر دیا، اس لیے باب کی سرگرمی مکمل طور پر پردۂ اخفا میں چلی گئی۔ چناں چہ آپ شیعہ کی کتابوں میں اس سرگرمی کو اتنی شد و مد کے ساتھ نہیں پاتے، جس طرح یہ اس کے اسلاف کے توقیعات اور رقعوں کے متعلق تھی، جن کو وہ غائب منتظر کی طرف منسوب کرتے تھے۔ بعض شیعہ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے، اگرچہ اس معاملے کو شیعہ پر بہت زیادہ دباؤ کی طرف منسوب کر کے ان اسباب کی پردہ پوشی ہی کی کوشش کی ہے۔[3]

سمری اس علامتی منصب پر تین سال تک فائز رہا۔[4] ''شاید اس کو ناکامی ہوئی ہو اور اس نے امام غائب کے وکیل معتبر کے منصب کے گھٹیا پن کو محسوس کر لیا ہو۔''[5] لہٰذا جب وہ بسترِ مرگ پر تھا تو اس سے پوچھا گیا کہ تیرے بعد تیرا ولی عہد کون ہوگا؟ تو اس نے کہا:

''اللہ کے سپرد ہے، اس نے اس امر کو جس تک پہنچانا ہوگا، پہنچا دے گا۔''[6]

اس طرح امام غائب کے ساتھ براہِ راست تعلق کا دعویٰ اپنی موت آپ مر گیا، کیوں کہ اس کے وثائق نے اس میں مقابلہ آرائی کے سبب کو کھول دیا تھا۔ اس طرح غیبوبت کا دعویٰ ایک بند گلی میں آ کر رک گیا، کیوں کہ خصوصی بابیت کا نظریہ کامیاب نہ ہوسکا، لیکن شیعہ علما نے امام منتظر کی طرف سے سمری کی طرف منسوب

[1] التشيع والشيعة (ص: ٣٣)
[2] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٤)
[3] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٣) تاريخ الغيبة الصغرى للصدر (ص: ٤١٣)
[4] محمد باقر الصدر: تاريخ الغيبة الصغرى (ص: ٤١٤)
[5] رونلدسن: عقيدة الشيعة (ص: ٢٥٧)
[6] الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٢)

ایک توقیع نکال لی، جس میں اس نے براہِ راست بابیت کے انقطاع کا اعلان کیا اور عمومی نیابت کا نظریہ اختراع کرلیا، جس میں تمام علمائے شیعہ شریک ہیں، جس کی تفصیل آگے ذکر ہوگی۔

اس تبدیلی کے بعد مہدی کے غائب ہونے کا مسئلہ اس اندھی گلی سے باہر نکلا، بابیت کے منصب پر ہونے والے جھگڑے کے مظاہر چھوٹ گئے، مالِ غنیمت تمام میں برابر برابر تقسیم ہوگیا اور نیابت کا عقیدہ ایجاد کیا گیا، جس کا ہم شیعہ کے نزدیک مسئلہ ''مہدی'' کے بعد ذکر کریں گے۔

عثمان بن سعید، اس کا بیٹا، ابن روح اور سمری؛ یہ چاروں ابواب مسئلہ غیبوبت اور مہدیت کے بانی ہیں، یا یہ وہ نمایاں چہرے ہیں، جنھوں نے اثنا عشریہ کے نزدیک نظریۂ مہدی کا خاکہ کھینچا۔ ان کے بہ طورِ باب کام کرنے کے دورانیے کو ''غیبتِ صغریٰ'' کا نام دیا جاتا ہے، جو ستر سال یا اس سے کچھ سال زیادہ جاری رہا۔[1]

اب ہم نظریہ مہدیت اور غَیبت کو اثنا عشریہ کی کتابوں سے پیش کریں گے اور اس کے مضامین کا تعارف پیش کریں گے، کیوں کہ آج یہ نظریہ شیعہ مذہب کی اساس شمار ہوتا ہے۔

اثنا عشریہ کے نزدیک مہدیت کے خط و خال:

شیعہ کی کتابوں میں مہدی کا قصہ انتہائی عجیب وغریب ہے، جس کا پلاٹ اور تانا بانا واقعات کی تشکیل میں تخیل کی بلندیوں پر فائز ہے اور یہ اس کو ایسے افسانے کی شکل میں ڈھالتا ہے، جس کو قبول کرنے کے لیے نہ عقل کو کوئی راہ سجھائی دیتی ہے نہ فطرتِ سلیمہ ہی کو کوئی توجیہ نظر آتی ہے؛ سب ہی محوِ تماشا حیرت میں ہیں، بلکہ ان اکثر شیعہ فرقوں نے بھی اس کا انکار کیا ہے، جو اس کی ولادت کے وقت موجود تھے۔[2]

ہم حسن عسکری کے مہدی مزعوم کی ماں کے انتخاب سے اس کے عمومی خد و خال کا نقشہ کھینچنے سے اس کا آغاز کرتے ہیں، اس کے بعد بالترتیب اس کی ولادت، چھپنے، پھر لوٹنے اور اس کی سیرت و کردار کا ذکر کریں گے۔

حسن عسکری کا مہدی کی ماں کے ساتھ ملنا بھی ایک عجیب واقعہ ہے، شیعہ کی کتابوں نے اس کے

---

[1] شیعہ کا عالم اور آیت جعفر نجفی کہتا ہے: ''غَیبتِ صغریٰ ۷۴ سال تک جاری رہی۔'' (کشف الغطاء، ص: ۱۳) بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ تحدید ان کے نزدیک متفقہ نہیں۔ ممقانی کی ''تنقیح المقال'' میں اس تحدید کا رد ہے۔ وہ کہتا ہے: ''یہ جو کہا گیا ہے کہ غَیبت کا دورانیہ ۷۴ سال پر محیط ہے، شبہہ سے خالی نہیں۔ الا یہ کہ اس کو (منتظر مزعوم کی) ولادت سے شمار کیا جائے، پھر اس نے ذکر کیا کہ یہ مدت ایک مہینا کم ۶۸ یا ۶۹ سال بنتی ہے۔ (تنقیح المقال: ۱/ ۱۸۹) صدر ذکر کرتا ہے کہ اس کی مدت ۷۰ سال تھی۔ دیکھیں: تاریخ الغیبة الصغریٰ (ص: ۳۴۵)

[2] دیکھیں: اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۸۷۵)

واقعات کو الف لیلوی کہانیوں کے انداز میں پیش کیا ہے۔ حسن عسکری کا اس لونڈی کا انتخاب، جس کی طرف شیعہ ان کے لڑکے کی نسبت کرتے ہیں، غیب کی آنکھ سے ہوا۔ اس نے اپنے خادم کو لونڈیوں کے بازار میں بھیجا اور اس کو اس لونڈی کے اوصاف بیان کیے، اس کے لباس کی نوعیت ذکر کی، خرید کے وقت جو گفتگو کرے گی، اس کا بھی ذکر کیا، پھر انھوں نے اس کے ہاتھ ایک رومی زبان میں خط بھی دیا، جس کو دیکھ کر وہ فوراً شدت سے رو پڑے گی اور اس کو اپنے چہرے پر لگائے گی۔ جب خادم ان تمام امور پر تعجب کا اظہار کرے گا تو وہ اپنی شناخت سے پردہ ہٹائے گی اور اس کو بتائے گی کہ وہ ملیکہ بنت یوشع بن قیصر شاہِ روم ہے۔

اس کے بعد وہ اس کو اپنی زندگی کی کہانی سناتی ہے کہ کس طرح اس کی شادی میں رکاوٹیں اور سانحے آتے رہے، اس نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسیح سے اس کا رشتہ طلب کیا اور ان سے کہا: ''اے اللہ کی روح! میں تمھارے پاس تمھارے وصی شمعون کی بیٹی ملیکہ کا اپنے اس بیٹے کے لیے رشتہ طلب کرنے کے لیے آیا ہوں، پھر آپ ﷺ نے ابو محمد کی طرف اشارہ کیا (یعنی حسن عسکری)۔'' اس کے بعد خوابوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ حسن عسکری کی والدہ، مریم بنت عمران (علیہا السلام) اور جنت کی ایک ہزار خوبصورت خادماؤں کے ساتھ اس کے پاس آئی ہے، تو اس سے مریم کہتی ہے:

''یہ سیدۃ النساء (دیکھیے! اس لقب کا حسن عسکری کی ماں پر اطلاق! کیا وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی افضل تھیں) تیرے خاوند ابو محمد کی والدہ ہے، تو مہدی کی ماں اس کے ساتھ چمٹ جاتی ہے اور رونا اور ان کی والدہ سے شکوہ کرنا شروع کر دیتی ہے کہ حسن اس کی زیارت کے لیے نہیں آتے، لیکن ام حسن اس سے کہتی ہے: تو مشرکہ ہے، اس لیے میرا بیٹا محمد تیری ملاقات کے لیے نہیں آئے گا۔[1]

اس کے بعد اس کہانی کے واقعات چلتے ہیں اور ان خوابوں کی تاثیر شروع ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں حسن اس کی خوابوں میں آنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنا مسلمانوں کا قیدی ہونے کا قصہ بیان کرتی ہے کہ اس نے اپنی حقیقت چھپانے کے لیے اپنا نام نرگس رکھ لیا اور اپنے مالک سے یہ مطالبہ کیا، وہ اس کو صرف اس شخص کے ہاتھ فروخت کرے، جس کو وہ پسند کرتی ہو اور یہ وہی شخص تھا، جو ان خصوصیات اور صفات کا حامل تھا، جو خواب میں اس کو دکھائی گئیں۔

اس کے بعد وہ حسن سے ملتی ہے اور کوئی اجنبیت محسوس نہیں کرتی، کیوں کہ وہ اس سے پہلے ہی

---

[1] ابو محمد اس لیے اس کی زیارت کے لیے نہیں آیا کہ وہ مشرکہ ہے، لیکن سیدۃ النساء مریم علیہا السلام اور جنت کی خادمائیں اس کی زیارت کے لیے آگئی ہیں، اگرچہ وہ مشرکہ ہے!!

خوابوں کے ذریعے واقف ہوچکی تھی اور اس کو ایک ایسے لڑکے کی خوش خبری دی جاتی ہے، جو مشرق سے لے کر مغرب تک زمین کا مالک بنے گا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔"[1]

اس کا مہدی کے ساتھ حاملہ ہونا بھی ایک عجیب وغریب واقعہ ہے، کیوں کہ اس پر حمل کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی، حالاں کہ حکیمہ بنت محمد (بن علی بن موسیٰ بن جعفر صادق) نے ان کے بہ قول اس کے حمل کی تحقیق کرنے کی کوشش میں اس کو سیدھا اور پشت کے بل کر کے دیکھا، لیکن اس کو حمل کی کوئی علامت محسوس نہ ہوئی اور وہ حسن کے پاس آئی اور اس سے یہ بات کہی، لیکن حسن نے تاکید کے ساتھ کہا کہ حمل موجود ہے اور اس سے کہا: "فجر کے وقت تمھارے سامنے حمل ظاہر ہوجائے گا۔"[2]

لیکن عجیب تر بات تو یہ ہے کہ خود بچے کی ماں کو بھی اس کی ولادت کی رات تک حمل کی کوئی خبر نہیں تھی، بلکہ اس نے حکیمہ سے کہا: "میں اپنے آپ میں اس جیسی کوئی چیز محسوس نہیں کرتی۔"[3]

یوں لگتا ہے کہ اس پر حمل کے اثرات ظاہر ہونے کی نفی کرنا، دراصل (شیعہ کے نزدیک بھی) اس ثابت شدہ الزام سے جان چھڑانے کی ایک کوشش یا تدبیر ہے کہ حسن عسکری کے بھائی جعفر نے حسن کی بیویوں اور لونڈیوں کو ان کی وفات کے بعد استبراے رحم کے لیے محبوس کیا تھا، تاکہ قاضی اور سلطان کے سامنے ان کے رحموں کا حمل سے خالی ہونا ثابت ہوجائے، اس کے بعد حسن کی وراثت تقسیم ہوئی۔[4]

یہ روایت جو حمل کی علامت کی نفی کرتی ہے، حتی کہ ام الولد (بچے کی ماں) کو بھی خبر نہیں تھی، آخر میں اس گمان کی نفی کرتی ہے اور کہتی ہے کہ مولود اپنی ماں کے پیٹ میں بولتا تھا، حتی کہ حکیمہ نے کہا:

"مجھے جنین نے اس کے پیٹ سے جواب دیا، مجھے سلام کہا اور جس طرح میں پڑھتی، اسی طرح پڑھتا۔"[5]

اسی طرح طوسی خود حکیمہ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا:

"جب اس کو حسن نے اپنی لونڈی سے مہدی کی ولادت کے امور کی نگرانی کے لیے طلب کیا تو اس نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، جناب! خلف الرشید کس سے ہوگا؟ اس نے کہا: سوسن

---

(1) دیکھیں: ابن بابویه: إكمال الدين، باب ما روي في نرجس أم القائم (ص: ٣٩٥۔ ٤٠٠)

(2) إكمال الدين (ص: ٤٠٤)

(3) المصدر السابق (ص: ٤٠٤)

(4) دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٧٤)

(5) إكمال الدين (ص: ٤٠٤)

سے ہوگا۔ وہ کہتی ہے: میں نے ان پر ایک نظر دوڑائی تو سوسن کے علاوہ مجھے کسی لونڈی پر حمل کے اثرات نظر نہ آئے۔''[1]

وہ اس روایت میں محض ایک نظر ڈالنے ہی سے اس کے حاملہ ہونے کا ادراک کر لیتی ہے، لیکن ابن بابویہ کی روایت میں وہی اس کو پشت اور پیٹ کی طرف پھیر کر دیکھتی ہے، لیکن اس کو حمل کی کوئی علامت نظر نہیں آتی۔ یہاں یہ اس کو سوسن کا نام دے رہی ہے اور وہاں اس کا نام نرگس ذکر ہو رہا ہے، جب کہ بعض دیگر روایات میں دوسرے نام بھی ذکر ہوئے ہیں۔[2]

ہر کوئی جس طرح چاہتا ہے وضع کرتا ہے، اثنا عشریہ کی کتابیں سب کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ جب وہ پیدا ہوا تو ''...اپنی ماں کے پیٹ سے گھٹنوں کے بل اپنی دونوں انگشتِ شہادت کو آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے گرا، پھر اس نے چھینک ماری اور کہا: الحمد لله رب العالمين، وصلى الله علي محمد وآله"۔ ''ظالموں کا خیال ہے کہ یقیناً اللہ کی حجت مٹ چکی ہے، اگر ہمیں کلام کی اجازت ملے تو ان کا شک ختم ہو جائے گا۔''[3]

دوسری روایت میں ہے:

''وہ سجدے میں گر گیا، وہ تشہد پڑھ رہا تھا اور یہ دعا کر رہا تھا: اللهم أنجز لي ما وعدتني...''[4]

(اے اللہ! تم نے جو مجھ سے وعدہ کیا ہے، اسے پورا فرما دے ...)

اس کے بعد سبز پرندوں کے ذریعے اس مولود کو آسمان پر چڑھا دیا گیا، جب ماں نرگس اپنے بچے پر خوف کھاتے ہوئے رونے لگ پڑی تو حسن نے اس کو یہ جواب دیا:

''یہ تمھارے پاس لوٹا دیا جائے گا، جس طرح موسیٰ اپنی ماں کی طرف لوٹ آئے تھے۔''[5]

اس کی پرورش بھی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کی پرورش میں سنت و عادت اور فطری نوامیس وقوانین کے خلاف ہے، جن کے مطابق تمام زندہ مخلوق اللہ کے حکم کے ماتحت ہے۔ حکیمہ بنت محمد کی زبان سے مروی یہ خبر ہمارے سامنے اس کی تصویر کشی کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے:

---

[1] الغيبة (ص: ١٤١)

[2] اس کو ریحانہ اور صقیل کے نام سے بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (إكمال الدين، ص: ٤٠٨)

[3] المصدر السابق (ص: ٤٠٦) نیز دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ١٤٧)

[4] إكمال الدين (ص: ٤٠٤۔ ٤٠٥)

[5] المصدر السابق (ص: ٤٠٥)

''اس کی پیدائش کے چالیس دن بعد میں ابو محمد کے پاس آئی، کیا دیکھتی ہوں کہ ہمارے آقا صاحب گھر میں چل رہے ہیں، میں نے اس کے چہرے سے زیادہ خوبصورت چہرہ کوئی نہیں دیکھا، نہ اس کی زبان سے زیادہ فصاحت بھری کسی کی زبان ہی سنی، تو ابو محمد نے کہا: یہ مولود اللہ کے ہاں بڑی عزت رکھتا ہے۔ میں نے کہا: جناب ابھی اس کی عمر چالیس دن بھی نہیں ہوئی کہ میں اس کو چلتے اور بولتے ہوئے دیکھ رہی ہوں؟ اس نے تبسم کیا اور کہا: پھوپھو جان! آپ کو علم نہیں کہ ہم ائمہ کی جماعت ایک دن میں اتنی نشو ونما پاتے ہیں، جتنی عام لوگ ایک سال میں پاتے ہیں۔''[1]

قمی کی روایت میں ہے:

''ہمارا بچہ جب ایک مہینے کا ہو جائے تو وہ اس طرح ہوتا ہے، جو ایک سال کا ہو۔ ہمارا بچہ ماں کے پیٹ میں بولتا ہے، قرآن کی تلاوت کرتا ہے، اپنے رب کی عبادت کرتا ہے، فرشتے رضاعت کے وقت اس کی اطاعت[2] کرتے ہیں اور صبح شام اس پر اترتے ہیں۔''[3]

لیکن یہ مولود جو ان تمام خارق العادت امور کا حامل ہے، اس کو کوئی جانتا ہے نہ اس کا کوئی اثر ہی نظر آتا ہے تو ان تمام خوارق کو جاری کرنے سے کیا مطلب؟ پھر وہ ٹھہرا بھی نہیں کہ غائب ہوگیا اور اس کا کوئی اَتا پتا نہیں، اس کو حکیمہ کے سوا کسی نے غائب نہیں کیا، جو، شیعہ کی، اس کی طرف منسوب کردہ روایت میں، کہتی ہے:

''حسن نے اس کو حکم دیا تھا کہ اس مولود کی خبر اس کی وفات کے بعد شیعہ کا اختلاف ملاحظہ کر لینے تک راز میں رکھے، چناں چہ اس نے کہا: جب اللہ میری شخصیت کو غائب کر دے اور مجھے فوت کر دے اور تم میرے شیعہ کو دیکھو کہ وہ اختلاف کا شکار ہوگئے ہیں تو ان میں سے ثقہ اور قابلِ اعتبار لوگوں کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو اپنی مخلوق اور بندوں کی نظر سے اوجھل کر دے گا، اس کو اس وقت تک کوئی نہیں دیکھ سکے گا، جب تک جبرائیل اپنا گھوڑا اس کی خدمت میں پیش نہ کر دے، تاکہ وہ اللہ کے کام کو پورا کر سکے، جو پورا ہو کر رہنے والا ہے۔''[4]

لہٰذا مہدی اور اس کی غَیبت کا مسئلہ شیعہ میں حکیمہ کی سند اور ذریعے سے پھیل گیا، جس طرح شیخ الطائفہ

---

[1] الغيبة للطوسي (ص: ١٤٤)

[2] اصل مصدر میں یہی لفظ ہے، شاید درست لفظ ہے: کھلاتے ہیں۔

[3] إكمال الدين (ص: ٤٠٥)

[4] الغيبة للطوسي (ص: ١٤٢)

کی روایت کہتی ہے:

''اب معلوم نہیں کہ شیعہ اپنے مذہب کی اصل اور اساس کے متعلق ایک غیر معصوم اور اکیلی عورت کا قول کیسے قبول کرتے ہیں، جو پوری امت کے اجماع کو رد کر دیتے ہیں، اگر ان میں معصوم نہ ہو، چاہے وہ فرعی مسئلہ ہی کیوں نہ ہو؟ آپ دیکھتے ہیں کہ ان کا امام مہدی اور اس کے غیب ہونے کے معاملے کو قابلِ اعتبار شیعہ کے علاوہ دیگر لوگوں سے چھپانے کا حکم دیتا ہے، حالاں کہ شیعہ کے نزدیک جو امام کو نہیں جانتا، وہ غیر اللہ کو جانتا اور اس کی عبادت کرتا ہے۔[1] اگر وہ اس حالت پر مر جائے تو وہ کفر اور منافقت کی موت مرے گا۔''[2]

مہدی کے غیب ہونے کے وقتِ تعیین کے متعلق بھی شیعہ روایات تضاد کا شکار ہیں۔ طوسی کی روایت ہے کہ حکیمہ نے کہا:

''...اس کی پیدایش کے تیسرے دن میرا دل ولی اللہ کو ملنے کے لیے چاہا۔ میں وہاں گئی، سب سے پہلے سوسن کے کمرے سے اس کی تلاش شروع کی، لیکن مجھے وہاں اس کی کوئی نشانی نظر آئی نہ میں نے اس کا کوئی ذکر ہی سنا۔ میں نے سوال کرنا مناسب نہ سمجھا، چناں چہ میں ابو محمد کے پاس آئی اور مجھے سوال کا آغاز کرنے میں کچھ شرم محسوس ہوئی تو انھوں نے خود ہی آغاز کیا اور کہا: پھوپھو جان! وہ اللہ کی حفاظت، رحمت، پردہ پوشی اور غیب میں ہے، تاوقتیکہ اللہ اس کو ظاہر ہونے کی اجازت دے دے۔''[3]

ایک دوسری روایت میں ہے:

''حکیمہ نے اس کو سات دنوں کے بعد گم پایا۔''[4]

تیسری روایت میں ہے:

''اس نے اس کو چالیس دنوں کے بعد گھر میں چلتے ہوئے دیکھا، پھر اس کے بعد اس کو گم پایا۔''[5]

ایک روایت میں ہے:

---

[1] أصول الكافي (١/ ١٨١)

[2] أصول الكافي (١/ ١٨٤)

[3] الغيبة للطوسي (ص: ١٤٢)

[4] المصدر السابق (ص: ١٤٢)

[5] المصدر السابق (ص: ١٤٤)

''حکیمہ عسکری کے گھر آتی اور ہر چالیس دن بعد اس سے ملاقات کرتی، اس کی وفات سے چند دن پہلے، اس وقت مہدی کی عمر زیادہ سے زیادہ پانچ سال تھی،[1] وہ اپنی عادت کے مطابق عسکری کے گھر آئی۔ کہتی ہے: میں نے اس کو ایک آدمی کی شکل میں دیکھا، اس کو پہچان نہ سکی تو میں نے اپنے بھتیجے سے پوچھا کہ یہ کون ہے، جس کے سامنے بیٹھنے کے لیے تم مجھے کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا: یہ نرگس کا بیٹا ہے، یہ میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا اور بہت جلد تم اس کو گم پاؤ گے، لہٰذا اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔''[2]

اس طرح مہدی غائب ہوگیا اور حکیمہ کے سوا اس راز سے کوئی بھی واقف نہیں تھا، جس نے ان کی روایت کے مطابق، معتبر شیعہ کو اس خبر کی امانت سونپی۔ جہاں تک چھپنے اور غائب ہونے کی جگہ کا تعلق ہے تو وہ انتہائی رازداری اور چھپانے کا مقام تھا۔ جب شیعہ تک مزعومہ غیبوبت کی خبر پہنچی تو انھوں نے اس کی جگہ جاننے کے لیے کوشش کی، لیکن باب نے، جو اس کے ساتھ تعلق کا دعوے دار تھا، اس کے متعلق کچھ بھی ظاہر کرنے سے انکار کر دیا اور مہدی کی طرف منسوب ایک خفیہ توقیع نکالی، جس میں اس نے کہا:

''اگر وہ جگہ جان جائیں تو وہ اس کا پتا دے دیں گے۔''[3]

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی مخصوص جگہ اور خفیہ کمین گاہ میں ہے، جس کو باب کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا اور اس جگہ کو شیعہ سے چھپا کر رکھنے کا سبب یہ خوف ہے کہ کہیں وہ دوسروں کو اس کا پتا نہ بتا دیں۔ لیکن کافی کی بعض روایات اس شہر کی بھی نشان دہی کرتی ہیں، جس میں وہ چھپا ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے:

''اس ''صاحبِ امر'' کے لیے غیب ہونا انتہائی ضروری ہے اور غیب ہونے میں عزلت بھی لازمی ہے، تو طیبہ سے اچھا کون سا گھر ہوسکتا ہے؟!''[4]

یہ روایت اشارہ کرتی ہے کہ ''وہ مدینہ طیبہ میں چھپا ہوا ہے، کیوں کہ طیبہ، مدینہ ہی کا نام ہے۔''[5]

جب کسی پوچھنے والے نے حسن عسکری سے پوچھا کہ اگر تمھارے ساتھ کوئی ناگہانی واقعہ پیش آ جائے تو

---

[1] کیوں کہ شیعہ روایات کے بہ قول اس کی پیدائش ۲۵۵ یا ۲۵۶ھ کو ہوئی اور حسن عسکری کی وفات ۲۶۰ھ کو ہوئی۔

[2] إكمال الدين (ص: ٤٠٥۔ ٤٠٦)

[3] أصول الكافي (١/ ٣٣٣)

[4] المصدر السابق (١/ ٣٤٠) الغيبة للنعماني (ص: ١٢٥) بحار الأنوار (٥٢/ ١٥٣)

[5] دیکھیں: معجم ما استعجم (٢/ ٩٠٠)

میں کہاں اس کے متعلق پوچھوں؟ اس نے جواب دیا: ''مدینے میں۔''[1]

لیکن طوسی ''الغيبة'' میں ذکر کرتا ہے کہ وہ رضوی نامی پہاڑ (غار) میں مقیم ہے۔ وہ اپنی روایت میں کہتا ہے:

''...عبد الاعلیٰ مولی آلِ سام کہتا ہے: میں ابوعبداللہ کے ساتھ نکلا، جب ہم نے ''روحاء''[2] نامی بستی میں پڑاؤ کیا، اس نے اس کے پہاڑ پر جھانک کر دیکھا اور مجھ سے کہا: اس پہاڑ کو دیکھ رہے ہو؟ یہ رضوی[3] پہاڑ ہے، جو فارس کے پہاڑوں میں سے ہے، اس نے ہم سے محبت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہماری طرف منتقل کر دیا، اس کا ہر درخت کھانے کے کام آنے والا اور ڈرنے والے کے لیے دو مرتبہ اچھی امان ہوگا، صاحبِ امر کی اس میں دو غیوبتیں ہوں گی، ایک قصیر اور دوسری طویل۔''[4]

کچھ دوسری روایات ذکر کرتی ہیں کہ وہ مکہ کی کسی وادی میں چھپا ہوا ہے۔

تفسیر عیاشی وغیرہ میں منقول ہے کہ ابوجعفر نے کہا:

''صاحبِ امر (امام غائب) کی ان بعض گھاٹیوں میں غیوبت ہوگی، پھر اس کے بعد اس نے ذی طویٰ[5] کی طرف اشارہ کیا۔''[6]

جب کہ ان کی دعاؤں اور مقاماتِ ائمہ کی زیارت پر مشتمل احادیث و روایات یہ اشارہ کرتی ہیں کہ وہ سامراء[7] کے غار میں مقیم ہے، اس لیے ان میں ذکر ہوا ہے:

''اس کے بعد غیوبت والی غار کے پاس آؤ، دونوں دروازوں کے درمیان دروازے کی ایک جانب

---

[1] أصول الكافي (١/ ٣٢٨) مازندرانی شرح کافی میں لکھتا ہے: ''اس سے ''سُرّ من رأی'' (سامرا) شہر بھی مراد ہوسکتا ہے۔'' (شرح جامع: ٦/ ٢٠٨) لیکن یہ احتمال اس سے پہلی روایت میں پیدا نہیں ہوتا۔

[2] یہ مزینہ قبیلے کی ایک بستی ہے، اس کے اور مدینے کے درمیان ۴۱ میل کا فاصلہ ہے۔ (معجم ما استعجم: ١/ ٦٨١)

[3] یہ مدینے میں ایک پہاڑ ہے، جس میں درخت اور بہت زیادہ پانی ہے۔ کیسانیہ کا دعویٰ ہے کہ ''محمد بن حنفیہ اس پہاڑ پر زندہ مقیم ہیں اور انھیں رزق پہنچایا جاتا ہے۔'' (معجم البلدان: ٣/ ٥١)

[4] الغيبة (ص: ١٠٣)

[5] یہ مکہ کی ایک وادی ہے۔ دیکھیں: معجم ما استعجم (٢/ ٨٩٦)

[6] تفسير العياشي (٢/ ٥٦) البرهان (٨١۔ ٨٢) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤١)

[7] یاقوت کہتا ہے: ''سامراء بغداد سے تیس فرسخ (نوّے میل) اوپر دجلہ پر ایک شہر ہے، جس کو ''سُرّ من رأی'' کہا جاتا تھا۔ لوگوں نے تخفیف کر کے اس کو ''سامراء'' بنا دیا، اس میں وہ معروف سرداب (غار) ہے، جس کے متعلق شیعہ کا یہ گمان ہے کہ ان کا مہدی اسی سے نکلے گا۔'' (معجم البلدان: ٣/ ١٧٣)

کو پکڑ کر کھڑا ہو جاؤ، پھر اجازت لینے والے کی طرح کھنکارو، بسم اللہ پڑھو اور وقار اور سکینت کے عالم میں اتر جاؤ، سرداب کے صحن میں دو رکعت نماز ادا کرو اور کہو:

''اَللھم طال الانتظار وشمت بنا الفجار، وصعب علينا الانتصار، اللهم أرنا وجه وليك الميمون، في حياتنا وبعد المنون، اللهم إني أدين لك بالرجعة، بين يدي صاحب هذه البقعة، الغوث الغوث الغوث يا صاحب الزمان! قطعت في وصلتك الخلاف، وهجرت لزيارتك الأوطان، وأخفيت أمري عن أهل البلدان لتكون شفيعاً عند ربك وربي...''

''اے اللہ! انتظار طویل ہو چکا ہے، فاجر ہم پر ہنستے ہیں اور فتح پانا ہمارے لیے مشکل ہوگیا ہے۔ اے اللہ! ہمیں ہماری زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اپنے مبارک ولی کے چہرے کی زیارت سے مشرف کر۔ اے اللہ! اس قطعے (گوشے) کے مقیم کے سامنے میں تجھے رجعت کا واسطہ دیتا ہوں، المدد، المدد، المدد اے صاحبِ زمان! تمھارے وصال اور ملاقات کے لیے مَیں نے لمبا سفر طے کیا ہے اور اہلِ علاقہ سے اپنا معاملہ چھپا کر رکھا ہے، تاکہ تو اپنے اور میرے رب کے سامنے میرا سفارشی بن جائے۔ اے میرے آقا! اے فرزندِ حسن بن علی! مَیں تمھاری زیارت کے لیے آیا ہوں۔''[1]

شیعہ کی بعض روایات یہ بھی ذکر کرتی ہیں کہ اس کی غیوبت میں اس کے ساتھ اس کے تیس ساتھی بھی ہیں، جو اس کی عزلت اور تنہائی میں غم گساری کرتے ہیں۔ اس روایت میں مذکور ہے:

''تیس کے ساتھ وحشت محسوس نہیں ہوتی۔''[2]

سرداب (غار) کو ان دعاؤں، مناجات اور اس میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنے کے لیے مخصوص کرنا، اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان روایات کے وضع کرنے والے اپنے پیروکاروں کو یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ وہ سرداب میں موجود ہے، اس لیے علامہ ابن خلکان کہتے ہیں:

''شیعہ آخری زمانے میں اس کا ''سُرَّ مَن رأیٰ'' کے ایک سرداب (کمین گاہ) سے خروج کا انتظار کرتے ہیں۔''[3]

---

[1] علي بن طاؤوس: مصباح الزائر (ص: ٢٢٩) محمد المشهدي: المزار الكبير (ص: ٢١٦) المجلسي: بحار الأنوار (١٠٢/ ١٠٢ـ ١٠٣) الشيرازي: كلمة المهدي (ص: ٤٧١ـ ٤٧٢)

[2] أصول الكافي (١/ ٢٤٠)

[3] وفيات الأعيان (٤/ ١٧٦)

امام ابن اثیر نے ذکر کیا ہے:

''شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ منتظر سامراء کے سرداب میں موجود ہے۔''[1]

ان تمام باتوں کے باوجود بعض معاصر شیعہ اس کی نفی کرتے ہیں۔ محسن امین کا کہنا ہے:

''ایسی کوئی روایت ہے نہ شیعہ کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں کوئی ایسی بات موجود ہے کہ مہدی سرداب (کمین گاہ) میں غائب ہوگیا ہے، نہ کوئی ایسی خبر ہے کہ وہ جب ظاہر ہوگا تو اسی سے نکلے گا، بلکہ اس کا مکہ میں ظہور ہوگا اور رکن اور مقام کے درمیان اس کی بیعت کی جائے گی۔''[2]

لیکن شیعہ کا عمل اس کے خلاف ہے اور ان کی کتبِ زیارت میں جو کچھ منقول ہے، اس کے عین مطابق ہے۔ امیر علی شیعہ کے بہ قول، شیعہ چودھویں صدی عیسوی کے آخر تک، جس میں ابن خلدون نے اپنی تاریخ کبیر مرتب کی، ہر رات مغرب کے بعد سے لے کر ستاروں کے جھرمٹ بننے تک سامراء کے سرداب (کمین گاہ) کے دروازے پر اس کا نام پکار کر اس کو باہر نکلنے کے لیے کہتے رہتے تھے، پھر طویل انتظار کرنے کے بعد ناامید اور ملال کے ملے جلے احساسات لے کر اپنے گھروں کو لوٹ آتے۔[3]

یہ انتظار تمسخر اڑانے والوں کے لیے ایک بہانہ بن چکا تھا کہ کسی کہنے والے نے کہا:

مَا آنَ لِلسِّردَابِ أَنْ يَّلِدَ الَّذِيْ
كَلَّمْتُمُوْهُ بِجَهْلِكُمْ مَا آنَا
فَعَلىٰ عُقُوْلِكُمُ الْعَفَاءُ فَإِنَّكُمْ
ثَلَّثْتُمُ الْعَنْقَاءَ وَالْغِيْلَانَا [4]

''جس سے تم روز اپنی جہالت کی وجہ سے باتیں کرتے ہو، ابھی تک سرداب کے لیے اس کو جنم دینے کا وقت نہیں ہوا؟ یہ نہیں ہوگا، تمھاری عقلوں پر سلام! تم نے دنیا میں خیالی پرندہ اور غیلان (خیالی جن) کے علاوہ تیسری معدوم چیز بنا ڈالی!!''

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[1] الكامل (٥/ ٣٧٣)

[2] محسن الأمين: البرهان على وجود صاحب الزمان (ص: ١٠٢)

[3] أمير علي: روح الإسلام (١/ ٢١٠) نیز دیکھیں: مقدمة ابن خلدون (٢/ ٥٣١۔ ٥٣٢) مزید دیکھیں: ابن القيم: المنار المنيف (ص: ١٥٢)

[4] دیکھیں: الصواعق المحرقة (ص: ١٦٨) المنار المنيف (ص: ١٥٢)

''یہ لوگ بنی آدم کے لیے عار اور ایک مذاق بن چکے ہیں۔ ہر صاحبِ عقل ان کا تمسخر اڑاتا ہے۔''[1]

ان کی دعاؤں میں بھی ایسے الفاظ ہیں، جو یہ احساس دلاتے ہیں کہ یہ لوگ اس اعتقاد کی وجہ سے لوگوں کے مذاق اور دشمنوں کی خوشی کا سامان بن چکے ہیں۔ شیعہ کا ایک فرد غائب کے ساتھ سرگوشی کرتے ہوئے کہتا ہے: ''انتظار طویل ہو چکا ہے اور فاجر ہم پر ہنستے ہیں...۔''[2]

ان کی زیارتوں کی بعض دعاؤں میں ایسے الفاظ بھی مذکور ہیں جو ان کی اس کی اس جگہ کے متعلق حیرت کا اظہار کرتے ہیں، جس میں وہ چھپا ہوا ہے، وہ اس کو آوازیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں:

''...کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ تم نے کہاں قیام کیا ہے؟ بلکہ کس زمین یا مٹی نے تجھ کو اٹھایا ہوا ہے، وہ رضوی ہے، ذی طوی ہے یا کوئی تیسری جگہ...۔''[3]

ان روایات کے ساتھ ساتھ ان کی کچھ ایسی روایات بھی ہیں، جو یہ بھی ذکر کرتی ہیں کہ اس کا کوئی مستقل ٹھکانا نہیں، وہ لوگوں کے درمیان رہتا ہے:

''وہ حج کے موقع پر آتا ہے اور ان کو دیکھتا ہے، لیکن وہ اس کو نہیں دیکھتے۔''[4]

اس طرح شیعہ کی روایات اس کی جگہ کی تعیین کرنے میں اختلاف کا شکار ہیں، اس مسئلے میں ہر جماعت مختلف حالات اور زمانوں میں یا شیعہ گروہوں اور نسلوں کے پیشِ نظر اپنا اپنا موقف رکھتی رہی ہے، یا پھر اس وجہ سے کہ اس طرح تلبیس کاری اور جعل سازی کا یہ کھیل جاری رہے۔ لہٰذا جب ان کے غائب امام کا حقیقت کی دنیا میں کوئی وجود ہی نہیں تو ان میں اختلاف پھوٹنا ایک طبعی امر ہے۔ اگر اس کی اقامت گاہ بعض شیعہ روایات کی نظر میں خفیہ جگہ ہے تو اس کا نام بھی شیعہ سے چھپا کر رکھا گیا ہے۔ منتظر کی ''توقیعات'' میں ذکر ہوا ہے، جن کو اس کا باب جاری کرتا ہے:

''اگر تم نے ان کو جگہ کا پتا دے دیا تو وہ اس کو پھیلا دیں گے۔''[5]

یہ عبارت اشارہ کرتی ہے کہ جس طرح اس کی ولادت جگہ اور پرورش سب کچھ نامعلوم ہے، اسی طرح

---

[1] المنار المنيف (ص: ١٥٢۔ ١٥٣)

[2] یہ شیعی روایت گزر چکی ہے۔ (ص: ٨٩٧)

[3] بحار الأنوار (١٠٢/ ١٠٨)

[4] أصول الكافي (١/ ٣٣٧۔ ٣٣٨) الغيبة للنعماني (ص: ١١٦)

[5] أصول الكافي (١/ ٣٣٣)

اس کا نام بھی مجہول ہے۔ لیکن بعض شیعہ کتابوں میں ذکر ہوا ہے کہ اس کا نام محمد ہے، لیکن شیعہ روایات اس کے نام کے ساتھ اس کا ذکر کرنا حرام قرار دیتی تھیں، ان کے مطابق: ''تمھارے لیے اس کو اس کے نام سے یاد کرنا جائز نہیں۔''[1] بلکہ یہ روایات اس شخص کو کافروں کے زمرے میں شمار کرتی ہیں، جو اس کے نام کے ساتھ اس کو یاد کرتا ہے۔ روایت کہتی ہے:

''صاحبِ امر کو اس کے نام کے ساتھ وہی یاد کرتا ہے، جو کافر ہے۔''[2]

اس لیے آپ دیکھیں گے کہ جب ان کی روایات میں اس کا ذکر آتا ہے تو اس کا نام اس طرح علاحدہ علاحدہ حروف کے ساتھ لکھا جاتا ہے، جیسے: ''م ح م د۔''[3]

جب انھوں نے کہا کہ ہم اس کو کس طرح ذکر کریں؟ تو حسن عسکری نے کہا:

''کہو: آلِ محمد ۔صلوات الله علیه وسلامه۔ سے حجت۔''[4]

پرانے شیعہ حلقے آپس میں اس کا تذکرہ ایسے رمز و کنائے سے کرتے تھے، جس کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، جیسے: غریم۔ اس لیے مفید اس پر اس لقب کے اطلاق کے حوالے سے کہتا ہے:

''اس رمز کو شیعہ زمانہ قدیم ہی سے آپس میں جانتے تھے اور تقیے کی وجہ سے وہ اسی کے ساتھ اس ۔علیه السلام۔ کو مخاطب کرتے تھے۔''[5]

ان کے علاوہ وہ رموز جن کو وہ اس پر بولتے ہیں، بہت زیادہ ہیں، جیسے:

''القائم، الخلف، السید، الناحیة المقدسة، الصاحب، صاحب الزمان، صاحب العصر[6] اور صاحب الأمر وغیرہ۔''[7]

اس سارے معاملے کو چھپانے اور راز میں رکھنے کی یہ کارروائی اسلامی سلطنت کے اندر ایک خفیہ تنظیم

---

[1] المصدر السابق (١/ ٣٣٣) الإرشاد (ص: ٣٩٤) إکمال الدین (ص: ٦٠٨)

[2] أصول الکافي (١/ ٣٣٣) إکمال الدین (ص: ٦٠٧)

[3] مثال کے لیے دیکھیں: أصول الکافي (١/ ٣٢٩)

[4] أصول الکافي (١/ ٣٣٣) الإرشاد (ص: ٣٩٤)

[5] الإرشاد (ص: ٤٠٠)

[6] دیکھیں: حصائل الفکر (ص: ٣٥)

[7] دیکھیں: أصول الکافي (١/ ٣٣٣) بعض شیعہ علما کے نزدیک صرف زمانہ خوف اور تقیے میں اس کے نام کی تصریح کرنا منع ہے۔ دیکھیں: المازندراني: شرح جامع (٦/ ٢١٦۔ ٢٦)

کے وجود کا پتا دیتی ہے، جس کے کارکنان باہمی گفت وشنید کے لیے اشارے اور رمز کی زبان استعمال کرتے تھے۔ دوسری طرف یہ جھوٹ کو چھپانے اور حقیقت کو دبانے کی ایک کوشش ہے، جو ان کے اس دعوے کی بھی مخالفت کرتی ہے کہ ان کے مہدی کا نام اور اوصاف سمیت پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے۔[1]

جہاں تک اس کے غائب ہونے کی مدت کا تعلق ہے تو اس نظریے کے خالقین اپنے پیروکاروں کو تھوڑی ہی مدت کی امید دلاتے تھے اور انھیں یقین دلاتے تھے کہ بہت جلد ان کے غائب کی واپسی ہوگی، بلکہ انھوں نے اپنی روایات میں تاکید کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ چھے سال تک ہوگی۔ کافی میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے (ان کے افترا کے مطابق) مروی ہے، انھوں نے ان کے منتظر کے بارے میں کہا:

''اس کی غیوبت اور ایسی حیرانی ہوگی، جس کی وجہ سے کچھ قومیں گمراہ ہوں گی اور کچھ ہدایت پا جائیں گیں۔''[2]

جب پوچھا گیا اس حیرت (سرگردانی) اور غائب ہونے کی مدت کتنی ہوگی؟ تو انھوں نے کہا:

''چھے دن، چھے مہینے یا چھے سال۔''[3]

بہ ظاہر ایسے لگتا ہے کہ یہ روایت نظریۂ غیوبت کے آغاز کے ابتدائی ایام میں گھڑی گئی، تاکہ ان بھڑکتے ہوئے نفوس اور حیرت میں گم قلوب کی تسکین وتسلی کا سامان مہیا کیا جا سکے، جو امام کے لاولد فوت ہو جانے کی وجہ سے اس تلخ حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد بیدار ہو چکے تھے اور ان کی آنکھوں کے سامنے سے اس دھوکے سے پردہ اٹھ چکا تھا۔ لہٰذا انھوں نے غیوبت کے دعوے کو اس قریبی وعدے کے ساتھ مربوط کیا، تاکہ اس کی تصدیق آسان اور قریب از عقل ہو جائے اور اس سے بالکل تیار مال کو ہڑپ کرنے کا یقینی بندوبست ہو سکے، جو امام کے ظہور کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ آلِ محمد کے حق کے نام پر اس کے سپرد کیا جا سکے۔ بدا اور تقیے کے عقیدوں میں تاویل اور مستقبل میں اپنی بات سے پھر جانے کی پوری گنجایش موجود تھی، لہٰذا ان کے متاخر علما نے اس روایت کے متعلق یہی موقف اپنایا۔ چناں چہ شیعہ کے ایک عالم نے کہا:

''احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ غَیبت اور حیرت اس مخصوص وقت میں ایک حتمی امر ہو اور اس کے بعد ان دونوں میں بدا جاری ہو جائے۔''[4]

---

[1] دیکھیں: أصول الكافي، باب ما نص الله عز و جل ورسوله على الأئمة واحداً واحداً (١/ ٢٨٦ وما بعدها)

[2] أصول الكافي (١/ ٣٣٨)

[3] حوالہ سابقہ.

[4] المازندراني: شرح جامع على الكافي (٦/ ٢٣٧)

کچھ نے[1] اس کے بغیر ہی اس سے گلو خلاصی پانے کی کوشش کی ہے، لیکن کسی کو بھی بہ ذاتِ خود مسئلۂ غیبت پر اعتراض کرنے کی توفیق اور جرأت نہیں ہوئی۔

نیز شیعہ کے ہاں اس اَمر کے غیوبت سے ظہور کی مدت ۷۰ سال بھی ذکر ہوئی ہے، اس کے بعد اس کو ایک سو چالیس مقرر کیا گیا، پھر اس کو غیر معینہ مدت تک موخر کر دیا گیا۔[2]

انھوں نے ائمہ کی طرف یہ بھی منسوب کیا ہے:

''انھوں نے قرآنی سورتوں کے آغاز میں حروفِ مقطعات سے غائب کے خروج اور ظہور کے وقت کو معلوم کیا ہے۔''[3]

ان کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رموز جو تشیع کے قافلے کو چلاتے تھے، وہ اپنے پیروکاروں کو غائب مستور کے ظہور اور کشادگی کے قرب کی امید دلایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے بعض شیعہ کسی بھی لمحے غائب کے ظہور کی توقع کرتے تھے۔ پھر ان کی روایات میں ذکر ہوا ہے کہ ان کے کچھ لوگوں نے غائب کے انتظار میں خرید و فروخت اور کاروباری معاملات ترک کر دیے تھے اور وہ اس حالت پر شکوہ کناں تھے۔ ان میں سے ایک کا کہنا تھا:

''ہم نے اس معاملے کے انتظار میں اپنے بازار چھوڑ دیے حتی کہ ہمارے لوگوں کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ آدمی سے پوچھا جاتا کہ اس کے ہاتھ میں کیا ہے۔''[4]

لیکن ان تمام وعدوں اور دلاسوں کا مقصد وہی ہے، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ اس کھیل کو جاری رکھا جائے اور پیروانِ شیعیت کے شک اور حیرت کا ازالہ کیا جائے۔ شیعہ کو امیدوں میں الجھانے اور وعدوں سے لبھانے کا ان کا یہ وتیرہ رہا ہے۔ شیعہ کی روایات بھی اقرار کرتی ہیں:

''شیعہ دو سو سالوں سے امیدوں کے سہارے جی رہے ہیں۔''[1]

---

[1] شیعہ کے ایک عالم نے کہا ہے: ''امکان ہے کہ حیرت کی مدت کی تحدید مقصود ہو، غیبت کی مدت کی نہیں۔'' (المصدر السابق) حالاں کہ غیبت کے معاملے میں حیرت اور شک دونوں ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، جس طرح اس مسئلے میں لکھی گئی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے، جن کی تالیف کا سبب غیوبت میں شک کے عنصر کی طرف لوٹتا ہے، جو ان کے اکثر لوگوں کے ذہنوں پر حاوی رہا ہے۔ دیکھیں: ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ۲)

[2] دیکھیں: أصول الكافي مع شرحه للمازندراني (٦/ ٣٦٤) نیز دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٣) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٧)

[3] دیکھیں: تفسير العياشي (٢/ ٢) البرهان (٢/ ٣) بحار الأنوار (٥٢/ ١٠٦۔ ١٠٩)

[4] دیکھیں: روضة الكافي (٨/ ٨٠) عن مفتاح الكتب الأربعة (٣/ ٣٣١)

[5] أصول الكافي (١/ ٣٦٩) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٨) الغيبة للطوسي (ص: ٢٠٧۔ ٢٠٨) بحار الأنوار (٥٢/ ١٠٢) یہ روایت علی رضا سے مروی ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ان سے کہا جائے:

''یہ معاملہ دو سو سال تک یا تین سو سال تک نہیں ہوگا، تو دل سخت ہو جائیں گے اور عام لوگ اسلام سے (ان کے مذہب سے) پھر جائیں گے، لیکن انھوں نے لوگوں کی دل بستگی اور کشادگی کو قریب کرنے کے لیے کہا کہ یہ وقت کتنا جلدی اور کتنا قریب ہے۔''[1]

شیعہ کی وہ روایات جو غیبت کے زمانے کی تعیین کے متعلق مسئلے کو حل کرنے کے لیے وضع کی گئیں، ان میں اس حل کو پیش کرنے میں بھی اختلاف ہے۔ یہ کبھی تسلیم کرنے کا حکم کرتی ہیں اور کہتی ہیں:

''اگر ہم تم کو کوئی حدیث سنائیں، لیکن واقعات اس کے خلاف رونما ہوں تو کہو: اللہ نے سچ کہا، تو تم کو دوہرا اَجر ملے گا۔''[2]

بعض اوقات یہ اس وقت کی تعیین کے وعدے کی خلاف ورزی کو شیعہ کے اس کے راز کو افشا کرنے کی طرف منسوب کرتی ہیں، اس لیے جب شیعہ میں سے کسی نے کہا:

''کیا اس کی کوئی مدت نہیں جو پوری ہو اور ہماری جان کو آرام آئے؟ تو شیعہ کے امام نے کہا: کیوں نہیں! لیکن تم نے اس کو پھیلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو موخر کر دیا۔''[3]

نیز شیعہ کی روایات کہتی ہیں:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس اَمر کی ۴۰ سے لے کر ۱۰۰ سال تک تعیین کی تھی، لیکن ہم نے تم کو بتا دیا، تو تم نے بات پھیلا دی اور راز فاش کر دیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس اس کا کوئی وقت نہیں رکھا۔''[4]

یہ کبھی اس امر کو قتلِ حسین کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ ابو عبداللہ[5] کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ۷۰ھ میں متعین کیا تھا۔''[6]

---

[1] المصدر السابق.

[2] أصول الكافي (١/ ٣٦٩) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٨) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٨)

[3] الغيبة للنعماني (ص: ١٩٤) الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٣) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٧)

[4] أصول الكافي (١/ ٣٦٨) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٧) الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٣) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٧)

[5] یہ سب کو معلوم ہے کہ جعفر کی وفات نظریۂ غیبت کی پیدایش سے پہلے ہو چکی تھی، اس کے باوجود وہ تمام ائمہ کی طرف غیبت کے وقوع کی روایات منسوب کرتے ہیں۔

[6] شارح کافی کہتا ہے: ''۷۰ھ کو روپوشی ختم ہوگی۔'' (المازندراني: شرح جامع: ٦/ ٣١٤)

لیکن جب حسین قتل کر دیے گئے تو اللہ تعالیٰ کا اہلِ زمین پر غضب دو چند ہوگیا تو اس نے اس کو موخر کر دیا۔[1]

وہ ان تمام کو عقیدہ بدا کے ساتھ منسلک کرتے ہیں، اس لیے مازندرانی کہتا ہے:

''اس امر کے ظہور کی وقت بندی بدا کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، اس لیے اس میں بدا جاری ہوا ہے۔''[2]

یہ روایات کسی وقت تو وقت بندی کے متعلق تمام روایات سے ہاتھ صاف کر لیتی ہیں اور کہتی ہیں:

١ ''وقت متعین کرنے والوں نے جھوٹ بولا، جلد باز ہلاک ہوگئے اور تسلیم کرنے والے نجات پا گئے۔''[3]

٢ ''وقت متعین کرنے والوں نے جھوٹ بولا، ہم اہلِ بیت کوئی وقت بندی نہیں کرتے۔''[4]

٣ ''جو گزر چکا، وہ ہمارا وقت نہیں تھا اور مستقبل میں ہم کوئی وقت نہیں دے سکتے۔''[5]

٤ ''جس شخص نے تمھارے سامنے کسی وقت کی تعیین کی، اس کی تکذیب میں بالکل ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے کسی کے لیے وقت متعین نہیں کیا۔''[6]

٥ ''اللہ تعالیٰ نے وقت متعین کرنے والوں کی موافقت کرنے سے انکار کیا۔''[7]

اس طرح ان کی روایات ایک دوسرے کے خلاف اور متضاد ہیں، کیوں کہ حالات اور مواقع کی مناسب سے وضعِ روایات کا عمل کیا جاتا۔ رہا یہ سوال کہ اس کے غائب ہونے کا سبب کیا ہے؟ تو اس کے متعلق کافی میں ذکر ہوا ہے:

''زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے سنا کہ انھوں نے کہا: قائم اپنے قیام سے پہلے غائب ہوگا، میں نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: اس کو ڈر ہے، پھر اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کیا، یعنی قتل۔''[8]

شیعہ کی اس مفہوم کی بہت زیادہ روایات مروی ہیں۔[9] شیخ الطائفہ طوسی نے اس کی مزید تاکید میں کہا ہے:

---

[1] أصول الكافي (١/ ٣٦٨) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٧) الغيبة للطوسي (ص: ٣٦٢) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٧)

[2] شرح جامع (٦/ ٣١٤) نیز ملاحظہ کریں: الغيبة (ص: ٢٦٣۔ ٢٦٤)

[3] أصول الكافي (١/ ٣٦٨) الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٢) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٨) بحار الأنوار (٥٢/ ١٠٣۔ ١٠٤)

[4] أصول الكافي (١/ ٣٦٨) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٨)

[5] الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٢) بحار الأنوار (٥٢/ ١٠٣)

[6] الغيبة للنعماني (ص: ١٩٥) الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٢) بحار الأنوار (٥٢/ ١٠٤)

[7] أصول الكافي (١/ ٣٦٨) نیز دیکھیں: الغيبة للنعماني (ص: ١٩٨)

[8] أصول الكافي (١/ ٣٣٨) الغيبة للنعماني (ص: ١١٨) إكمال الدين (ص: ٤٤٩)

[9] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٣٧۔ ٣٤٠) الغيبة للنعماني (ص: ١١٨) إكمال الدين (ص: ٤٤٩)

''اس کو اپنی جان کے خوف کے سوا ظہور سے کوئی علت مانع نہیں، کیوں کہ اگر اس کے علاوہ کوئی سبب ہوتا تو اس کے لیے چھپے رہنا جائز نہ ہوتا۔ وہ مشقتیں اور اذیتیں سہتا تھا۔ ائمہ کے درجات، اسی طرح انبیا کے درجات بھی، اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنے کی وجہ سے بلند ہوجاتے ہیں۔''[1]

لیکن غیبوبت کی یہ تعلیل اور تجزیہ جو طوسی نے پیش کیا ہے، شیعہ کے ائمہ کے بارے میں اعتقاد کی بنا پر، ان کے متعلق تصور نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ''ائمہ کو علم ہوتا ہے کہ انھوں نے کب مرنا ہے اور وہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں۔'' کلینی نے کافی میں بھی بہت ساری روایات میں یہ ثابت کیا ہے اور انہی مذکورہ الفاظ میں اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے ایک باب قائم کیا ہے۔[1] مجلسی نے بھی ''بحار الأنوار'' میں اسے ثابت کیا ہے اور اس کے لیے ان الفاظ میں ایک باب قائم کیا ہے:

''إنهم يعلمون متى يموتون، وإنه لا يقع ذلك إلا باختيارهم''[2]

یعنی انھیں علم ہوتا ہے کہ وہ کب فوت ہوں گے اور یہ صرف ان کے اپنے اختیار ہی سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔

پھر یہ اس تناقض سے کس طرح نکل سکتے ہیں؟[3] اسی طرح ائمہ، شیعہ اعتقاد کے مطابق، جو ہو چکا، اس کو بھی جانتے ہیں، جو ہوگا اس کو بھی جانتے ہیں اور ان پر کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔[4]

جس طرح کلینی نے مذکورہ عنوان کے تحت یہ ثابت کیا ہے۔ چناں چہ ان کے لیے ہر اس خطرے سے بچنا ممکن تھا، جس کا کسی کے دل میں خیال بھی پیدا نہ ہو۔ اگر یہی خطرہ تھا تو ان چاروں نائبین میں سے کوئی ایک بھی کیوں قتل نہیں ہوا، جو امام کے ساتھ براہِ راست تعلق کے دعوے دار تھے اور وہ امام کی طرح بھی نہیں تھے، جس کو مرنے کا اختیار حاصل تھا؟!

اسی طرح بعض شیعہ حکومتوں کے قیام کے دوران میں بھی امام کو مکمل تحفظ اور امن حاصل تھا تو وہ ان

---

[1] الغيبة للطوسي، فصل في ذكر العلة المانعة لصاحب الأمر من الظهور (ص: ١٩٩)

[2] بحار الأنوار (٢٧/ ٢٥٨)

[3] میں نے مازندرانی کی شرح کافی کی طرف رجوع کیا، تاکہ دیکھوں وہ کافی کی ان روایات پر کیا تبصرہ کرتا ہے، جو اس کی غیبت کو قتل کے خوف کے ساتھ منسلک کرتی ہیں، لیکن اس نے ان پر کچھ بھی خامہ فرسائی نہیں کی۔

[4] أصول الكافي (١/ ٢٦٠)

کے پاس کیوں نہ گیا، تاکہ وہ اس کے ظہور اور دیدار سے مانوس ہوتے اور اس کے علم، اسلحے اور قوت سے مستفید ہوتے اور جونہی اس ملک کا سقوط ہوتا تو وہ دوبارہ اپنی کمین گاہ میں چھپ جاتا؟!

اسی لیے احمد کسروی (شیعہ نژاد) کہتا ہے:

''اگر ان کا منتظر اپنی جان جانے کے خوف سے چھپا ہوا تھا تو وہ اس وقت ظاہر کیوں نہیں ہوا، جب آلِ بویہ، جو شیعہ تھے، بغداد پر قابض تھے اور بنو عباس کے خلفا ان کے دست نگر بن چکے تھے؟ وہ اس وقت ظاہر کیوں نہیں ہوا، جب شاہ اسماعیل صفوی سریر آرائے سلطنت ہوا اور اس نے سنیوں کے خون سے نہریں بہا دیں؟ جب کریم خان زندی، جو ایران کا سب سے بڑا سلطان تھا، اس نے صاحبِ زمان کے نام سے سکہ بھی جاری کیا اور اپنے آپ کو اس کا وکیل بھی تصور کرتا تھا، تب وہ کیوں ظاہر نہ ہوا؟ اس کے بعد وہ آج تک ظاہر نہیں ہوا، حالاں کہ اس وقت شیعہ کی تعداد ۶۰ ملین سے متجاوز ہے، جن کی اکثریت اس کا بے تابی سے انتظار کر رہی ہے؟''[1]

اسی طرح آج، کسروی کے بعد، آیات کی سلطنت قائم ہو چکی ہے، لیکن وہ ان کے پاس بھی نہیں آیا، بالخصوص وہ سیکڑوں سالوں سے اس کے خروج کے لیے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے ہیں اور فریادیں کر رہے ہیں! اس کے ساتھ ساتھ ایسی روایات بھی وضع کی گئیں، جو غیبوبت کی یہ علت بھی پیش کرتی ہیں کہ شیعہ کے دلوں کا امتحان مقصود تھا۔ یہ علت سازی، جو یہ روایات پیش کرتی ہیں، درحقیقت اس شک کے رویے کے علاج کی ایک کوشش ہے، جو شیعہ کے دلوں میں سرایت کر چکا تھا، کیوں کہ یہ مسئلہ ان کی عقلوں تک رسائی حاصل کرنے میں کوئی راہ نہیں پا رہا تھا، بلکہ یہ ان کو شیعیت اور رافضیت کے عقیدے کو ترک کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

مزید برآں شیعہ موعودِ غائب کے انتظار سے اُکتا چکے تھے اور یہ چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں کہ یہ ہمارے لیے بڑا طویل ہو چکا ہے، ہمارے دل تنگ آ چکے ہیں اور ہم رنج و غم میں مر رہے ہیں...۔[2] شک کا یہ خوف ناک آسیب ان پر حاوی ہو چکا تھا۔ ابن بابویہ قمی نے بھی اس کی گواہی دی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''میں نیساپور گیا اور میں نے وہاں قیام کیا تو میرے پاس جو شیعہ آتے تھے، ان میں سے اکثر کو میں نے دیکھا کہ ان کو غیبتِ امام نے حیرانی میں ڈالا ہوا تھا اور قائم علیہ السلام کے معاملے کے متعلق ان کے دلوں میں شبہہ پیدا ہو چکا تھا۔''[3]

---

[1] التشيع والشيعة (ص: ٤٢)

[2] الغيبة للنعماني (ص: ١٢٠)

[3] إكمال الدين (ص: ٢)

شیعہ کی وہ روایات، جو بہ ظاہر اس مسئلے کے حل کے لیے وضع کی گئیں، غائب کے معاملے کے متعلق، اس کی طویل غیبوبت اور اس کا کوئی اَتا پتا نہ ہونے کے بارے میں حیرانی کی تصویر کشی کرتی ہیں۔ کافی میں ذکر ہوا ہے کہ زرارہ نے کہا:

''میں نے ابو عبداللہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: لڑکے کی قیام سے پہلے غیبوبت (پوشیدگی) ہے... یہ وہی ہے، جس کا انتظار کیا جا رہا ہے، جس کی ولادت ہی میں شک ہے۔ کوئی کہتا ہے: اس کا باپ لاولد فوت ہوگیا تھا۔ کوئی کہتا ہے: حمل کی حالت میں تھا۔ کوئی کہتا ہے: یہ اپنے باپ کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوا، یہی منتظر ہے، لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیعہ کو آزمایش میں ڈال دیا، تو اس وقت باطل پرست شک میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔''[1] چناں چہ انھوں نے اس کی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ اس سے شیعہ کی آزمایش مقصود ہے۔

فِرق کی کتابیں یہ حقیقت ہمارے سامنے رکھتی ہیں کہ حسن عسکری کی موت کے بعد وہ اس سے دوچار ہوئے۔ گویا یہ اور اس جیسی روایات حیرت اور شک کے رجحان کا سامنا کرنا کے لیے اختراع کی گئیں، جو ان کے امام کے لاولد فوت ہونے کی وجہ سے ان پر چھا چکا تھا۔ انھوں نے ایسی روایات کی بھرمار کر دی، جو اسی نہج اور اسلوب پر چلتی ہیں اور ان کے حقیقی حالات کی بڑی بلیغ صورت گری کرتی ہیں۔ کافی میں ہے:

''نہیں، خدا کی قسم! نہیں، جس پر تمھاری نگاہیں لگی ہوئی ہیں، یہ اس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک تم کو چھلنی میں اچھی طرح صاف نہ کر لیا جائے ... جب تک تم کو خالص نہ کر لیا جائے ... جب تک تم کو ممتاز نہ کر لیا جائے ...۔ نہیں، خدا کی قسم! نہیں، جس پر تمھاری نظریں لگی ہوئی ہیں، یہ نا امید ہونے کے بعد ہوگا۔ حتی کہ جس نے بد بخت ہونا ہے، وہ بد بخت ہوجائے اور جس نے نیک بخت ہونا ہے، وہ نیک بخت ہوجائے۔''[2]

لہٰذا وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غَیبت کے دعوے کی وجہ سے ان پر جو پریشانیاں آئی ہیں، یہ صرف انھیں آزمانے اور خالص کرنے کے لیے ہیں، جب یہ کام مکمل ہو جائے گا تو قائم کا ظہور ہوگا۔ شیعہ جعفر صادق کی طرف منسوب کرتے ہیں:

''ان کے پاس ان کا ایک ساتھی آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ اس طرح رو رہے ہیں، جس طرح کسی عزیز از جان کو کھو دینے والا رو رہا ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے بہ قول، انھوں نے کتاب الجفر میں

---

[1] أصول الكافي (١/ ٣٣٧)

[2] أصول الكافي (١/ ٢٧٠)

دیکھا، جو ابتلاؤں، اموات اور قیامت تک رونما ہونے والے حالات کے علم پر مشتمل ہے اور کہا:
میں نے اس میں اپنے قائم کی پیدائش، پوشیدگی، تاخیر، طوالت، اس کے بعد مومنوں کی آزمائش، اس کی طویل پوشیدگی کی وجہ سے شیعہ کے دلوں میں شکوک کا جنم لینا اور اکثر کا اس کے دین سے پھر جانا؛ ان تمام امور پر تامل کیا...۔''[1]

جعفر کی طرف منسوب یہ روایت پوشیدگی کے دعوے کی وجہ سے جس کی مدت بڑی طویل ہوچکی ہے، بہت سارے شیعہ کے مرتد ہونے کی قصہ گوئی کرتی ہے۔ یہ روایت بھی، دوسری روایات کی طرح، ان پر یہ مصیبت ٹوٹ پڑنے پر توضع کی گئی، تاکہ ان کو شیعیت کے دائرے میں باقی رہنے پر راغب رکھا جا سکے اور دعویٰ یہ پیش کیا کہ ائمہ نے ان امور کی پیشین گوئی کی ہوئی ہے، جو گم شدہ امام کی واپسی کی علامت ہے!

شیعہ کے عالم نعمانی نے بھی اکثر شیعہ کے غیبوبت (پوشیدگی) کے معاملے میں شک میں مبتلا ہونے کی گواہی دی ہے اور اس کی گواہی بڑی اہمیت رکھتی ہے، کیوں کہ یہ شیعہ کا تیسری صدی کا عالم ہے، جس نے غیبوبت (پوشیدگی) کے دعوے کی ابتدائی مدت میں شیعہ کے حالات کا خود مشاہدہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ہم نے شیعیت اور ہمارے نبی محمد ﷺ کی طرف منسوب امامت کی قائل ایک جماعت کو دیکھا ہے، جو افتراق و انتشار کا شکار ہوچکی تھی، فرائض کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تھی، اللہ کے حرام کردہ کاموں کا ارتکاب کرتی تھی، ان میں سے بعض غلو کی آخری حدود تک پہنچ گئے اور بعض تقصیر کی گہرائیوں میں گر گئے اور چند ایک کے سوا ان تمام نے اس غیبوبت (پوشیدگی) کی آزمائش کی وجہ سے اپنے امامِ زمانہ اور ولیِ امر اور اپنے رب کی حجت میں شک کیا۔''[2]

چناں چہ ہر کوئی ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے لگا، اس سے براءت کا اظہار کرنے لگا اور اس کو کافر قرار دینے لگا، جس طرح نعمانی کی یہ روایت ان کی تصویر کشی کرتی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''یہ امر جس کا انتظار کیا جا رہا ہے، اس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک تم ایک دوسرے سے براءت کا اظہار نہ کرنے لگو، ایک دوسرے کے چہروں پر تھوکنے نہ لگو اور ایک دوسرے کو لعنت اور تکفیر کا نشانہ نہ بنانے لگو۔''[3]

---

[1] الغيبة للطوسي (ص: ١٠٥۔ ١٠٦)

[2] الغيبة للنعماني (ص: ١١)

[3] الغيبة للنعماني (ص: ١٣٧۔ ١٣٨) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٤۔ ١١٥)

یہ روایت اس خطرناک روش کو ایک نیکی اور بھلائی قرار دیتی ہے، کیوں کہ یہ قائم کے ظہور کا اعلان ہے۔ روایت کہتی ہے:

''ساری خیر اس زمانے میں ہوگی۔ ہمارا قائم نکلے گا اور وہ سب کچھ درست کر دے گا۔''[1]

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ محدثین نے اس انحطاط اور ذلت کا سامنا کرنے کے لیے اہلِ بیت کے نام پر احادیث وضع کر لیں اور شیعہ کو امامی تشیع کے دائرۂ فکر میں باقی رکھنے کی ترغیب کے لیے ان روایات میں ایسی باتیں پیش کیں، جو اشارہ کرتی ہیں کہ غیبوبت (پوشیدگی) کے وقت شیعہ کو آزمایش، تطہیر اور ارتداد کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان اعترافات اور گواہیوں کے باوجود نظریہ غیبوبت نے، جس کا عقیدہ رکھنا امامیہ کی مجبوری ہے، بڑی زبردست ہلچل مچائی، جس نے امامی تشیع کے ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا اور قریب تھا کہ یہ اس کے سقوط کا باعث بن جاتا، کیوں کہ اس کی وجہ سے انھوں نے اپنے بہت زیادہ پیروکاروں کو کھو دیا تھا۔ بایں ہمہ یہ اپنی روایات میں کہتے ہیں:

''اگر اللہ کو علم ہوتا کہ وہ شک میں مبتلا ہو جائیں گے، پھر بھی وہ اپنی حجت کو ایک لمحے کے لیے بھی ناکام نہ ہونے دیتا۔''[2]

چند ایک افراد کے سوا تمام لوگوں کا شک میں مبتلا ہو جانا، ایک دوسرے پر لعن طعن کرنا اور فرقے بندی میں منقسم ہو جانا، اس سے بڑھ کر اور کون سا شک ہو سکتا ہے؟ شیعہ میں غیبوبت کے لیے جھوٹ کی بھرمار بھی ملاحظہ کی گئی ہے، خصوصاً اس کے ابتدائی مراحل میں، شاید اس کا یہ سبب ہو کہ ان لوگوں کے لیے جو اس کے آغاز کے حالات و واقعات سے واقف اور اس کے ہم زمانہ تھے، ان کے سامنے اس کا جھوٹ ہونا بالکل واضح تھا، اس لیے اس نظریے کے بانی افراد ان رخنوں کو بند کرنے کے لیے بہت زیادہ سرگرم عمل تھے، جن سے شک کی ہوائیں آ سکتی تھیں اور جھوٹ کی صورت واضح ہو سکتی تھی۔

چناں چہ انھوں نے تکذیب، لعن طعن اور انتشار کی پریشانی حل کرنے کے لیے اہلِ بیت کے نام پر ایسی روایات گھڑ لیں، جو ان نامساعد حالات کی پیشین گوئی اور ان کے وقوع کے وقت کو خوشخبری پر محمول کرنے پر دلالت کرتی ہیں، کیوں کہ یہ حالات قائم کی واپسی کا اعلان ہیں (یہ حالات اور واقعات تو رونما ہو گئے، لیکن وہ پھر بھی نہ آیا!)

---

[1] الغيبة للنعماني (ص: ١٣٨) بحار الأنوار (ص: ١١٥)

[2] أصول الكافي (١/ ٣٣٣) الغيبة للنعماني (ص: ١٠٧)

شیعہ کے کانوں میں حسن عسکری کے خاندان کی طرف سے بھی جب ان دعووں کی تکذیب کی آوازیں پڑیں تو اس مشکل کے حل کے لیے بھی انھوں نے روایات وضع کر لیں، جو کہتی ہیں:

''قائم کی پوشیدگی یقینی شے ہے، حالاں کہ اس کے گھر والے بھی اس سے انکار کرتے ہیں۔''

جب زرارہ نے (جس کے نام پر روایت بنائی گئی) کیوں کہ وہ نظریۂ غیوبت کے ظہور سے پہلے ہی مر چکا تھا، اس کا سبب دریافت کیا، تو، روایت کے مطابق، ابو جعفر نے کہا:

''اس کو ڈر ہے اور انھوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔''[1]

ایک کمزور پہلو یہ بھی ہے کہ نہ حسن کے خاندان سے اور نہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہی اس کی ولادت یا پرورش سے باخبر ہے تو اس کے لیے انھوں نے جو روایات وضع کیں، وہ کہتی ہیں:

''اللہ اس معاملے کے لیے ہم میں سے ایک لڑکے کو مبعوث کرے گا، جس کی ولادت اور پرورش دونوں ہی پوشیدہ ہوں گی۔''[2]

جو شیعہ کی اس طرز کی روایات کی تلاش وجستجو کرتا ہے، اس کو بڑی تعجب خیز باتیں ملتی ہیں۔ دوسری طرف انھوں نے ایسی روایات گھڑی ہیں، جو امام کے ظہور کے ساتھ مربوط کشادگی اور فراخی کے انتظار کو سب سے عظیم اور افضل عمل قرار دیتی ہیں، تاکہ، جس طرح محسوس ہوتا ہے، انتظار کی طوالت، شوقِ دیدار کی شدت اور قائم کی صحبت سے محروم رہنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے احساس، اکتاہٹ اور کبیدہ خاطری کا ازالہ کیا جا سکے۔

کافی میں ہے:

''بندے اللہ ۔جل ذکرہ۔ کے زیادہ قریب اور وہ ان سے زیادہ راضی تب ہوتا ہے، جب وہ اللہ کی حجت کو نہ پائیں، وہ ان کے لیے ظاہر نہ ہو، اس کی جگہ کا بھی ان کو علم نہ ہو، پھر بھی ان کا یقین ہو کہ نہ اللہ کی حجت باطل ہوگی نہ اس کا میثاق ہی، تب یعنی غیبوبت کے وقت وہ صبح و شام کشادگی اور فراخی کی توقع رکھیں۔''[3]

چناں چہ انھوں نے غیبوبت کو کشادگی کی علامت قرار دیا، لیکن آج غیبوبت کے دورانیے کو گیارہ سو سال ہونے کو آئے ہیں، لیکن ان کا کوئی وعدہ وفا نہیں ہوا، لہٰذا جو شیعہ ان جیسی آرزوؤں اور خواہشات کا ذکر پڑھتے

---

[1] الغيبة للنعماني (ص: ١١٨)

[2] أصول الكافي (١/ ٣٤١۔ ٣٤٢) الغيبة للنعماني (ص: ١١٢)

[3] أصول الكافي (١/ ٣٣٣) بحار الأنوار (٥٢/ ١٤٥)

ہیں، ان پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہوں گے؟!

کیا ان کا شک پختہ اور یقین کمزور نہیں ہوتا ہوگا، بلکہ وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی تلاش میں لگ جاتے ہوں گے، کیوں کہ شیعہ کو یہ بتایا گیا ہے، جو سراسر جھوٹ اور بہتان طرازی ہے کہ یہ مہدی موعود اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان متفقہ شخصیت ہے۔

عقیدۂ انتظار کے متعلق بھی ان کی بہت زیادہ روایات ہیں۔ مجلسی نے ان میں سے ۷۷ روایات: ''باب فضل انتظار الفرج و مدح الشيعة في زمن الغيبة، وما ينبغي فعله في ذلك الزمان''[1] میں ذکر کی ہیں، بلکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی یہ منسوب کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کے افضل اعمال میں سے اللہ کی کشادگی اور فراخی کا انتظار ہے۔''[2]

جس سے ان کی مراد ان کے امامِ زمانہ کا ظہور ہے۔ انھوں نے انتظار کو اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل قرار دیا ہے۔[3] ''اس کے ظہور کا انتظار کرنے والے ہر زمانے کے افضل لوگ ہیں۔''[4]

انھوں نے یہ خیال بھی پیش کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے ان کے متعلق کہا:

''تمھارے بعد ایک ایسی قوم آئے گی، ان میں سے ایک آدمی کا اجر تمھارے پچاس کے برابر ہوگا۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم آپ کی معیت میں بدر، احد، حنین میں رہے اور ہمارے متعلق قرآن نازل ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر اگر وہ مصیبتیں ٹوٹیں جو انھوں نے برداشت کیں تو تم ان جیسا صبر نہیں کر پاؤ گے۔''[5]

اس روایت کے وضع کرنے والے کے ذہن سے رافضہ کے نزدیک صحابہ کا مرتبہ غائب ہوگیا۔ ان کی ایسی روایات بھی مذکور ہیں، جو اس کے خروج اور ظہور کی آرزو کو بجھا دیتی ہیں۔ ایک روایت کہتی ہے:

''جس نے اس معاملے کو پہچان لیا، پھر قائم کے قیام سے پہلے ہی فوت ہوگیا تو اس کو اتنا ہی اجر ملے گا، جتنا اس کے ساتھ قتل ہونے والے کو ملے گا۔''[6]

---

[1] بحار الأنوار (۵۲/ ۱۲۲۔ ۱۵۰) نیز دیکھیں: إكمال الدين (ص: ۶۰۳ وما بعدها)

[2] بحار الأنوار (۵۲/ ۱۲۲)

[3] المصدر السابق.

[4] المصدر السابق.

[5] المصدر السابق (۵۲/ ۱۳۰)

[6] المصدر السابق (۵۲/ ۱۳۱)

اس ترغیب کے ساتھ ساتھ قائم کی غیوبت کے منکر کے لیے کفر اور دائمی جہنم کی وعید اور دھمکی بھی ہے، انھوں نے اس کے انکار کو رسالتِ محمدی ﷺ کے کفر کے برابر قرار دیا ہے، بلکہ اس کو ابلیس کے کفر کے مساوی شمار کیا ہے۔ شیعہ کا صدوق اپنی مزعومہ سند کے ساتھ روایت کرتا ہے:

''ابو یعفور سے مروی ہے کہ ابو عبداللہ نے کہا: جس نے میرے آبا اور اولاد میں سے ائمہ کا اقرار کیا، لیکن میری اولاد میں سے مہدی کا انکار کیا، وہ ایسے ہی ہے، جس نے تمام انبیا کا تو اقرار کیا، لیکن محمد ﷺ کا انکار کیا۔ میں نے کہا: اے جناب! آپ کی اولاد میں سے مہدی کون ہوگا؟ انھوں نے کہا: ساتویں بچے سے پانچواں، اس کی شخصیت ان سے غائب ہوجائے گی اور ان کے لیے اس کا نام لینا جائز نہیں۔''[1]

انھوں نے رسول اللہ ﷺ پر بھی افترا پردازی کرتے ہوئے کہا ہے:

''آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اولاد میں سے قائم کا انکار کیا تو اس نے میرا انکار کیا۔''[2]

شیعہ کا صدوق کہتا ہے:

''قائم کا اس کی پوشیدگی میں انکار کرنے والا ابلیس کی طرح ہے، جس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔''[3]

غیوبت کا مسئلہ شیعہ کے علما کی کارستانیوں کی وجہ سے صحابہ کرام اور تابعینِ عظام کے خلاف حسد اور نفرت کا منبع بن چکا ہے۔ شیعہ کا شیخ جزائری کہتا ہے:

''مجھ پر جب کسی مسئلے میں مشکل بن جاتی ہے تو میں اپنے اوپر ان پر لعنت کرنا لازم قرار دیتا ہوں، کیوں کہ وہ حجت میں رکاوٹ کا سبب ہیں۔''[4]

چنانچہ آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ شیعہ کے دلوں میں انتظار کی تلخی اور اعتقاد کی جلن کی وجہ سے چھپے ہوئے غصے اور نفرت کی توجیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

''امام غائب مقہور و مغلوب ہے، اس کے ساتھ اس کے حق میں جھگڑا کیا گیا ہے اور وہ زبردستی

---

[1] إكمال الدين (ص: ٣٨٨)

[2] المصدر السابق (ص: ٣٩٠) لطف الله الصافي: منتخب الأثر (ص: ٤٩٢)

[3] إكمال الدين (ص: ١٣)

[4] شرح الصحيفة السجادية (ص: ٣٧)

مغلوب ہو چکا ہے۔‘‘[1]

اسی طرح وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں:

’’اس کی پوشیدگی کی وجہ سے اس کے شیعہ پر اللہ کے دشمن مسلط ہوگئے ہیں، جنھوں نے ان کا اتنا زیادہ خون بہایا اور ان کا مال لوٹا ہے ...‘‘[2]

لہٰذا یہ اس احساس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نفرت کو انسانی تاریخ کی سب سے بہترین نسل اور ان کے پیروکاروں کو سب وشتم کا نشانہ بنانے کی طرف منتقل کر دیتے ہیں!!

غیبوبت (پوشیدگی) کے وقوع پر استدلال:

امامیہ نے اپنے عقیدہ غیوبتِ مہدی کی صحت ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور اس کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔

یہ لوگ اپنے عقیدے کی سند تلاش کرنے کے لیے کتاب اللہ کی طرف بھی متوجہ ہوئے، جب ان کو وہاں گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا تو انھوں نے اپنی عادت کے مطابق شدید تکلف اور انتہائی زیادہ انحراف سے متصف اپنی باطنی تاویل کو مدد کے لیے پکارا اور کتاب اللہ کی کئی آیات کی اسی اسلوب میں تاویل کی۔

ان کی اصولِ تفسیر کی اساسی کتاب (تفسیر قمی) میں اس آیت: ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى﴾[الليل: ٢] کی تفسیر میں ذکر ہوا ہے کہ اس نے کہا:

’’"النہار" ہم اہلِ بیت میں سے القائم ہے۔‘‘[3]

شیعہ کی چار کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب میں اس قولِ الٰہی: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴾[الملك: ٣٠] کے متعلق وارد ہوا ہے:

’’اس نے کہا: جب تمھارا امام تم سے پوشیدہ ہو جائے گا تو کون ہے جو تمھارے پاس نئے امام کو لے کر آئے گا؟‘‘[4]

تفسیر عیاشی میں اس فرمانِ الٰہی: ﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾

[1] إكمال الدين (ص: ١٢)

[2] المصدر السابق.

[3] تفسير القمي (٢/ ٤٢٥)

[4] أصول الكافي (١/ ٣٣٩) نیز دیکھیں: تفسير العياشي (٢/ ٧٦) إكمال الدين (ص: ٣٣٩) البرهان (٢/ ١٠٢)

[التوبة: ٣] کی تفسیر میں منقول ہے: ''اس نے کہا: اس سے مراد قائم کا خروج اور اس کا اپنی طرف بلانے کا اعلان ہے۔''[1]

تاویل کی اس قسم کی بے ڈھنگی مثالیں بے شمار ہیں، بلکہ انھوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، جیسے: "ما نزل من القرآن في صاحب الزمان"[2] ، "المحجة فيما نزل في القائم الحجة"[3] اس موخر الذکر کتاب کا، ایک معاصر رافضی[4] کی تحقیق کے ساتھ نیا اڈیشن چھپا ہے۔[5]

اس کتاب کے مولف نے اس میں قرآن کریم کی ۱۲۰ سے زیادہ آیات کی اپنے مہدی منتظر کے ساتھ تاویل کی ہے۔ یہ تاویلات ان کی وہ رسوائیاں ہیں، جو چھپائے نہیں چھپتیں، لیکن محقق کتاب کا دل اس تعداد سے بھی نہیں بھرا، چنانچہ اس نے اپنی طرف سے مزید ۱۲ قرآنی آیات کی تاویل کا اضافہ کر دیا ہے اور ان کو کتاب کے آخر میں "مستدرك المحجة" کے نام سے ضمیمے میں درج کیا ہے۔

انصاف اور حقیقت پسند نگاہ، ان باطنی تاویلات میں، جن کا مقصود غَیبتِ مہدی ثابت کرنا ہے، شدید غلو اور کتاب اللہ کی تحریف ملاحظہ کرتی ہے۔ یہ آیات ان کے مطلب پر قطعاً کوئی دلالت نہیں کرتیں، بلکہ یہ اس نظریے کے فساد کو کھلی دلالت سے بیان کرتی ہیں، جس کو بطورِ قاعدہ مقرر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

امامیہ بعض انبیاے کرام علیہم السلام کے لیے ثابت شدہ غیبوبت سے بھی اپنے مہدی کی غیبوبت کے وقوع پذیر ہونے کی صحت کے لیے دلیل تلاش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا فرعون اور اس کے بھائی بندوں سے بھاگ کر اپنے وطن سے غائب ہوجانا، جس طرح اس کا قرآن نے بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح یوسف علیہ السلام کا غائب ہوجانا اور ان کے والد کو ان کی کوئی خبر نہ ہونا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے پردہ اٹھایا، پھر ان کی خبر کو ظاہر کر دیا اور ان کے تمام اہلِ خانہ کو اکٹھا کر دیا۔ اس موضوع پر قرآن کی ایک مکمل سورت ہے۔ یونس بن متی علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ قصہ، جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور انھوں نے ان کے حقوق کی بے توقیری کرنا شروع کر دی تو وہ ان سے دور نکل گئے اور ہر ایک سے چھپ گئے، کسی کو بھی ان کے ٹھکانے کا علم نہیں تھا، اللہ نے ان پر پردہ ڈالے رکھا اور ایک طرح کی مصلحت کے پیشِ نظر ان کی سانسیں باقی رکھیں،

1. تفسير العياشي (٢/ ٧٦) البرهان (٢/ ١٠٢)
2. للرافضي عبد العزيز الجلودي (دیکھیں: الذريعة: ١٩/ ٣٠)
3. لشيخهم هاشم البحراني.
4. اس کا نام محمد منیر میلانی ہے۔ اس نے کتاب کی نصوص کی اپنی معتبر کتابوں کے ساتھ توثیق کی ہے۔
5. سنة ١٤٠٣هـ مؤسسة الوفاء، بيروت.

جب یہ مدت پوری ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوم کی طرف لوٹا دیا اور ان کو یکجا کر دیا۔[1]

اسی طرح ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا غار میں چھپنا، (اس سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں) طوسی نے اس اعتراض: ''اگر تمھارا امام حکومت قائم کرنے اور امامت کا بوجھ اٹھانے کا مکلّف ہے تو وہ غائب کیوں ہوگیا؟''[2] کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے:

''کیا نبی ﷺ تین سال تک شعبِ ابی طالب میں چھپے نہیں رہے؟ کوئی بھی ان کے پاس نہیں گیا تھا اور غار میں بھی آپ ﷺ تین دن تک چھپے رہے۔''[3]

امر واقع یہ ہے کہ شیعہ جب غیبوبت کے معاملے میں اپنی عقل کی نگاہ سے تامل کرتے ہیں اور پیروکاروں اور غیبوبت کے متعلق شک کرنے والوں کو مطمئن کرنے کے لیے اس طرح کے تقابلات اور مقارنہ جات پیش کرتے ہیں تو یہ ان کی قوم کے دلوں میں جلنے والے شک کے فیتے کو بجھانے کے بجائے مزید بھڑکا دیتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ ابن بابویہ نے اپنے ایک بہت بڑے عالم اور اس کے حلقہ اثر کو، جن کے دلوں میں غَیبتِ امام کے متعلق شک اور حیرت نے ڈیرے ڈال لیے تھے، مطمئن اور قائل کرنے کے لیے ایک کتاب لکھی، جس کا اُس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔[4]

یہ موازنہ جات بہت سارے اسباب کی بنا پر ان کے امام کی غیبوبت کا نظریہ ثابت کرنے میں بے سود ہیں، کیونکہ حضرت موسیٰ، یونس، یوسف اور محمد[5] (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کی غیبوبت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صریح اور غیر مبہم الفاظ میں خبر ذکر کی ہے، لیکن ان کے مہدی کے غائب ہونے کی روایات حکیمہ تک آخر کار ختم ہوجاتی ہیں، وہ بھی اگر اس کی طرف ان کی نسبت صحیح ہو، پھر اس کے بعد چار ابواب (دربان) کی خبریں ہیں، جن کی گواہی مجروح ہے، کیونکہ وہ مالی مفادات کی رسی اپنی اپنی طرف کھینچنے میں مصروفِ عمل رہے ہیں، اسی لیے اکثر لوگوں نے اس بابیت (دربانی) کا دعویٰ کیا۔

اسی طرح انبیا کا غائب رہنا، ان کی اقوام میں معروف تھا، کیونکہ وہ ان کے درمیان زندہ رہے اور وہ ان

---

[1] الغيبة للطوسي (ص: ٧٧)

[2] دیکھیں: المصدر السابق (ص: ١٣)

[3] المصدر السابق (ص: ١٣)

[4] إكمال الدين (ص: ٢-٤)

[5] شعبِ ابی طالب میں جانا کوئی غیبوبت اور روپوشی نہیں تھی، بلکہ وہ کفار کی طرف سے بائیکاٹ اور قطع تعلقی تھی، لہٰذا وہ ہمارے زیرِ بحث موضوع میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (بلکہ ان میں سے کوئی بھی مثال ان کی مزعومہ غیبوبت پر صادق نہیں آتی، حضرت یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام میں سے کوئی بھی غائب اور روپوش نہیں ہوا تھا۔ [مترجم])

کو جانتے تھے، لیکن ان کے غائب کو کوئی جانتا ہے نہ اس کا کوئی اتا پتا ہی ہے، بلکہ خود اس کے گھر والے بھی اس کے وجود کا انکار کرتے رہے ہیں اور ثقہ مورخین نے بھی یہ گواہی دی ہے کہ حسن عسکری لا ولد ہی فوت ہوئے تھے۔

پھر ان انبیا کا غائب رہنا ایک محدود وقت اور متعین جگہ میں تھا اور وہ بہت جلد اپنی قوموں اور اہلِ خانہ کی طرف لوٹ آئے تھے، لیکن ان کے منتظر امام کو کئی صدیاں ہونے کو آئی ہیں اور ابھی تک اس کی کوئی نشانی ملی ہے نہ اس کی جگہ ہی کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ پھر وہ اللہ کے رسول جو کچھ مدت کے لیے غائب ہوگئے تھے، انھوں نے اپنی اقوام پر حجت قائم کی اور ان کی نسلوں تک اللہ کے پیغامات پہنچا دیے، لیکن ان کے غائب کو غائب ہوئے کئی نسلیں بیت گئی ہیں، پھر بھی اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں سنتے!!

مزید برآں انبیا کا غائب ہونا بالجملہ ایک فطری غیبوبت تھی، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے، لیکن دوسرے لوگوں میں ظاہر ہوئے، جس طرح ایک آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا ہے اور یہ محدود وقت کے ساتھ مشروط ہوتا ہے، پھر یہ انبیاے کرام کے متعلق بھی چند ایک استثنائی واقعات ہیں، کیوں کہ ان کی بہت زیادہ تعداد ہے اور یہ کہیں ذکر نہیں ہوا کہ یہ شے ان مذکور انبیا کے علاوہ کسی دوسرے نبی کے لیے بھی رونما ہوئی ہو۔

جہاں تک اثنا عشریہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار میں چھپنے سے استدلال کرنے کا سوال ہے تو ''یہ استدلال نامناسب ہے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چھپنا دعواے نبوت چھپانے کے لیے نہیں تھا، بلکہ یہ جنگ میں کیے جانے والے توریے (جانا کسی جگہ ہو، لیکن مشہور دوسری جگہ کر دینا، تاکہ دشمن بے خبر رہے) کی قبیل سے تھا، تاکہ کافر آپ کی راہ نہ روک سکیں، پھر یہ چھپنا صرف تین دن کے لیے تھا، اس لیے اس پر اس مہدی مزعوم کے غائب ہونے کو قیاس کرنا غایت درجہ کی حماقت ہے، اس چھپنے کے درمیان، جو غلبۂ دین کا فوری دیباچہ تھا اور اس چھپنے کے درمیان، جو صدیوں پر محیط رسوائی کو ساتھ ساتھ لیے چلتا ہو اور جس کے نتیجے میں دعوت ترک ہو چکی اور سرکشی عام ہو چکی ہو، فرق ایک اندھے کے لیے بھی بالکل واضح ہے۔''[1]

مدتِ غیبوبت کی طوالت کا دفاع:

شیعہ کے اپنے امام کے وجود کے دعوے کی کذب بیانی اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کا اتنی طویل مدت تک زندہ رہنا محال اور ناممکن ہے، جو دو چار صدیوں کی بات نہیں، بلکہ گیارہ صدیوں کا قصہ ہے۔

---

[1] مختصر التحفة (ص: ١١٩)

اتنی مدت تک کسی بھی مسلمان کی عمر دراز ہونا۔ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ امت محمدیہ (ﷺ) کی جو قیاسی عمر ہے، اس کے بھی متصادم ہے اور یہی اس جھوٹ کو فاش کرنے کے لیے کافی ہے، کیوں کہ زمانہ اسلام میں جتنے لوگ بھی پیدا ہوئے ہیں، ان میں کوئی ایک بھی ایسا آدمی نہیں ملتا، جو ۱۲۰ سال سے زیادہ عمر کا ہوا ہو، اتنی عمر تو ایک طرف رہی، صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے، جو آپ ﷺ نے اپنی عمر کے آخری حصے میں فرمایا تھا:

''تم نے آج کی رات دیکھی ہے؟ آج جتنے لوگ موجود ہیں، اس رات کے ایک سو سال کے بعد ان میں سے کوئی ایک بھی روے زمین پر باقی نہیں رہے گا۔''[1]

جس کی اس وقت ایک سال عمر تھی، وہ ایک سو سال سے زیادہ قطعاً زندہ نہیں رہا۔ اگر اس زمانے میں عمریں اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھیں تو اس کے بعد جو زمانے ہیں، ان کا اس غالب عادت کے مطابق ہونا زیادہ قرینِ قیاس ہے، پھر اس امت کی عمریں ۶۰ سے لے کر ۷۰ سال کے درمیان درمیان ہیں اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اس حد سے آگے بڑھتے ہیں،[2] جس طرح صحیح حدیث سے ثابت ہے۔[3]

یہ ایک ایسا اعتراض ہے، جو امامیہ کے گلے کا پھندا ہے اور ان کے اعتقادات کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ شیعہ کے علما نے اپنے مہدی اور بعض ان انبیا کے درمیان موازنہ کر کے اس اعتراض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، جن کی عمریں عام انسانی فطری تناسب سے زیادہ ہیں، چنانچہ شیعہ کے نزدیک مہدی حضرت نوح علیہ السلام کے شبیہ ہے، جو اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک رہے۔[4]

انھوں نے اس موازنے کو، قبولِ عام سے ہمکنار کرنے کے لیے اسے بعض آلِ بیت کی طرف منسوب کیا ہے، چناں چہ ابن بابویہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتا ہے کہ علی بن حسین نے کہا:

''قائم میں نوح علیہ السلام کی سنت جاری ہوئی ہے، جو طویل عمری سے عبارت ہے۔''[5]

---

[1] منهاج السنة (۲/ ٦٥) نیز دیکھیں: صحيح البخاري، كتاب العلم، باب السمر في العلم (۱/ ۳۷) مسند أحمد (۲/ ۱۲۱۔ ۱۳۱)

[2] منهاج السنة (۲/ ١٦٥)

[3] دیکھیں: سنن الترمذي، كتاب الزهد، باب ما جاء في فناء أعمار هذه الأمة ما بين الستين إلى السبعين (٤/ ٥٦٦) رقم الحديث (۲۳۳۱) و كتاب الدعوات، باب في دعاء النبي ﷺ (٥/ ٥٥٣) رقم الحديث (۳٥٥۰) سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الأمل والأجل (۲/ ۱٤۱٥) رقم الحديث (٤۲۳٦) سلسلة الأحاديث الصحيحة (۲/ ۳۹۷) رقم الحديث (۷٥۷) نیز دیکھیں: صحيح الجامع (للألباني) (۱/ ۳٥٤) رقم الحديث (۱۰۸٤)

[4] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ۷۹)

[5] إكمال الدين (ص: ٤۸۸)

اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے مہدی کا قیدِ حیات ہونا عیسیٰ بن مریم[1] خضر اور الیاس علیہم السلام کی بقاے حیات کی طرح ہے، حتیٰ کہ یہ ابلیس کے ساتھ تقابل کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔[2]

ان تمام تقابلات اور موازنہ جات کو یہ لوگ بعض آلِ بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں، تاکہ ان کے پیروکاروں کے نزدیک ان کو قطعیت اور سند حاصل ہوجائے، کیوں کہ یہ معصوم کے اقوال ہیں۔[3]

اسی طرح یہ لوگ تاریخ میں معمر ترین افراد کے واقعات سے بھی استدلال کرتے ہیں،[4] لیکن جبرائیل، ملک الموت، دیگر ملائکہ سے عموماً اور زمین و آسمان سے تقابل کرنا شاید ان کے ذہن سے نکل گیا ہے۔ اس دفاع کو خود شیعہ نے باطل اور بودا قرار دیا ہے، کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کا مہدی گیارہ صدیوں سے ان کا شرعی حاکم ہے، وہ قرآن پر قیم ہے، اس کے بغیر قرآن سے استدلال کیا جا سکتا ہے نہ اس کے واسطے کے بغیر بشر کو ہدایت ہی مل سکتی ہے، مکمل قرآن، مصحفِ فاطمہ، جفر، جامعہ اور لوگوں کو اپنے دین اور دنیا میں جن اشیا کی ضرورت ہوسکتی ہے، وہ سب اس کے پاس ہیں، ان کا مہدی امت کا ذمے دار (اور ٹھیکیدار) ہے اور دنیا اور آخرت کی سعادت و ہدایت کے تمام تر وسائل اسی کے پاس ہیں۔ لیکن وہ دوسرے لوگ جن کے ساتھ اس کا موازنہ کیا جاتا ہے، وہ اس سے بہت مختلف ہیں، حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ پیغام دیا:

﴿ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ ﴾ [هود: ٣٦]

''تیری قوم میں سے کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر جو ایمان لا چکا۔''

وہ کسی ایسے غار یا کمین گاہ میں چھپے نہیں رہے، جس کا کوئی اَتا پتا نہ ہو۔ وہ ایسے نہیں تھے کہ لوگوں کو گمراہی اور کفر میں مبتلا دیکھتا رہے اور ان کے نظروں سے چھپتا رہے، صدیوں پر صدیاں گزر جائیں اور نسلوں کی نسلیں مٹ جائیں، لیکن وہ اس کو دیکھ نہ سکیں! اگر یہی سمجھا جائے تب بھی اس کی عمر اب اس مدت سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا، حجت قائم کر دی اور آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے پہلے امانت ادا کر دی، وہ ان کے منتظر کے برعکس اپنے اَتباع سے غائب ہو کر ان کو کوئی نقصان

---

[1] عقائد الإمامية (ص: ١٠٨)

[2] الحائري: إلزام الناصب (١/ ٢٨٣)

[3] یہ روایات ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٣٦۔ ٣٣٧) الغيبة للنعماني (ص: ١٠٨ وما بعدها) إكمال الدين (ص: ١٣٤ وما بعدها) إلزام الناصب (١/ ٢٨٥)

[4] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٧٩ وما بعدها)

نہیں پہنچانا چاہتے تھے، جو بچپن ہی سے غائب ہوگیا اور اس نے اپنے شیعہ کو لڑنے جھگڑنے، ایک دوسرے پر لعن طعن کرنے، ایک دوسرے کو کافر قرار دینے، حتی کہ اس کے وجود اور بابیت میں اختلاف کرنے اور اس کے مذہب کی حقیقت کو پہچاننے کے لیے عمومی تقیے کی چادر میں لپٹ کر چھوڑ دیا۔ جہاں تک خضر اور الیاس علیہما السلام کا تعلق ہے تو محققین کی تحقیق کے مطابق وہ دونوں فوت ہو چکے ہیں۔[1]

بالفرض اگر وہ دونوں زندہ ہیں تو پھر بھی ان کے ساتھ تقابل نہیں بنتا، کیوں کہ وہ ان کے امام کے عکس اس امت کی ہدایت اور قیادت کے مکلّف اور پابند نہیں، جب کہ ان کا امام ان کے عقیدے کے مطابق تمام مسلمانوں کے ان کے تمام امور میں ذمے دار ہے۔

اب آیئے ابلیس کی طرف، اس کے بقا کی خبر قرآنِ کریم نے دی ہے، اس کے برعکس ''مہدی'' کے وجود کا خود اس کے گھر والے بھی انکار کرتے ہیں اور شیعہ گروہ بھی۔ پھر ابلیس تو لوگوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کرنے کے لیے اپنے مشن پر لگا ہوا ہے اور بلاشبہہ شیعہ کو اس معدوم کی اتباع پر لگا کر صحیح راہ سے گمراہ کرنا بھی اسی کا کام ہے، لیکن ان کے منتظر کی کوئی خبر ہے نہ کوئی علامت، نیز ابلیس انسانوں کی جنس سے بھی نہیں، لہٰذا اس تقابل کا کوئی جوڑ نہیں بنتا۔ جہاں تک انسانی تاریخ میں معمر ترین افراد کے تقابل کا تعلق ہے، تو ان کی جتنی بھی عمر ہو جائے، وہ اس دعوے کے عُشر عشیر بھی نہیں، جو وہ اپنے غائب کے بارے میں کرتے ہیں۔

وہ تمام مثالیں جو ان کے علما نے چوتھی صدی ہجری میں پیش کی ہیں، آج ان کی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ ان

[1] دیکھیں: المنتقی (ص: ٢٦) امام ابن حزم کی رائے ہے کہ حیاتِ خضر اور الیاس کا قائل ہونا یہودیت سے ماخوذ نظریہ ہے۔ یہود نے الیاس اور فنحاس بن عازار بن ہارون علیہم السلام کی حیات کا نظریہ پیش کیا ہے۔ بعض صوفی بھی ان کی راہ پر چل نکلے اور انھوں نے بیابانوں میں ان کے ساتھ ملاقات کا دعوی کر دیا۔ (الفصل: ٥/ ٣٧) حیاتِ خضر کے بھی صوفی ہی قائل ہیں، ان کی ان کے ساتھ ملاقات اور اس سے اخذ و اکتساب کی باقاعدہ داستانیں ہیں۔ (دیکھیں: ابن عربی: فتوحاتِ مکیه: ١/ ٢٤١، ابن عطاء الله سکندري: لطائف المنن، ص: ٥٢۔ ٥٣، طبقات الشعراني: ١/ ٩٧، و ٢/ ٥، الفصل: ٥/ ٣٧، ٣٨، ابن حجر، تهذيب التهذيب: ٧/ ٤٧٧) امام ابن حزم نے صوفیوں کے خضر علیہ السلام سے اخذ و اکتساب کے دعوے کو عقیدۂ ختمِ نبوت کی مخالفت قرار دیا ہے۔ دیکھیں: الفصل (٥/ ٣٨)
خضر کے آج تک زندہ ہونے کا دعویٰ دلیل اور محققین کی تحقیق کے مخالف ہے۔ دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٢٨) ابن القيم: المنار المنيف (ص: ٦٧۔ ٧٦) نیز حیاتِ خضر کے بارے میں دیکھیں: ابن کثیر: البداية والنهاية (١/ ٣٢٥۔ ٣٣٧) ابن حجر: فتح الباري (٦/ ٣٠٩۔ ٣١٢) الإصابة (٢/ ٢٨٦۔ ٣٣٥) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حیاتِ خضر کی تحقیق میں ایک کتابچہ بھی لکھا ہے، جس کے آخر میں وہ فرماتے ہیں: ''قوی دلائل کی بنا پر جو رجحان سامنے آتا ہے، وہ عوام کے اس عقیدے کے خلاف ہے کہ ان کی زندگی جاری ہے۔'' (الزهر النضر في نبأ الخضر ضمن مجموعه الرسائل المنيرية: ٢/ ٢٣٤)

کے منتظر کی عمر ان سے کئی گنا بڑھ چکی ہے، نیز ان تمام کا وہ کام اور ذمے داری بھی نہیں، جو ان کے غائب کی ہے۔

شیعہ کے کچھ معاصر علما منتظر کے باقی رہنے کے امکان کو ثابت کرنے کے لیے جدید علوم اور سائنس کی زبان کا سہارا لیتے ہیں۔ لہٰذا مظفر کہتا ہے:

''طبعی عمر، یا جس کو طبعی عمر خیال کیا جاتا ہے، اس سے زندگی کا تجاوز کر جانا میڈیکل کی نگاہ میں ناممکن یا مستحیل نہیں، اگر چہ میڈیکل سائنس کسی ایسے نتیجے تک نہیں پہنچ سکی، جو انسان کی عمر دراز کرنے میں کوئی پیش رفت ہو، لیکن اگر علمِ طب اس سے عاجز ہے تو اللہ تعالیٰ تو عاجز نہیں۔''[1]

محمد حسین آلِ کاشف الغطا کہتا ہے:

''مغرب کے اکابر فلاسفہ انسان کے دنیا میں خلود اور غیر فانی ہونے کے امکان کے قائل ہیں۔''[2]

پھر وہ کہتا ہے:

''یورپ کے بعض نامور علما (سائنسدانوں) کا کہنا ہے کہ اگر ابن ملجم کی تلوار نہ ہوتی[3] تو علی بن ابی طالب ہمیشہ ہمیشہ رہتے، کیوں کہ وہ کمال اور اعتدال کی تمام صفات کا مرقع تھے۔''[4]

یہ تو بعض کفار کے نظریات تھے (اگر انھوں نے حوالہ دینے میں بد دیانتی نہیں کی) لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی سے کہتے ہیں:

﴿ وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٣٤]

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کے لیے ہمیشگی نہیں رکھی، سو کیا اگر تو مرجائے تو یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [آل عمران: ١٨٥، الأنبياء: ٣٥، العنكبوت: ٥٧]

''ہر جان موت کو چکھنے والی ہے۔''

---

[1] عقائد الإمامية (ص: ١٠٨)

[2] أصل الشيعة (ص: ٧٠)

[3] یہ اعتزال کے رنگ میں رنگا ہوا شیعہ کا قول ہے اور اس کی بنیاد معتزلہ کا مذہب ہے، جو کہتے ہیں کہ قاتل نے مقتول کی اجل (عمر) کاٹ دی۔ یہ نظریہ کتاب و سنت کے مخالف ہے، جس میں یہ ثابت ہے کہ ہر کوئی جو مرتا ہے، وہ اپنی مدت اور اجل پوری کرتا ہے۔ دیکھیں: مجموعة فتاویٰ شيخ الإسلام (٨/ ٥١٦) شرح الطحاوية (ص: ٩٢) لوامع الأنوار (١/ ٣٤٨)

[4] أصل الشيعة (ص: ٧٠)

مزید فرمایا:

﴿ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ﴾ [الواقعة: ٦٠]

''ہم ہی نے تمھارے درمیان موت کا وقت مقرر کیا ہے اور ہم ہرگز عاجز نہیں ہیں۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو پیدا کیا ہے، وہ خود اس سے زیادہ واقف ہے اور وہ سب سے سچا ہے، لہٰذا اس کے بعد کسی کافر کے کسی ایسے قول کی کوئی حیثیت نہیں، جو اس زندگی میں بقا کا سہارا لینے کی کوشش کرتا ہے، خواہ خیالات کی دنیا ہی میں کیوں نہ ہو۔ علی رضا نے شیعہ کے بہت سارے فرقوں کے رد میں، جو بعض آلِ بیت کی حیات کے قائل ہیں اور ان کی موت کی تصدیق نہیں کرتے اور ان کی غیبوبت اور رجوع کے قائل ہیں، ایک بڑی سچی بات کہی ہے، جس کو شیعہ کتابوں نے بھی نقل کیا ہے، یہ اثنا عشریہ کا خود ان کے اپنے کلام کے لیے دندانِ شکن جواب ہے۔

رجال الکشی میں ذکر ہوا ہے کہ ''علی رضا سے کہا گیا: کچھ لوگوں نے تمھارے باپ پر توقف کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ فوت نہیں ہوئے؟ انھوں نے کہا: انھوں نے جھوٹ بولا ہے اور جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے، یہ اس کا انکار کرنے والے (کافر) ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کی عمر دراز کرنا ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کی عمر دراز کرتے۔''[1]

لیکن یہ لوگ اپنے امام کے قول کی مخالفت کرتے اور یہ خیال آرائی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اس کی ضرورت کے پیش نظر، بلکہ کائنات کو اس کی ضرورت اور زندگی میں ہر چیز کے اس کے محتاج ہونے کی وجہ سے اس کی عمر بڑھا دی ہے، اگر وہ نہ ہوتا، جس طرح یہ افترا پردازی کرتے ہیں تو زمین دھنس جاتی اور باشندگان سطح ارضی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔[2]

---

[1] رجال الكشي (ص: ٤٥٨)

[2] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ١٧٩)

مہدی (مزعومہ) واپسی کے بعد

أ۔ شیعہ کے مہدی منتظر کی شریعت:

ابن بابویہ اپنی کتاب ''الاعتقادات'' میں، جسے دینِ امامیہ کہا جاتا ہے، ذکر کرتا ہے کہ مہدی جب اپنی پوشیدگی ختم کر کے ظاہر ہوگا تو وراثت کے متعلق اسلامی شریعت کے احکام منسوخ کر دے گا، چناں چہ وہ صادق سے نقل کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے ابدان واجسام پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل ارواح کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ اگر ہمارا قائم اہلِ بیت ظاہر ہوگیا تو وہ اس بھائی کو وارث قرار دے گا، جن دونوں کے درمیان عالمِ ارواح میں بھائی چارہ قائم ہوا تھا اور حقیقی بھائی کو وارث قرار نہیں دے گا۔''[1]

یہ روایت اس گروہ کے اربابِ اختیار کے دل میں افرادِ جماعت کے درمیان جماعتی اور تنظیمی تعلق کو وراثت میں قرابت اور خونی رشتے کے قائم مقام قرار دینے کے لیے مچلنے والی خواہش کا پردہ چاک کر دیتی ہے، تاکہ اس تعلق اور بھائی چارے کے نام پر ان کے اموال لوٹنے آسان ہوں، نیز یہ ان کی ان آرزوؤں اور تمناؤں کی قلعی بھی کھول دیتی ہے، جن کو اس کی موعودہ سلطنت کے قیام کے وقت عملی شکل دینے کے خواب وہ دیکھتے ہیں، پھر یہ روایت اس بات کو آلِ بیت کی طرف منسوب کر کے مقبولیت کی سند سے بھی نوازنا چاہتی ہے۔

اسی طرح یہ روایت ان روایات کے واضعین کے شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے متعلق موقف اور ان کی اس کو کالعدم قرار دینے کی چھپی ہوئی خواہش کو بھی بے نقاب کرتی ہے۔ یہ روایت الحادی مفہوم کی بھی عکاسی کرتی ہے، جو شریعت کو منہدم کرنے اور عقیدہ ختمِ نبوت کی مخالفت میں رقصاں و خیزاں ہے۔

یہ دعوی شریعت اسلامیہ کی مخالفت کے ساتھ ساتھ عقل و منطق کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ وراثت ولادت اور قرابت داری کے نتیجے میں پیدا ہونے والے رشتے کے ساتھ منسلک و مربوط ہے، جس مزعومہ ازلی بھائی چارے کا یہ پرچار کرتے ہیں، انسان اس کا ادراک ہی نہیں کر سکتا، لہٰذا وہ وراثت کی تقسیم کی کیونکر بنیاد بن

[1] الاعتقادات (ص: ۸۳)

سکتا ہے؟ اسی طرح ان کا منتظر اہلِ کتاب سے جزیہ وصول کرنے کے اسلامی شریعت کے حکم کو بھی بدل دے گا۔

شیعہ روایات کے متون یہ کہتے ہیں کہ ان کا منتظر اس منہج کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی سنت و سیرت کی مخالفت کرے گا۔ روایت کہتی ہے:

''صاحبِ امر جزیہ قبول نہیں کرے گا، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے قبول کیا تھا۔''[1]

یہ اعتراف اس کے عمداً سنتِ رسول کی مخالفت اور اس کو تبدیل کرنے کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، تو کیا ان روایات کے واضع نے کہیں شیعہ کے دلوں میں اسلامی تشریع کی شان گھٹانے اور ان کو اس کی مخالفت پر اُکسانے کی نیت تو نہیں کی؟! بلکہ منتظر کی حکومت میں عدالتی فیصلے بھی شریعتِ مصطفیٰ ﷺ سے ہٹ کر ہوں گے۔

کافی وغیرہ میں نقل ہوا ہے:

''ابو عبداللہ نے کہا: جب قائم آلِ محمد کا ظہور اور اس کو اقتدار حاصل ہوگا تو وہ حضرت داود اور حضرت سلیمان کے فیصلوں کے مطابق فیصلے کرے گا اور دلیل طلب نہیں کرے گا۔''[2]

شیعہ کے ثقۃ الاسلام کلینی نے اس عقیدے کی آبیاری کی ہے اور اس سلسلے میں ایک خاص باب باندھا ہے، جس کا یہ نام رکھا ہے:

"باب في الأئمة أنهم إذا ظهر أمرهم حكموا بحكم داود و آل داود ولا يسألون البينة"[3]

یعنی جب ائمہ کا تسلط ہوگا تو وہ داود اور آلِ داود کے حکم کے مطابق فیصلے کریں گے اور دلیل طلب نہیں کریں گے۔

اس نقطۂ نظر میں جو یہودی عنصر ہے، وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں، اس لیے کسی نے اس عنوان پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

''یعنی وہ دینِ محمدی علیہ السلام کو منسوخ کر دیں گے اور یہودی دین کی طرف رجوع کریں گے۔''[4]

ملاحظہ کیجیے کہ ان روایات کے واضعین، جنھوں نے شیعیت کی جھوٹی قبا پہنی ہوئی ہے، کتنی بے تابی سے ایسی حکومت کے خواب دیکھتے ہیں، جو اسلامی شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسری شریعت کے مطابق کاروبار جہانبانی سنبھالے گی۔

---

[1] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤٩)

[2] أصول الكافي (١/ ٣٩٧) المفيد: الإرشاد (ص: ٤١٣) الطبرسي: أعلام الورى (ص: ٤٣٣)

[3] أصول الكافي (١/ ٣٩٧)

[4] محب الدين الخطيب: تعليقه على المنتقى (ص: ٣٠٢، حاشيه: ٤)

شیعہ کی بعض روایات یہ اشارہ بھی کرتی ہیں کہ وہ کبھی آدم کے فیصلے کے مطابق فیصلہ دے گا، کبھی داود علیہ السلام کے فیصلے کے مطابق اور کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فیصلے کے مطابق، لیکن اس کے بعض پیروکار اس کی شریعتِ اسلام کو چھوڑ کر ان دوسری شریعتوں کے مطابق فیصلہ کرنے کی روش کی مخالفت کریں گے، لیکن وہ اس مخالفت کا سختی سے مقابلہ کرے گا اور ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دے گا۔[1]

شیعہ کی کچھ روایات اس کے بعض احکام اور فیصلے بھی پیش کرتی ہیں۔ یہ روایات ذکر کرتی ہیں:

''وہ تین فیصلے کرے گا، جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیے ہوں گے: ① وہ بوڑھے زانی کو قتل کرے گا، ② مانع زکات کو قتل کر دے گا، ③ اور اس بھائی کو وراثت میں حق دار مقرر کرے گا، جس کو عالمِ ارواح میں بھائی بنایا گیا ہوگا۔''[2]

''وہ اس کو بھی قتل کر دے گا، جو بیس سال کا ہو چکا ہو، لیکن اس نے دین کا علم اور سمجھ حاصل نہ کی ہو۔''[3]

منتظر کی ریاست ہر دین کے ماننے والے کا فیصلہ اس کی اپنی مذہبی کتاب کے مطابق کرے گی، حالانکہ اسلام نے کسی کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ قرآن کی شریعت کے علاوہ کسی دوسری شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق بھی ہے۔[4]

شیعہ کی روایات میں ذکر ہوا ہے:

''جب قائم آلِ محمد کا ظہور ہوگا تو وہ برابر تقسیم کرے گا، رعیت میں انصاف کرے گا، انطاکیہ کے ایک غار سے تورات اور تمام الٰہی کتابوں کو نکالے گا، حتی کہ اہلِ تورات کے مابین تورات کے مطابق فیصلہ کرے گا، اہلِ انجیل کے درمیان انجیل کے مطابق، اہلِ زبور کے مابین زبور کے مطابق اور اہلِ قرآن کے درمیان قرآن کے مطابق فیصلہ کرے گا۔''[5]

یہ قانون جس کے نفاذ کی آرزو ان کی روایات کے گھڑنے والے اپنے دلوں میں رکھتے ہیں اور منتظر کے ہاتھوں وہ بڑی حد تک نظریہ وحدتِ ادیان یا نظریہ عالمی دین کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، جس کا ماسونی فرقہ پرچار کرتا ہے، یہ حقیقت میں ایک الحادی نظریہ ہے، جو اساسی طور پر آزادیِ عقید وفکر کے نام پر تمام آسمانی ادیان

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (٥٢/ ٣٨٩)

[2] ابن بابويه: الخصال (ص: ١٦٩) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٩) الكاظمي: بشارة الإسلام (ص: ٢٧٥)

[3] الطبرسي: أعلام الورى (ص: ٤٣١) بحار الأنوار (٥٢/ ١٥٢)

[4] دیکھیں: ابن تيمية: منهاج السنة النبوية (٣/ ١٢٧) المنتقٰى (ص: ٢٤٣)

[5] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٧) نیز دیکھیں: بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥١)

کے انکار پر قائم ہے۔

ابھی افکار کے جھرمٹ میں، جو قرآنی شریعت کو منسوخ کرنے اور ایسے نئے احکام ایجاد کرنے کی کوشش میں ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی، نیز شریعت محمدیہ ﷺ کو چھوڑ کر داود علیہ السلام کے فیصلوں کی طرف رجوع کرنے اور قرآن کے فیصلے کو ترک کر کے ادیان کی شریعتوں کے نفاذ کے درپے ہیں، ہمارا ایک ایسی زہریلی سوچ سے سامنا ہوتا ہے، جو انھی سابقہ مقدمات اور تاثیرات کا نتیجہ ہے، اس سوچ کا لب لباب یہ ہے کہ مہدی قرآن کے نظامِ عدل و جہانبانی کو معطل کر کے اس کی جگہ ایک دوسری کتاب کو لے آئے گا۔ نعمانی کی ابو بصیر سے درج ذیل روایت اس مفہوم پر دلالت کرتی ہے، وہ کہتا ہے: ابو جعفر نے کہا:

''قائم ایک نیا امر، نئی کتاب اور نئی قضا (نظامِ عدل) لے کر آئے گا۔[1] میں چشمِ تصور سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ رکنِ (حجر اسود کی جگہ) اور مقامِ (ابراہیم) کے درمیان لوگوں سے ایک نئی کتاب پر بیعت لے رہا ہے۔''[2]

شیعہ کی دوسری روایات یہ بیان کرتی ہیں کہ ان کا منتظر یہ دعویٰ پیش کر کے کہ ''قرآن میں تحریف ہو چکی ہے'' لوگوں کو اس سے بے رغبت کرنے کی کوشش کرے گا اور اس کے مخالف ایک کتاب پیش کرے گا، پھر یہ دعویٰ کر کے کہ ''یہ وہ کامل کتاب ہے جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی'' لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا، نیز عجم اس کو لوگوں میں عام کرنے کی کوشش کریں گے اور اس کی تعلیم دیں گے، لیکن لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں کتاب اللہ کی جو قدر و منزلت ہے، اس کو گھٹانے میں ان کی شدید ترین صعوبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔[3]

مہدی کی واپسی کے بعد حکومت قائم کرنے کے متعلق یہ وہ روایات ہیں، جو سلطنتِ اسلام کی قوت و شوکت کے وقت خفیہ انداز میں شیعہ میں متداول تھیں۔[4] جو ان کے منتظر کے نظریے کو تسلیم نہیں کرتا، وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ محض خیالی پلاؤ ہیں، جن کا حقیقت کی دنیا میں کوئی وجود نہیں، کیوں کہ قائم منتظر کا کوئی وجود ہی نہیں۔ چناں چہ یہ موعودہ ریاست کبھی وقوع پذیر نہیں ہو سکتی۔ اس کے بارے میں گفتگو محض ایک خیالی گفتگو ہے۔ یہ

[1] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٤) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٤) إلزام الناصب (٢/ ٢٨٣)

[2] الغيبة للنعماني (ص: ١٧٦) بحار الأنوار (٥٢/ ١٣٥)

[3] یہ روایت گزر چکی ہے۔ دیکھیں (ص: ٢٨٧)

[4] چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ عالم نعمانی غیبوبت سے متعلق روایات پیش کرنے سے پہلے ایسی روایات ذکر کرتا ہے، جن میں آلِ محمد کے رازوں کو دوسروں سے چھپانے کی تلقین کرتے ہیں، جیسا کہ اس نے اپنی کتاب کے آغاز میں اس کا ذکر کیا ہے۔ دیکھیں: الغيبة (ص: ١٧)

بات صحیح ہے، لیکن ان روایات کی حقیقی اور واقعاتی حیثیت یہ ہے کہ یہ ان کے گھڑنے والوں کی سینوں میں چھپی ہوئی خواہشات اور اسلامی شریعت کے خلاف ان کے مقاصد کو آشکارا کرتی ہیں۔ یہ نفسیاتی بہانے بازیاں اور شکست خوردگیاں ہیں، جو خطرناک مدلولات پر مشتمل ہیں۔

ان اخبار اور روایات کے واضعین جس نوع کی حکومت قائم کرنے کی آرزو رکھتے ہیں، یہ مدلولات اور مفاہیم اس کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ وہ خواب ہیں جو ان عناصر کے مقاصد اور منصوبہ بندی کو بے نقاب کرتے ہیں، جو قرآنِ کریم کی شریعت تبدیل کرنے کے لیے شیعیت کا لباس پہن کر اسلامی سلطنت کی صفوں میں گھس گئے اور ''ائمہ کی حکومت کے سوا کسی کی حکومت منظور نہیں'' کے نعرے کی آڑ میں ان کا مسلمان حکمران کی حکومتوں کے ساتھ تنازع کھڑا کرنا درحقیقت اسلامی حکومت کو ختم کر کے اس کی جگہ ایسی حکومت قائم کرنا ہے جو قائم موعود کی حکومت کے مطابق نظامِ حکومت قائم کرے۔

ب۔ قائم منتظر کی سیرت:

قائم کی سیرت اور کردار پر بھی اس کی نئی شریعت کی چھاپ ہوگی، کیوں کہ وہ مسلمانوں کی مساجد اور مقدس مقامات کی بے حرمتی کر کے ان کو ایذا پہنچائے گا اور وہ حرمین شریفین کو منہدم اور برباد کر دے گا۔

شیعہ روایات کھلے لفظوں میں کہتی ہیں:

''قائم مسجدِ حرام کو منہدم کر کے اس کو اس کی بنیاد کی طرف لوٹا دے گا، مسجد نبوی کو بھی اس کی بنیاد کی طرف لوٹا دے گا اور بیت اللہ کو بھی اس کی جگہ لوٹا کر اس کی بنیاد پر قائم کرے گا۔''[1]

اس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اور آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبروں کی طرف متوجہ ہوگا اور شیعہ روایات کے بقول:

''وہ قبر پر موجود دیوار کو توڑنے کا آغاز کرے گا... پھر ان دونوں کو (یعنی رسول اللہ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کو) ان کی قبروں سے تروتازہ نکالے گا، ان پر لعنت بھیجے گا، ان کو صلیب پر چڑھائے گا، پھر ان کو اتار کر جلا دے گا اور ان کی راکھ ہوا میں اڑا دے گا۔''[2]

دوسری روایت میں ہے:

---

[1] الطوسي: الغيبة (ص: ٢٨٢) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٣٨)

[2] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٨٦)

’’قائم سب سے پہلے یہ کام کرے گا... ان دونوں کو تر و تازہ نکالے گا، پھر ان کو جلا کر ان کی راکھ ہوا میں اڑا دے گا اور مسجد توڑ دے گا۔‘‘[1]

انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے ((وہ ان ظالوں کے الزامات سے بہت بلند ہے)) کہ جب رسول اللہ (ﷺ) کو آسمانوں پر لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے کہا:

’’یہ قائم ... یہی وہ شخص ہے جو تیرے شیعہ کے دلوں کو ظالموں، منکروں اور کافروں سے راحت پہنچائے گا، پھر یہ لات و منات (اس سے ان کی مراد رسول اللہ ﷺ کے دونوں خلفا ہیں) کو تر و تازہ نکالے گا اور ان دونوں کو جلا دے گا۔‘‘[2]

شیعہ کی بعض روایات ذکر کرتی ہیں کہ یہ کارروائی مسلمانوں کو مشتعل کر دے گی۔ ایک روایت میں ہے:

’’پھر ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہوگا۔ جب وہ یہ کام کرے گا تو قریش کہیں گے: ہمیں اس ظالم کے پاس لے کر چلو، خدا کی قسم! اگر یہ محمدی ہوتا تو کبھی ایسا نہ کرتا، اگر علوی ہوتا، تب بھی ایسا نہ کرتا اور اگر فاطمی ہوتا، پھر بھی ایسا نہ کرتا ...‘‘[3]

شیعہ کا شیخ اور فخرِ ملتِ شیعہ مجلسی کہتا ہے:

’’شاید بہت بڑا حادثہ رونما ہونے سے مراد شیخین ملعونین (معاذ اللہ) کو جلانا ہے، اس لیے وہ لوگ اس منتظر علیہ السلام کو (یعنی قائم کو) سرکش اور ظالم کہیں گے۔‘‘[4]

یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں کہ امام منتظر کے ان کارناموں کے یہ وعدے، جن سے ان کی روایت لبالب بھری ہوئی ہیں، ان کے دلوں میں چھپی ہوئی اسلام دشمنی اور دین کے خلاف ان کی سازشی سوچوں کا مظہر ہیں۔

انھوں نے یہاں تک تمنا کر دی ہے کہ اگر ان کو موقع ملے تو یہ حرمین شریفین کی عمارتیں گرا دیں اور ان دونوں پاکیزہ شخصیات کی قبریں اکھاڑ دیں، لیکن جب یہ سلطنتِ اسلام کی قوت اور شوکت کی وجہ سے اپنی اس خواہش کو پورا کرنے سے عجز محسوس کرتے ہیں، تب ان خوابوں اور امیدوں کے سہارے اپنے آشفتہ دلوں کو تسلی دینے اور اسلام اور قائدینِ اسلام کے خلاف اپنے سینوں میں بھڑکنے والی حسد و بغض کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے

---

1. المصدر السابق.
2. ابن بابويه: عيون أخبار الرضا (١/ ٥٨) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٧٩)
3. تفسير العياشي (٢/ ٥٨) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤٢)
4. بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤٦)

ہیں، جنھوں نے ان کے علاقے فتح کیے، ان کی بادشاہت ختم کر دی اور ان دیار میں اسلام کا بول بالا کر دیا۔

یہ وعدے حقیقت میں ان کی ان دلی خواہشات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر ان کو حکومت اور تسلط جمانے کا موقع ملے تو وہ ان کو پورا کریں گے، اس لیے ان کے معاصرین مکہ اور مدینہ فتح کرنے کی حسرت لیے پھرتے ہیں، جو ان کے آیات (ایرانی علماے حکومت) کی زبانوں پر عام ہے، تاکہ یہ ان خوابوں کو حقیقت کا روپ دے سکیں، جن کو ان کی روایات بیان کرتی ہیں، اس کا مفصل آگے ذکر ہوگا۔[1] ﴿ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ [الأنفال: ٣٠]

شیعہ کا منتظر اسی پر اکتفا نہیں کرے گا، بلکہ قتلِ عام کا بازار سجائے گا، جس میں خصوصی طور پر عربی نسل کا مکمل خاتمہ کر دے گا۔ ان کی روایات عرب کو اس کے ہاتھوں، جب وہ لوٹے گا، تو ایک عظیم رزم کا پیغام دیتی ہیں، جس میں وہ کسی مرد، عورت یا بچے، بوڑھے کو نہیں چھوڑے گا، بلکہ ہر ایک کو قتل کر دے گا۔

نعمانی ''حارث بن مغیرۃ'' اور ''ذریح محاربی'' سے روایت کرتا ہے، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ نے کہا:

''ہمارے اور عرب کے درمیان ذبح کے سوا کچھ نہیں بچا۔''[2]

گویا ان کی یہ روایت ان میں سے جو ان کا پیروکار اور شیعہ ہوگا اور جو نہیں ہوگا، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتی، لیکن ان کی دوسری روایات یہ تاکید کے ساتھ ذکر کرتی ہیں کہ عرب میں سے کوئی بھی قائم کا ساتھ نہیں دے گا، اس لیے یہ ان سے ڈراتی ہیں اور ان سے دور رہنے کی تلقین کرتی ہیں:

''عرب سے بچنا، کیوں کہ ان کی بری خبر ہے، اس لیے کہ ان میں سے کوئی بھی قائم کے ساتھ نہیں نکلے گا۔''[3]

جب کہ عرب میں بہت سارے شیعہ موجود ہیں تو ان کے بارے میں شیعہ روایات کہتی ہیں کہ ''ان کو اچھی طرح آزمایا جائے گا، جن میں بہت تھوڑے کامیاب ہوں گے۔''[4]

یہ روایات مزید کہتی ہیں:

''قائم عرب کے ستر قبیلوں کا خون بہائے گا۔''[5]

---

[1] دیکھیں: معاصر شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف سے ربط و تعلق.

[2] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٥) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤٩)

[3] الغيبة للطوسي (ص: ٢٨٤) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٣٣)

[4] دیکھیں: الغيبة للنعماني (ص: ١٣٧) بحار الأنوار (٥٢/ ١١٤)

[5] دیکھیں: بحار الأنوار (٥٢/ ٣٣٣، حاشیہ: ١)

یہ ان قاتلانہ کارروائیوں کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں، جو ان کا قائم خصوصی طور پر رسول اللہ ﷺ کے قبیلے قریش کے خلاف کرے گا، کیوں کہ آپ ﷺ کے برگزیدہ صحابہ کرام اس قبیلے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

مفید کی کتاب "الإرشاد" میں ہے:

''عبداللہ بن مغیرہ ابو عبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا: جب قائم آلِ محمد ﷺ قائم ہوجائے گا تو وہ قریش کے پانچ سو افراد کو کھڑا کرے گا اور ان کی گردنیں اڑا دے گا۔ وہ چھے مرتبہ یہ کام کرے گا۔ میں نے کہا: اتنی زیادہ تعداد ہو جائے گی؟ انھوں نے کہا: ہاں، ان میں سے بھی اور ان کے موالی میں سے بھی۔''[1]

یہ کوئی مخفی بات نہیں کہ عرب کو قتل کے لیے مخصوص کرنا ان روایات کے واضعین کی صفوں میں قوم پرستانہ رجحانات کے سرایت کرنے کی دلیل ہے۔ یہ روایات واضح کرتی ہیں کہ بانیانِ رافضیت کے دلوں میں عربی عنصر کے خلاف کتنی نفرت پائی جاتی ہے اور یہ اس نفرت کو ان کا خون بہا کر ٹھنڈا کرنا چاہتے ہیں، ان کی ان کے خلاف یہ نفرت حقیقت میں ان کے عربی النسل ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس دین کی وجہ سے ہے، جس کی شمع ان کے دلوں میں فروزاں ہے۔

شیعہ کی روایات نبی مکرم ﷺ کے پاکیزہ گھر کو بھی اپنے منتظر کی تباہ کاریوں کے اثرات سے پراگندہ کرنا بالکل نہیں بھولتیں، چنانچہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی اور نبی (ﷺ) کی محبوب بیوی کو قیامت سے پہلے ان کی قبر سے اٹھایا جائے گا[2]، کیوں کہ انھوں نے ۔شیعہ الزام تراشی کے مطابق۔ رسول اللہ (ﷺ) کی حیاتِ طیبہ میں حد کے موجب گناہ کا ارتکاب کیا تھا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان پر حد قائم نہ کی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ تو وہ ذات ستودہ صفات تھے، جنھوں نے فرمایا تھا:

''خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ، بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔''[3]

---

[1] الإرشاد (ص: ٤١١) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٣٨)

[2] یہ شیعہ کے عقیدۂ رجعت کے مطابق ہے، جس پر تفصیلی بحث اس موضوع کے بعد آئے گی۔

[3] صحیح البخاري، کتاب الأنبیاء (٤/ ١٥١) کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر أسامة بن زید (٤/ ٢١٤) و کتاب الحدود، باب کراھیة الشفاعة في الحد (٨/ ١٦) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع ید السارق (٢/ ١٣١٥) رقم الحدیث (١٦٨٨) سنن أبي داود، کتاب الحدود، باب في الحد یشفع فیه (٤/ ٥٣٧) رقم الحدیث (٤٣٧٣) سنن الترمذي، کتاب الحدود، باب ما جاء في کراھیة أن یشفع في الحدود (٤/ ٣٧۔ ٣٨) رقم الحدیث (١٤٣٠) سنن النسائي، کتاب قطع السارق، باب ذکر المخزومیة التي سرقت (٨/ ٧٢) سنن ابن ماجه، کتاب الحدود، باب الشفاعة والحدود (٢/ ٨٥١) رقم الحدیث (٢٥٤٧) سنن الدارمي، کتاب الحدود، باب الشفاعة في الحدود دون السلطان (١/ ٥٦٩) وغیرھا.

پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہ پر ترس آ گیا ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے:

﴿ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ [النور: ۲]

''اور تمھیں ان کے متعلق اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑے، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

حضورِ اکرم ﷺ نے تو، شیعہ کے بقول، ان پر حد قائم نہ کی، لیکن ان کا قائم اپنی مزعومہ[1] رجعت کے زمانے میں ان پر ضرور اس کا اطلاق کرے گا، جو مخلوقِ خدا میں سب سے افضل ہستی کے بس میں بھی نہ تھا!

اس کا یہ مطلب ہوا کہ قائم خاتم النبیین ﷺ سے بھی اعلیٰ ہے اور اللہ کے دین کو نافذ کرنے کی ان سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا تھا شیعہ کی روایات یہ بات کھلے لفظوں میں بیان کرتی ہیں۔ ابن بابویہ روایت کرتا ہے، ابوبصیر سے مروی ہے، اس نے کہا:

''ابوعبداللہ نے اس فرمانِ الٰہی: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ [التوبۃ: ۳۳] کے بارے میں کہا: خدا کی قسم! ابھی تک اس کی تاویل نازل نہیں ہوئی اور یہ اس وقت تک نازل نہیں ہوگی، جب تک قائم کا خروج نہ ہو جائے۔''[2]

یعنی قائم ان تمام امور کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا، جس سے انبیا بھی عاجز تھے۔ شیعہ کے عصرِ حاضر کے سب سے بڑے عالم خمینی نے بھی صاف صاف لفظوں میں یہ بات کہی ہے اور تمام عالمِ اسلام نے اس کی مذمت کی ہے، اس کا تذکرہ ''معاصر شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق'' کے ضمن میں ہوگا۔

---

[1] ابوجعفر کی طرف منسوب یہ داستان بیان کرتی ہے: ''اگر ہمارا قائم ظاہر ہوگیا تو حمیراء (یہ حمراء کی تصغیر ہے، جو حضرت عائشہ صدیقہ کا لقب تھا) کو زندہ کیا جائے گا، حتی کہ وہ اس پر حد کے کوڑے لگائے گا اور محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ کا بھی اس سے انتقام لے گا۔'' میں نے کہا: حد کے کوڑے کیوں لگائے گا؟ انھوں نے کہا: ''اس نے ام ابراہیم پر بہتان لگایا تھا۔'' میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے یہ کام قائم تک کیوں موخر کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے اور قائم کو انتقام'' (علل الشرائع، ص: ۵۷۹، ۵۸۰، بحار الأنوار: ۵۲/ ۳۱۴۔ ۳۱۵)

اس پر شیعہ کے معاصر عالم نے تبصرہ کرتے ہوئے ایک روایت پیش کی ہے، جو اس خود ساختہ الزام کی وضاحت کرتی ہے کہ، ان کے افترا کے مطابق، حضرت عائشہ نے کہا: ''ابراہیم آپ ﷺ کا بیٹا نہیں، یہ فلاں قبطی کا بیٹا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو ان کو رجم کرنے کی ذمے داری سونپی، لیکن حضرت علی نے ان کو بے قصور پایا۔'' (بحار الأنوار: ۵۲/ ۳۱۵، حاشیہ)

[2] إکمال الدین (ص: ٦٢٨) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٢٤)

شیعہ کا دعویٰ ہے کہ قائم کے پاس انبیا سے کئی گنا زیادہ علم ہے۔ "بحار الأنوار" وغیرہ میں تو یہاں تک ذکر ہوا ہے:

"ابان، ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا: علم ستائیس حروف ہیں۔ تمام انبیا جو علم لے کر آئے ہیں وہ صرف دو حروف ہیں، آج تک لوگ دو حرفوں سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ جب ہمارے قائم کا ظہور اور قیام ہوگا تو وہ پچیس حروف نکالے گا، انھیں لوگوں میں پھیلا دے گا اور ان کے ساتھ ان دو حروف کو بھی ضم کر کے مکمل ستائیس حروف کو پھیلا دے گا۔"[1]

شیعہ کے مہدی کے ہاتھوں برپا ہونے والی وہ خوفناک خونی تباہی جس کے اثنا عشریہ خواب دیکھتے ہیں، وہ ان کے گروہ کے سوا تقریباً تمام انسانی اجناس اور گروہوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی:

"شیعہ کا قائم اپنے کندھے پر تلوار لٹکائے غصے اور تاسف میں پیچ و تاب کھاتا ہوا نکلے گا۔"[2] پھر قتل کرنا شروع کر دے گا اور اہلِ سنت کے جسموں کو کاٹتا چلا جائے گا، جن کو شیعہ کی روایات کبھی مرجیہ کے لقب سے[3] ذکر کرتی ہیں۔ ان کے امام نے یہاں تک کہا ہے: ان مرجیہ کے لیے ہلاکت ہو، کل جب ہمارا قائم ظاہر ہوگا، تب یہ کس کے پاس پناہ ڈھونڈیں گے؟"[4]

انھوں نے اس سے صرف اس کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، جو توبہ کرے گا، یعنی ان کے مذہب میں داخل ہوجائے گا۔ وہ کہتا ہے:

"جس نے توبہ کی، اللہ بھی اس پر مہربانی کرے گا، لیکن جس نے منافقت چھپائی، تو اللہ دوسرے کو اس سے دور نہیں کرے گا اور جس نے کسی چیز کا اظہار کیا تو اللہ اس کا خون جلا دے گا، پھر اس نے کہا: وہ ان کو ذبح کر دے گا، خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جس طرح قصاب بکری ذبح کرتا ہے اور اس نے حلق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔"[5]

---

[1] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٣٦)

[2] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٦١)

[3] شیعہ عالم طریحی کہتا ہے کہ ان کا نام مرجئہ رکھا ہے، کیوں کہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نصبِ امام کو موخر کر دیا تھا، تاکہ اسے وفاتِ نبوی کے بعد امت کی مرضی سے اختیار کیا جا سکے۔ (مجمع البحرین: ١/ ١٧٧۔ ١٧٨، نیز دیکھیں: مرآة العقول: ٤/ ٣٧١)

[4] الغیبة للنعماني (ص: ١٩٠) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٧)

[5] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٧) الغيبة للنعماني (ص: ١٩٠۔ ١٩١)

یہ روایت کسی وقت ان کو نواصب کے نام سے پکارتی اور کہتی ہیں:

''جب قائم کا ظہور ہوجائے گا تو وہ ہر ناصبی کو اس کے سامنے پیش کریں گے، اگر وہ اسلام کا اقرار کرے، جو ولایت ہے تو ٹھیک، وگرنہ اس کی گردن اڑا دی جائے گی، یا وہ جزیے کا اقرار کرے اور جس طرح ذمی جزیہ ادا کرتے ہیں، اسی طرح جزیہ ادا کرے۔''[1]

لیکن شیعہ کی بعض روایات کہتی ہیں کہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، جس طرح ذمیوں سے قبول کیا جاتا ہے۔ شیعہ کے امام سے قائم کی سلطنت میں اہلِ ذمہ کی پوزیشن کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا:

''وہ ان سے اسی طرح مصالحت کرے گا، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کی تھی اور وہ ذلت کے عالم میں جزیہ ادا کریں گے۔''[2]

لیکن ان کے علاوہ جو رافضہ کے مخالف ہوں گے تو ان کے بارے میں اس نے کہا:

''ہمارے مخالف کا ہماری ریاست میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ہمارے قائم کے قیام کے وقت ہمارے لیے ان کا خون بہانا حلال کر دیا ہے۔''[3]

بلکہ ان کا قائم زیدی شیعہ کو بھی، غالیوں کے سوا، چن چن کر قتل کرے گا، شیعہ کی ایک روایت کہتی ہے:

''جب قائم کا ظہور ہوگا تو وہ کوفہ جائے گا، اس سے کئی ہزار افراد اسلحہ لیے نکلیں گے، جو تبریہ[4] فرقے سے ہوں گے، وہ اس سے کہیں گے: جہاں سے آئے ہو، وہیں چلے جاؤ، ہمیں بنی فاطمہ کی کوئی ضرورت نہیں، تو وہ ان کے آخری آدمی تک ہر ایک کو تلوار کی نوک پر موت کے گھاٹ اتار دے گا۔''[5]

بلکہ وہ بے گناہوں کو بھی قتل کر دے گا۔ شیعہ روایات کہتی ہیں:

---

[1] تفسیر فرات (ص: ۱۰۰) بحار الأنوار (۵۲/ ۳۷۳) اس روایت میں یہ بات کہ وہ جزیہ دینا قبول کرے گا، شیعہ کی دوسری روایات کے منافی ہے، جو کہتی ہیں کہ امام منتظر جزیہ نہیں قبول کریں گے، جیسا کہ اس سلسلے میں بعض شیعہ روایات کا ذکر گزر چکا ہے۔

[2] بحار الأنوار (۵۲/ ۳۷۶)

[3] المصدر السابق.

[4] بتریہ فرقہ حسن بن صالح بن حی اور کثیر النوی کے اصحاب اور اَتباع ہیں، کثیر ''ابتر'' کے لقب سے جانا جاتا تھا، ان کو حسن بن صالح کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''صالحیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اشعری کے قول کے مطابق ان کے مذہب میں قیامت سے پہلے مردوں کی واپسی کا کوئی تصور ہے نہ یہ حضرت علی کی امامت کے، اس وقت کے علاوہ جب ان کی بیعت کی گئی، قائل ہیں۔ یہ زیدیہ کا ایک فرقہ ہے۔ (دیکھیں: مقالات الإسلامیین: ۱/ ۱٤٤، الملل والنحل: ۱/ ۱٦۱، الخطط: ۲/ ۳۵۲)

[5] الإرشاد (ص: ٤۱۱۔ ٤۱۲) بحار الأنوار (۵۲/ ۳۳۸)

''جب قائم نکلے گا تو وہ حسین کے قاتلوں کی اولاد کو ان کے باپوں کے جرم میں قتل کر دے گا۔''[1]
''اسی طرح ان کے قائم کو قتل کے سوا کوئی اور کام نہیں ہوگا اور وہ کسی کو نہیں چھوڑے گا۔''[2] ''وہ کسی سے توبہ نہیں کروائے گا۔''[3]

شیعہ کی بعض روایات اس خونی کھیل کی ہولنا کی اور پھیلاؤ کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''اگر لوگوں کو علم ہو جائے کہ قائم کا جب ظہور ہوگا تو وہ کیا کرے گا اور کس قدر لوگوں کا قتلِ عام کرے گا تو اکثریت اس کو دیکھنا پسند نہ کرے...اور اکثر لوگ یہ کہنا شروع کر دیں کہ یہ آلِ محمد سے تعلق نہیں رکھنا، اگر اس کا آلِ محمد سے کوئی تعلق ہوتا تو یہ رحم کرتا۔''[4]

یہ قول قائم کو اس رحمت و عدل کی فطرت سے خروج کا الزام دیتا ہے، جو آلِ بیت کا خاصا تھا، بلکہ وہ سنتِ مصطفیٰ سے بھی خارج ہوجائے گا۔ شیعہ اس بات کا کھلے لفظوں میں اظہار کرتے ہیں باقر سے، شیعہ کے دعوے کے مطابق، پوچھا گیا:

''کیا قائم سیرتِ محمد ﷺ پر چلے گا؟ اس نے کہا: بہت دوری ہے! رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے ساتھ نرم برتاؤ کرتے تھے، آپ لوگوں کے درمیان الف ڈالتے، لیکن قائم کو قتل کی سنت پر چلنے کا حکم دیا جائے گا، وہ کسی سے توبہ نہیں کروائے گا۔ جو اس کی مخالفت کرے گا، اس کے لیے ہلاکت ہے۔''[5]

چنانچہ شیعہ یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ اس کو سیرتِ رسول کی مخالف راہ پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے، جب کہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ہر وہ کام جو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے خلاف ہو، اس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، تو کیا اس کو اسلام کے پیغام کے علاوہ کوئی دوسرا پیغام دے کر مبعوث کیا جائے گا؟!

اس کو کس طرح رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی مخالفت کا حکم دیا جائے گا؟ کیا وہ نبی ہوگا، جس پر نئے سرے سے وحی نازل کی جائے گی؟! حالاں کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد کوئی نبی ہے نہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد کوئی وحی ہی، ہر وہ شخص جو اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے، وہ افترا پرداز اور دجال ہے، کیوں کہ وہ ان قطعی آیات واحادیث اور اجماعِ امت کا منکر ومخالف ہے، جو سید المرسلین ﷺ کی وفات کے ساتھ وحی اور نبوت کے

[1] علل الشرائع (ص: ٢٢٩) عيون أخبار الرضا (١/ ٢٧٣) بحار الأنوار (٥٢/ ٣١٣)
[2] بحار الأنوار (٥٢/ ٢٣١)
[3] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤٩) ایک روایت میں ہے کہ وہ کسی کو نائب نہیں بنائے گا۔
[4] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٤) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٤)
[5] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٣) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٣)

انقطاع پر دلالت کرتا ہے۔

لیکن یہ روایات ان کے وضع کرنے والوں کے دلوں میں لوگوں کے خلاف بالخصوص امت اسلامیہ کے خلاف، جو ان کے مسلک کی مخالف ہے، پنپنے والی نفرت اور حسد کی صورت گری کرتی ہیں۔ وہ یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ دن بہت جلد طلوع ہونے والا ہے، جس میں وہ اپنے خوابوں کو تعبیر دیں گے۔ ان خوابوں کی حقیقت یہ روایات بیان کرتی ہیں، نیز عہدِ صفوی، مملکتِ آیات اور لبنان میں ان کی تنظیمیں عملی طور پر ان خوابوں کی ترجمانی کرتی ہیں، جس کا ''عالمِ اسلام میں شیعہ اثرات'' کے باب میں ذکر ہوگا۔

یہ ہر کسی کو معلوم ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ، جن کے شیعہ ہونے کے یہ دعوے دار ہیں، انھوں نے بھی اپنے مخالفین کو کافر قرار نہیں دیا اور صرف ان ہی سے لڑائی لڑی، جنھوں نے ان کے خلاف بغاوت کی تھی، لیکن ان کا قائم، جو یہ اس طرح کے کام کرے گا اور جو اس کے منہج پر چلے گا، یہ شیعانِ علی سے نہیں۔

انھوں نے اپنی روایات میں یہ اقرار کیا ہے کہ ان کا قائم سیرتِ علی کو بھی نہیں اپنائے گا۔ صادق سے پوچھا گیا:

''کیا قائم سیرتِ علی کے خلاف چلے گا؟ اس نے کہا: ہاں، حضرت علی جانتے تھے کہ ان کے بعد ان کے شیعہ مغلوب ہوجائیں گے، اس لیے انھوں نے احسان اور صبر (اور ہاتھ روکے رکھنے) کی راہ اپنائی، لیکن قائم تلوار اور قیدی بنانے کی راہ پر چلے گا، کیوں کہ اس کو علم ہے کہ اس کے بعد اس کے شیعہ پر کوئی غالب نہیں آسکے گا۔''[1]

شیعہ کا امام صادق بعض شیعہ سے مخاطب ہوکر کہتا ہے:

''تمھاری اس وقت کیا حالت ہوگی، جب تم دیکھو گے کہ قائم کے ساتھی کوفہ کی مسجد میں اپنے خیمے لگا لیں گے، پھر وہ ایک نئی چیز نکالے گا، جو عرب پر بڑی سخت ہوگی؟

راوی کہتا ہے: میں نے کہا: وہ کیا ہوگا؟ اس نے کہا: وہ ذبح ہوگا، میں نے کہا: وہ ان کے ساتھ کیا رویہ اپنائے گا، اس طرح تو نہیں چلے گا، جس طرح حضرت علی اہلِ سواد (عراق کے گرد و نواح) کے ساتھ چلے؟ اس نے کہا: نہیں، حضرت علی جفر ابیض کے مطابق چلتے رہے، جس میں ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا، ان کو علم تھا کہ ان کے بعد ان کے شیعہ مغلوب ہوجائیں گے، لیکن قائم جفر احمر کے مطابق چلے گا، جس میں ذبح کا حکم ہے، اس کو علم ہوگا کہ اس کے شیعہ پر کوئی غالب نہیں آئے گا۔''[2]

---

[1] الغيبة للعنماني (ص: ١٥٣) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٥٣)

[2] بحار الأنوار (٥٢/ ٣١٨) مجلسی کی صراحت کے مطابق یہ روایت "بصائر الدرجات" میں ہے۔

اس طرح یہ مزعوم ''نیا حکم، نئی کتاب، نئی سنت اور نیا نظامِ عدل لے کر آئے گا۔''[1]

یہ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے کافی ہے کہ شیعہ جو خواب دیکھتے ہیں، اس کی کتاب و سنت میں کوئی بنیاد نہیں، بلکہ یہ ایک نئی بدعت ہے، جس کو ان کا قائم لے کر آئے گا۔ لوگ قائم کے زمانے میں خون اور نعشوں کے درمیان جیئیں گے، ان پر شیعہ کے قائم کا خوف اور رعب مسلط ہوگا، جس کو انتقام لینے کے لیے مبعوث کیا جائے گا، جس طرح محمد ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔[2]

دوسری طرف قائم کا لشکر اور اس کے ساتھی ایک دوسری زندگی سے لطف اندوز ہوں گے، جو رنگ رنگ کی نعمتوں اور طرح طرح کی خوشیوں سے لبریز ہوگی۔ وہ ان کو ان کے سفر میں یہ حکم دے گا کہ وہ اپنے ساتھ کھانے پینے کی اشیا اور جانوروں کا چارہ نہ لیں، وہ اور ان کے جانور سب کھائیں پئیں گے، حتی کہ وہ کوفہ کی پیٹھ نجف میں جا ٹھہریں گے۔[3]

اس طرح وہ جس منزل پر بھی ٹھہریں گے، وہاں چشمے پھوٹ پڑیں گے، جو بھوکا ہوگا، سیر ہو جائے گا اور جو پیاسا ہوگا، سیراب ہو جائے گا۔[4] جب اس کا ظہور ہوگا تو زمین کے پیٹ اور پشت سے خزانے نکل کر اس کے پاس جمع ہو جائیں گے، وہ اپنے ساتھیوں کو اتنا دے گا، جتنا اس سے پہلے کسی نے کسی کو نہیں دیا ہوگا، اس کے ہاتھوں رزق دوگنا ہو جائے گا، اس کو ایک مہینے میں دو رزق عطا ہوں گے اور سال میں دو عطائیں ملیں گی۔[5] حتی کہ شیعہ کا ہر فرد اپنے درہم و دینار کو خرچ کرنے کے لیے جگہ نہیں پائے گا۔[6]

یہ روایات ان خواہشات اور آرزوؤں کی ترجمانی کرتی ہیں، جو شیعہ کے دلوں میں اس پر امید کل کے متعلق اٹھکیلیاں کرتی تھیں، نیز یہ اس مادی رجحان کی بھی تصویر کشی کرتی ہیں، جس میں یہ یہودیوں کے شریک ہیں، جو دنیا میں مارکس کے افکار کے مطابق اشتراکی نظام قائم کرنے کا خواب ہے۔ قائم کے لشکر اور ساتھیوں کے بارے میں مزید گفتگو آیندہ صفحات پر ہوگی، جو اس کے ذبح خوانوں میں اس کے شریک کار ہوں گے اور اس کی جنت میں ٹھہریں گے اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

---

[1] المصدر السابق (٥٢/ ٢٣١)

[2] کلینی اپنی کتاب کافی میں روایت کرتا ہے کہ اللہ نے محمد ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے اور قائم کو انتقام بنا کر بھیجے گا۔ (بحار الأنوار: ٥٢/ ٣٧٦) مجلسی نے یہ روایت کافی (کتاب الروضة، ص: ٢٣٣) کی طرف منسوب کی ہے۔

[3] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٨)

[4] المصدر السابق.

[5] الغيبة للنعماني (ص: ١٥٨)

[6] المصدر السابق (ص: ٧٢)

ج۔ قائم کا لشکر:

شیعہ کی بعض روایات ذکر کرتی ہیں کہ قائم کا لشکر عجمیوں اور موالی پر مشتمل ہوگا، ان کی تعداد بارہ ہزار ہوگی، قائم ان کو اپنی طرف سے اسلحہ دے گا، جو تلوار اور دو چہروں والے خود سے عبارت ہوگا، پھر وہ ان سے کہے گا:

''جس کے اوپر تمھاری جیسی چیزیں نہیں، اس کو قتل کر دو۔''[1]

نعمانی کی روایت ذکر کرتی ہے:

''قائم کے ساتھی ۳۱۳ آدمی ہوں گے، جو عجمیوں کی اولاد ہوں گے۔''[2]

لیکن بحار الانوار کی روایت کہتی ہے:

''جب قائم آلِ محمد (ﷺ) کا ظہور ہوگا تو وہ کعبہ کی پشت سے ستائیس آدمی نکالے گا، پچیس قومِ موسیٰ سے ہوں گے، جو حق کے ساتھ فیصلہ کریں گے اور اس کے ساتھ عدل کریں گے۔ سات اصحابِ کہف سے نکالے گا اور موسیٰ کے وصی یوشع بن نون، مومن آلِ فرعون، سلمان فارسی، ابو دجانہ انصاری اور مالک بن اشتر کو بھی نکالے گا۔''[3]

اس عبارت کے اس مجموعے میں یہودی عنصر کا غلغلہ واضح نظر آرہا ہے، جس نے شیعیت کا دین وضع کیا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شیعیت مختلف عناصر کے مجموعے سے مرکب ہے۔ ہر کوئی اپنی خواہشِ نفس، اپنی عنصریت اور نسل پرستی کے تقاضوں کے مطابق جو چاہتا ہے، بنا لیتا ہے۔ عجم اپنے مفاد کے لیے روایات وضع کرتے ہیں تو یہود اپنے مقصد کی خاطر، لیکن اثنا عشری انسائیکلو پیڈیاز نے تمام کو بلا امتیاز بالاستیعاب جمع کر لیا ہے۔

شیعہ کی بعض طویل روایات میں اس کے لشکریوں کا ایک ایک کر کے نام، قبیلے اور پیشے کے اعتبار سے تفصیلی ذکر ہوا ہے، مثلاً:

---

[1] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٧٧)

[2] الغيبة للنعماني (ص: ٢١٤)

[3] بحار الأنوار (٥٢/ ٣٤٦) اس کتاب کی تحقیقی کمیٹی نے اس روایت پر کوئی نقد وتبصرہ نہیں کیا، حالاں کہ پہلے اس نے مجموعی تعداد ۲۷ ذکر کی ہے، لیکن جب تفصیل بیان کی تو یہ تعداد ۳۷ ہوگئی۔ البتہ تفسیر عیاشی (١/ ٣٢) میں ہے کہ قومِ موسیٰ سے پندرہ آدمی ہوں گے۔ اس طرح یہ تعداد درست ہو جاتی ہے، لیکن تفسیر برهان (٢/ ٤١) میں عبارت کی اصلاح کے لیے واؤ کا اضافہ کر دیا ہے کہ ''سبعة و عشرين رجلا ''و'' خمسة و عشرين من قوم موسیٰ''، لیکن واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں واؤ زائدہ ہے۔

''اہلِ شام سے ابراہیم بن صباح اور یوسف بن جریا (صریا)[1] نامی دو آدمی ہوں گے۔ یوسف عطار اہلِ دمشق سے ہوگا اور ابراہیم قصاب صویقا نامی بستی سے۔''

''اسی سیاق وسباق میں اس نے ان کا ذکر کیا ہے اور ۳۱۳ تک ان کی تعداد ذکر کی ہے، تاکہ اہلِ بدر کی تعداد کے برابر ان کی تعداد ہو جائے۔''[2]

اور وہ یہ کہتے ہو:

''اہلِ بدر اور تمام صحابہ کے بارے میں اپنے فرقے کا رسوا کن موقف بھول گیا ہے۔''

آپ جب یہ نام پڑھتے ہیں تو آپ کے چہرے پر خواہ مخواہ مسکراہٹ آ جاتی ہے۔ آپ اس میں کذب بیانی میں تکلف اور اس کو چھپانے کی احمقانہ کوششوں کو بالکل واضح محسوس کریں گے۔ اس کذب بیانی پر یہ جسارت اور گھٹیا سوچ ہی پر بس نہیں، اس سے بھی عجیب تر تو یہ بات ہے کہ عصرِ حاضر کے شیعہ اس عار اور شرمندگی کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے اور اس کی تحقیق و طباعت سے کوئی شرم کیوں محسوس نہیں کرتے!!

یا یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جعل سازی کو بے نقاب کرنے اور ان کو رسوا کرنے کا ارادہ کیا ہو!!

شیعہ اور ان کے مہدی کی پوشیدگی:

غیبوبت (پوشیدگی) کے سائے میں، جس کا شیعہ گیارہ سو سالوں سے دم بھر رہے ہیں، شیعہ علما نے، منتظر کی نیابت کی حیثیت سے جملہ احکامِ دین پر عمل کرنا موقوف کر دیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے ایسے نئے احکام بھی نکال لیے ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے قطعاً اجازت نہیں دی۔ شیعہ نے منتظر کی پوشیدگی کی وجہ سے نمازِ جمعہ ادا کرنے کو روک دیا ہے، اسی طرح انھوں نے مسلمانوں کا امام مقرر کرنے سے بھی منع کر دیا ہے۔ شیعہ کا کہنا ہے:

''جمعہ اور حکومت امامِ مسلمین کا کام ہے۔''[3] اور امام یہ منتظر ہے۔

اس لیے آج تک شیعہ کی اکثریت نمازِ جمعہ ادا نہیں کرتی[4]، ان کے بعض متاخر علما نے تو یہاں تک کہا ہے:

---

[1] اصل کتاب میں اسی طرح ہے۔ بہ ظاہر یہ محقق کتاب کے الفاظ معلوم ہوتے ہیں۔

[2] دیکھیں: البحراني: الحجة (ص: ٤٦) محقق نے ''دلائل الإمامة'' (ص: ٣١٤) کا حوالہ بھی دیا ہے۔

[3] مفتاح الكرامة: كتاب الصلاة (٢/ ٦٩)

[4] کاظم کفائی، جو ایک معاصر شیعہ عالم ہے، کہتا ہے: ''عراق میں اب شیعہ، مسجد صفوی میں، کاظمی کے صحن میں شیخ خالصی کے سوا کہیں جمعہ نہیں پڑھتے (اس نے یہ بات اپنے ہاتھ سے ڈاکٹر علی سالوس کے لیے لکھی، جس کو اس نے اپنی کتاب ''فقه الشيعة'' (ص: ٢٤٦) میں شائع کیا ہے) کویت میں شیخ ابراہیم جمال الدین کے سوا کوئی جمعہ نہیں پڑھاتا، جو وہاں اخباریوں کا مرجع تقلید ہے۔ (السالوس: فقه الشيعة، ص: ٢٠٣) جب بعض شیعہ افراد نے اپنے ایک بڑے عالم محسن حکیم سے نمازِ جمعہ ←

''شیعہ ائمہ کے زمانے ہی سے جمعہ ترک کرتے آئے ہیں۔''[1]

اسی طرح شیعہ قائم منتظر کے علاوہ کسی کی شرعی بیعت کے بھی قائل نہیں، اس لیے وہ ہر روز اس کے لیے بیعت کی تجدید کرتے ہیں، ان کی ایک دعا ہے، جس کا نام ہے: ''دعاء العهد''، اس کے الفاظ ہیں:

''اللهم إني أجدد له في صبيحة يومي هذا، وما عشت من أيامي عهداً أو عقداً أو بيعة له في عنقي لا أحول عنها ولا أزول أبداً''[2]

''اے اللہ! میں اس دن کی صبح اور جتنے دن میں زندہ رہوں، اپنی گردن میں اس کے عہد، عقد یا بیعت کی تجدید کرتا ہوں، میں اس سے کبھی نہیں پھروں گا۔''

ایک دوسری روزانہ کی دعا بھی غائب منتظر کی بیعت کے اقرار پر مشتمل ہے، جس کے یہ الفاظ ہیں:

''اللهم هذه بيعة له في عنقي إلى يوم القيامة''[3]

''اے اللہ! یہ قیامت تک میری گردن میں اس کی بیعت کی رسی ہے۔''

مجلسی کہتا ہے:

''...وہ اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر بیعت کی تالی کی طرح تالی مارے۔''[4]

اسی طرح شیعہ کے لیے مسلمان حکمران کی معیت میں جہاد کرنا بھی منع ہے، کیوں کہ امام کی معیت کے سوا جہاد نہیں۔ کافی وغیرہ میں ابوعبداللہ سے منقول ہے کہ اس نے کہا:

''اس امام کی معیت میں قتال کرنا، جس کی اطاعت فرض نہیں کی گئی، مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کے حرام ہونے کی طرح حرام ہے۔''[5]

وہ امام جس کی مسلمانوں پر اطاعت ۲۶۰ھ سے لے کر آج تک فرض ہے، وہ ان کا کمین گاہ میں چھپا

← کے لیے امام کی شرط لگانے کی دلیل طلب کی تو اس کا یہ جواب تھا کہ اس سے یہ سوال نہ کیا جائے۔ اسی طرح شیعہ کے بعض علما نمازِ جمعہ کے وجوب کے تو قائل ہیں، لیکن اس کو ادا نہیں کرتے۔ دیکھیں: محمد عبدالله الرضا أسدي: نص الكتاب و متواتر الأخبار على وجوب الجمعة في جميع الأعصار (ص: ٢٤، ٢٧ـ ٢٨)

[1] البهباني في تعليقه على المدارك. دیکھیں: الخالي في كتابه الجمعة (ص: ١٣١)

[2] عباس القمي: مفتاح الجنان (ص: ٥٣٨)

[3] عباس القمي: مفتاح الجنان (ص: ٥٣٨)

[4] بحار الأنوار (١٠٢/ ١١١) نیز دیکھیں: مفتاح الجنان (ص: ٥٣٨ـ ٥٣٩)

[5] فروع الكافي (١/ ٣٣٤) تهذيب الأحكام (٢/ ٤٥) وسائل الشيعة (١١/ ٣٢)

ہوا امام منتظر ہے۔ ۲۶۰ھ سے پہلے تک ان کے باقی ماندہ بارہ امام تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور باقی خلفا کی معیت میں جہاد ایسے ہی حرام ہے، جیسے مردار اور خون حرام ہے!!

اسلام کے وہ لشکر جو سرحدوں پر پہرہ دیتے ہیں، اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، زمین میں کوئی دنگا فساد نہیں مچاتے، جنھوں نے ایرانی علاقے فتح کیے، وہ تمام لوگ شیعہ کے اعتقاد میں محض قاتل و مقتول ہیں، ان کے لیے ہلاکت ہے اور وہ جلد اپنے ٹھکانوں تک پہنچیں گے۔

شیعہ کا شیخ طوسی تہذیب میں روایت ذکر کرتا ہے کہ عبداللہ بن سنان سے مروی ہے، اس نے کہا:

''میں نے ابوعبداللہ سے کہا: ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، جو ان سرحدوں پر لڑتے ہیں یا مارے جاتے ہیں؟ اس نے کہا: ان کے لیے ہلاکت ہے، یہ دنیا میں جلد اپنے انجام کو پہنچ گئے ہیں، آخرت میں بھی قاتل و مقتول ہی ہوں گے۔ خدا کی قسم! شہید صرف ہمارے شیعہ ہیں، چاہے وہ اپنے بستروں ہی پر مریں۔''[1]

لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ شیعہ کے نزدیک تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کا جہاد باطل ہے، جس کا کوئی اجر و ثواب نہیں ہوگا، بلکہ وہ مسلمان مجاہدین کو قاتل کہہ کر پکارتے ہیں، اللہ نے جو مجاہد اور شہید کا لقب دے کر ان کو عزت بخشی ہے، وہ اس کو ان سے جدا کرتے ہیں۔

تو کیا کوئی تعصب و ہویٰ سے خالی صاحبِ عقل اس میں کوئی شک کرے گا کہ اس نظریے کا واضع کھلا دشمن اور حاسد زندیق ہے، جو امت کو تباہی سے دو چار کرنے کی سازشیں سوچتا ہے، اس کے لیے ناکامی کا خواہاں ہے، اسے یہ قطعاً پسند نہیں کہ یہ امت اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والی رہے، جو اللہ کے دین اور دیارِ اسلام کی حفاظت کی خاطر اللہ کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ اس نظریے کو پھیلانے کے لیے سازش اس حد تک جا پہنچی ہے کہ انھوں نے اس بات کو جعفر صادق اور دیگر آلِ بیت کی طرف منسوب کر دیا ہے، تاکہ یہ ایک طرف تو جاہل پیروکاروں میں جلد رواج پکڑ جائے اور دوسری طرف آلِ بیت رسول کو بھی رسوا کر دیا جائے!

اسی طرح شیعہ نے اپنے امام کے غائب ہونے کی وجہ سے سلطنتِ اسلام میں حدود کے نفاذ سے بھی صریح الفاظ میں روک دیا ہے، کیوں کہ ان کے بقول حدود کا کام، منصوص علیہ (متعین) امام کے سپرد کیا گیا ہے، ان کے زعم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے صرف بارہ امام متعین کیے ہیں، جن میں سے آخری امام تقریباً تیسری صدی کے نصف سے غائب ہے، لہٰذا حدود کے نفاذ کے لیے اس کی واپسی کا انتظار ضروری ہے، لیکن اس تفویض کے

---

[1] التهذيب (٢/ ٤٢) وسائل الشيعة (١١/ ٢١)

مطابق، جس کو اس نے غائب ہونے کے تقریباً ستر سال بعد شیعہ علما کے لیے جاری کیا، تمام مسلمان قاضیوں کو چھوڑ کر صرف شیعہ عالم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حد نافذ کرے۔

اگر عالمِ اسلام کے کسی علاقے میں بھی کوئی شیعہ عالم موجود نہ ہو تو پھر حدود نافذ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ کام صرف منتظر کر سکتا ہے یا اس کے نائب شیعہ مراجع اور آیات۔ ابن بابویہ وغیرہ بیان کرتے ہیں:

''حفص بن غیاث سے مروی ہے، اس نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا: حدود کون نافذ کرے گا، سلطان یا قاضی؟ اس نے کہا: حدود قائم کرنا اس کا کام ہے، جس کا کام حکمرانی کرنا ہے۔''[1]

مفید کہتا ہے:

''حدود قائم کرنا اسلام کے سلطان کے ہاتھ میں ہے، جو اللہ کی طرف سے متعین و منصوب ہو اور وہ آلِ محمد سے ائمہ ہدیٰ ہیں یا جن امرا یا حکام کو وہ متعین کریں، انھوں نے اس میں غور و فکر کرنا اگر امکان ہو تو شیعہ فقہا کے سپرد کیا ہے۔''[2]

شیعہ روایات مسلمان عدالتوں اور مسلمان قاضیوں سے رجوع کرنے سے خبردار اور منع کرتی ہیں۔ یہ روایات کہتی ہیں:

''جو حق یا باطل کسی بھی معاملے میں ان سے فیصلہ لینے کے لیے رجوع کرے تو اس نے طاغوت کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کیا۔ جو ان کے فیصلے نتیجے میں کچھ لے گا تو وہ حرام لے گا، خواہ وہ اس کا ثابت شدہ حق ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ اس نے اسے طاغوت کے فیصلے کے نتیجے میں لیا ہے۔''[3]

یہ وہ جملہ اسلام کی شریعتیں اور احکام ہیں، جنھیں شیعہ نے اپنے مہدی کی پوشیدگی کے سبب حرام قرار دے دیا ہے اور ان پر اس کے خروج تک عمل کرنا موقوف کر دیا ہے۔

اسی طرح انھوں نے پوشیدگی کے زمانے میں اپنے لیے ایسے احکام اختراع کر لیے ہیں، جن کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بالکل اجازت نہیں دی، انھی مسائل میں ایک تقیے کے مسئلہ ہے، جو اسلام میں ضرورت کے وقت ایک عارضی رخصت ہے، اس کو انھوں نے پوشیدگی کے زمانے میں حتمی، لازمی اور دائمی قرار دے دیا ہے، جس سے اس وقت تک خروج جائز نہیں، جب تک ان کے مہدی کا خروج نہیں ہو جاتا، جو کبھی نہیں آئے گا، کیوں کہ وہ پیدا ہی

---

[1] ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (٤/ ٥١) تهذيب الأحكام (١٠/ ١٥٥) وسائل الشيعة (١٨/ ٣٣٨)

[2] المقنعة (ص: ١٣٠) وسائل الشيعة (١٨/ ٣٣٨)

[3] فروع الكافي (٧/ ٤١٢) التهذيب (٦/ ٢١٨) وسائل الشيعة (١٨/ ٤)

نہیں ہوا، جس طرح تاریخ دان، علمِ انساب کے ماہرین اور خود شیعہ کے بہت سارے فرقے بھی قطعیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، نیز جس نے منتظر کی واپسی سے پہلے تقیہ ترک کر دیا تو وہ ایسا ہی ہے، جس نے نماز ترک کر دی۔[1]

اسی طرح انھوں نے یہ بھی مقرر کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں شہادت محض شیعہ مذہب اختیار کرنے اور منتظر غائب کی واپسی کا انتظار کرنے ہی سے حاصل ہو جاتی ہے، یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا شیعہ اگر اپنے بستر پر بھی مر جائے تب بھی وہ شہید ہی ہے۔

شیعہ کا امام کہتا ہے:

''اگر ہمارے قائم کے خروج سے پہلے تم میں کوئی مرنے والا مر جائے تو وہ شہید ہے اور جس نے ہمارے قائم کو پا لیا اور اس کے ساتھ مل کر لڑائی لڑی تو اس کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا...۔''[2]

شیعہ کے شیخ بحرانی نے اپنی کتاب ''المعالم الزلفیٰ'' میں یہ باب باندھا ہے:

''باب ۵۹: اس بیان میں کہ آلِ محمد کے شیعہ اگر اپنے بستروں پر مریں تب بھی وہ شہید ہی ہیں۔''[3]

اس باب میں اس نے اپنی جملہ روایات ذکر کی ہیں۔ اس کے بعد ان کی مبالغہ آرائیاں، حسبِ عادت، اسی مقدار پر اکتفا نہیں کرتیں، ابن بابویہ اپنی سند کے ساتھ علی بن حسین سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''جو ہمارے قائم کی پوشیدگی میں ہماری موالات اور دوستی پر ثابت قدم رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو شہداے بدر اور اُحد کے ایک ہزار شہید کے برابر اجر عطا کرے گا۔''[4]

غائب منتظر کی بیعت کی فرضیت بھی ان کے ایسے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک ائمہ کی قبروں کی زیارت کی دعاؤں میں بار بار تجدیدِ بیعت مشروع قرار دی گئی ہے، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے، کیوں کہ اس امت کے جس مرد نے بھی اس عالم میں صبح کی کہ اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ظاہر[5] اور عادل کوئی امام نہ ہو، اس نے گمراہی اور گم گشتگی کی حالت میں صبح کی۔ اگر وہ اسی حالت پر مر گیا، تو وہ کفر و نفاق کی موت مرے گا۔[6]

---

[1] دیکھیں: تقیہ کا مبحث۔

[2] بحار الأنوار (۵۲/ ۱۲۳) یہ طوسی کی امالی میں مروی ہے۔ (دیکھیں: المصدر السابق: ۵۲/ ۱۲۲۔ ۱۲۳)

[3] المعالم الزلفی في بیان أحوال النشأة الأولی والأخریٰ (ص: ۱۰۱)

[4] إكمال الدين (ص: ۳۱۵) بحار الأنوار (۵۲/ ۱۲۵)

[5] یہ کلمہ تاکیدی طور پر بیان کرتا ہے کہ ان کا چھپا ہوا امام، امام نہیں، کیوں کہ وہ ظاہر نہیں۔

[6] أصول الكافي (۱/ ۳۷۵)

اس غیبوبت اور پوشیدگی کے سائے میں انھوں نے جو ایک بہت بڑا نظریہ ایجاد کر لیا ہے، وہ شیعہ فقیہ کا امامِ زمانہ (منتظر غائب) کی نیابت کا نظریہ ہے۔ شیعہ فقیہ نے نیابت کے نام پر بہت زیادہ امور حلال قرار دے دیے ہیں۔

شیعہ علما کا نیابت کی حدود میں اختلاف ہے۔ کوئی ان کو بہت زیادہ محدود کرتا ہے تو دوسروں نے ان کو بہت زیادہ پھیلا دیا ہے، بلکہ نیابت امامِ غائب کے فرائض منصبی کی آخری حد تک پہنچ چکی ہے، جن میں ملک کی سربراہی اور موجودہ آیات کی مملکت میں تشکیلِ حکومت کے لیے ریفرنڈم داخل ہے، حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں، جو صرف اس امام پر ایمان رکھتے ہیں، جو منصوص علیہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہو!

عقیدہ نیابت کی سنگینی اور اس اہمیت کے پیشِ نظر کہ یہ عقیدہ، میرے خیال کے مطابق، شیعہ کے علما کے ایک بہت بڑے مجموعے کے ہاتھوں مہدی کے اطمینان بخش خروج کی نمایندگی کرنا ہے، چنانچہ ہر کوئی نیابت میں اپنے استحقاق کا دعوے دار ہے۔ ہم آیندہ صفحات کو اس موضوع پر بحث کرنے کے لیے مختص کرتے ہیں۔

نیابتِ منتظر:

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ جب حسن عسکری کے بیٹے کی پوشیدگی کے نظریے کے ستون اچھی طرح گاڑ دیے گئے تو ایک با اختیار وکیل کا وجود ضروری تھا، جو حجاب کی مدت میں پیروکاروں کے امور کی ذمے داری سنبھالے اور وہ سرداب (کمین گاہ) کوہِ رضوی یا مکے کی وادیوں میں چھپے بیٹھے غائب کا دروازہ اور واسطہ بنے۔

چناں چہ وہ پہلا قائد، جس نے شیعہ کے امور کی ذمے داری سنبھالی، وہ شیعہ وثائق کے مطابق ایک عورت تھی، حالاں کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جو اپنا زعیم (سربراہ) کسی عورت کو بنا لیتی ہے۔ یہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔[1]

حسن عسکری کی وفات کے بعد ایک چھپے ہوئے لڑکے کے وجود کی خبر پھیل گئی۔ شیعہ چوں کہ کسی ظاہر امام کے بغیر تھے، اس لیے انھوں نے پوچھنا شروع کر دیا کہ وہ کس کی طرف رجوع کریں۔ ۲۶۲ھ میں یعنی حسن عسکری کی وفات کے دو سال بعد احمد بن ابراہیم نامی ایک شیعہ حسن عسکری کے گھر گیا اور اس نے ۔شیعہ روایت کے مطابق۔ خدیجہ بنت محمد بن علی رضا سے حسن عسکری کے مزعوم بیٹے کے متعلق پوچھا، تو اس نے اس کے سامنے

[1] صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب كتاب النبيﷺ إلى كسرى وقيصر (٥/ ١٣٦) و كتاب الفتن (٨/ ٩٧) سنن الترمذي، كتاب الفتن (٤/ ٥٢٧ـ ٥٢٨) رقم الحديث (٢٢٦٢) سنن النسائي: باب النهي عن استعمال النساء في الحكم (٨/ ٢٢٧) مسند أحمد (٥/ ٤٣، ٥١)

اس کا نام لیا (یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ شیعہ اس کا نام لینا حرام قرار دیتے ہیں، انھوں نے یہاں تک کہا ہے کہ جس نے اس کا نام لیا تو وہ کافر ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے) روایت کا راوی کہتا ہے:

میں نے اس سے کہا: وہ لڑکا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ مستور ہے، میں نے کہا: شیعہ کس کے پاس جائیں؟ اس نے کہا: ابومحمد کی ماں یعنی دادی کے پاس۔''[1]

بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ شیعہ علما نے غائب کی نیابت کو حسن عسکری کے گھر تک محدود رکھنا چاہا ہے، اس لیے انھوں نے آغاز میں یہ مشہور کر دیا کہ حسن عسکری کی ماں ہی منتظر کی وکیل ہے اور وہ نیابتاً مسلمانوں کی جنرل چیئر پرسن ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس تعیین کا مقصد اپنے اَتباع کے درمیان اس نظریے کو پروان چڑھانے کے لیے مناسب ماحول پیدا کرنا تھا، کیوں کہ حسن کی ماں ہی حسن کی وفات کے بعد اس کی نامزد کردہ ہے، جس طرح شیعہ روایات ذکر کرتی ہیں، لہٰذا یہ ایک طبعی امر تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی ولی بنے، لیکن حسن عسکری کے گھر والوں کا بیٹے کے نظریے کی مخالفت کرنا ایسا رویہ تھا، جس نے شیعہ علما اور ان کے سرکردہ افراد کو اہلِ بیت سے باہر کے کسی آدمی کو منتخب کرنے کی طرف متوجہ کر دیا، اس لیے طوسی کی کتاب ''الغيبة'' میں مذکور ہے:

''جانشین یعنی مہدی ۔صلوات اللّٰه عليه۔ کی ۲۵۶ھ کو پیدایش ہوئی اور اس کا وکیل عثمان بن سعید تھا۔ جب عثمان بن سعید فوت ہوگیا تو اس نے ابوجعفر محمد بن عثمان کو نامزد کر دیا۔ ابوجعفر نے ابوالقاسم حسین بن روح کی وصیت کی اور ابوالقاسم نے ابوالحسن علی بن محمد سمری کو مقرر کر دیا...۔''[2]

یہ چار نائبین ہیں، جن کے ساتھ دوسرے لوگ بھی نیابت میں مقابلہ کرتے ہیں، وہ حسن کے گھر سے باہر کے لوگ ہیں، ان کی نیابت مہدی منتظر کے ساتھ براہِ راست شخصی اور ذاتی رابطے کی نمایندگی کرتی ہے، اس لیے شیعہ کے عرف میں ان کی نیابت کو ''غَیبت صغریٰ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان چاروں نائبین کا اطاعت اور ثقاہت میں وہی حق ہے، جو امام کا حق ہے۔ طوسی کی ''الغيبة'' میں مذکور ہے کہ حسن عسکری نے کہا:

''یہ تمھارا میرے بعد امام ہے (اس نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا) اور یہ تم پر میرا خلیفہ ہے، اس کی فرمانبرداری کرو، میرے بعد افتراق کا شکار نہ ہوجانا، وگرنہ تم اپنے دینوں میں ہلاک ہو جاؤ

[1] الغيبة للطوسي (ص: ۱۳۸)

[2] الغيبة للطوسي (ص: ۲۴۱۔ ۲۴۲)

گے۔ یاد رہے! تم آج کے بعد اس وقت تک اس کو نہیں دیکھو گے، جب تک اس کی عمر پوری نہ ہو جائے، لہٰذا عثمان (پہلا باب) جو کہے، اس کو قبول کرو اور اس کے حکم کے پاس پہنچ کر رک جاؤ، وہ تمھارے امام کا خلیفہ ہے اور اس کو فیصلہ کن اختیار حاصل ہے۔[1] جو وہ تم سے کہتا ہے، وہ میری طرف سے کہتا ہے اور جو وہ حکم تم کو دیتا ہے تو وہ میری طرف ہی سے دیتا ہے۔''[2]

اسی طرح باب کو امام کی نیابت اور مکمل اختیار کا حق حاصل ہوگیا اور اس کے قول کو تقدس اور عصمت کی سند مل گئی، کیوں کہ وہ امام کا ترجمان اور اس کا حکم آگے پہنچانے والا ہے، اس لیے جس نے ان ابواب کی مخالفت کی، وہ لعنت اور جہنم کا مستحق بن گیا، جس طرح ان توقیعات (رقعوں) میں ان باتوں کا ذکر ہوا ہے، جو منتظر کی طرف سے ان ابواب کے مخالفین کے لیے نکلتی رہی ہیں۔[3]

معلوم ہوا ان چاروں کی نیابت کا مسئلہ انھیں شریعت سازی کا اختیار دیتا ہے، کیوں کہ وہ معصوم کے ترجمان ہیں اور معصوم کو تخصیص، تقیید یا شریعت کی نصوص واحکام کو منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس لیے ان کی طرف سے جاری ہونے والی ان توقیعات اور رقعوں کی وہی حیثیت ہے، جو امام کے کلام کی حیثیت ہے یا یہ اس سے بھی قوی تر ہیں، جیسے پہلے ذکر ہوا ہے۔[4]

اسی طرح یہ نیابت ان کو مغفرت یا محرومی کے اجازت نامے جاری کرنے اور امام کے نام پر وقف، زکات اور خمس کے اموال قبول کرنے کا اختیار بھی دیتی ہے، لیکن یہ نیابت اس وقت ختم ہوگئی، جب سمری کا آخری وقت آیا تو اس سے کہا گیا کہ کسی کو مقرر کر دے تو اس نے کہا: یہ اللہ کے سپرد ہے، وہ اس کو اس کے مستحق تک پہنچا دے گا۔ چناں چہ مکمل غیبت وہ ہے، جو سمری کے بعد واقع ہوئی۔[5]

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سمری کا بابیت (دربانی اور نیابت) کو بند کرنے کے لیے شیعہ قواعد کی موافقت کرنا، پھر اس کو پیروکاروں کے درمیان مشہور کر دینا، نظریہ غیبوبتِ مہدی کی حقیقت کو کھلنے سے محفوظ رکھنے کی غرض سے ہو، کیوں کہ شیعہ علما کی ایک بہت بڑی تعداد بالخصوص اس کے پیش رو ابو القاسم بن روح کے عہد میں اس پر نظریں لگائے بیٹھی تھی، ان میں یہ جھگڑا شدت اختیار کر چکا تھا اور نوبت ایک دوسرے کی تکفیر، اظہارِ براءت اور

---

[1] المصدر السابق (ص: ٢١٧)

[2] المصدر السابق (ص: ١٥)

[3] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٤)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (٣٧١) دیکھیں۔

[5] الغيبة للطوسي (ص: ٢٤١۔ ٢٤٢)

لعن طعن تک پہنچ چکی تھی، جس کو ان توقیعات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، جو منتظر کی طرف منسوب ابواب کے ہاتھوں صادر ہوئی ہے۔[1]

چناں چہ سمری نے بابیت کا قصہ ہی تمام کر دیا۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ یہاں مسئلہ نیابت میں بالعموم اور شیعہ مذہب میں بالخصوص ایک مزید ارتقائی مرحلے نے کروٹ لی، جس میں نیابت کو مطلقاً علما کا حق قرار دے دیا گیا۔

اثنا عشری بااثر حلقوں نے اس موہوم اور خیالی منتظر کی طرف منسوب کر کے ایک نیا رقعہ جاری کر دیا، جو سمری کے ہاتھوں بابیت کا دروازہ بند کر دینے کے اعلان کے بعد ظاہر ہوا، اس کے مطابق کہا گیا:

''رونما ہونے والے واقعات میں ہماری حدیث کے راویوں سے رجوع کرو، کیوں کہ وہ میری تم پر حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں۔''[2]

چنانچہ اس نے مہدی کے ساتھ براہِ راست تعلق کے انقطاع کا اعلان کر دیا اور منتظر کی نیابت کے معاملے کو ان کی احادیث اور روایات کے راویوں اور انھیں وضع کرنے والوں کے سپرد کر دیا۔

اس اعلان نے چند اہداف حاصل کر لیے۔ بابیت کا دعویٰ صرف ایک آدمی تک محدود نہیں رہا تھا، جس کی حقیقت بڑی آسانی سے محض چند لوگوں کی اس پر نظر رکھنے سے کھل سکتی تھی، اس لیے پہلی غیبت کے مراحل میں بہ کثرت شک اور تکذیب نظر آتی ہے۔

اسی طرح اس نے بابیت کے لیے مقابلہ آرائی میں بھی تخفیف کر دی، جس کے اپنے اثرات تھے، لہٰذا یہ شیعہ علما تک محدود اور مشترک ہو کر رہ گئی۔ بابیت خاصہ کا دروازہ بند کر دیا گیا اور اس کو غیبتِ کبریٰ میں عمومی نیابت میں تبدیل کر دیا گیا، اس طرح امام کی دو غَیبتیں قرار دی گئیں، ایک غیبتِ صغریٰ اور دوسری غیبتِ کبریٰ، حالانکہ ان کی روایات صرف ایک غیبت (پوشیدگی) کا تذکرہ کرتی ہیں[3]، لیکن ایسی روایات وضع کر لی گئیں، جو

---

[1] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٢٤٤ وما بعدها)

[2] الكافي مع شرحه مرآة العقول (٤/ ٥٥) إكمال الدين (ص: ٤٥١) الغيبة للطوسي (ص: ١٧٧) الاحتجاج للطبرسي (ص: ١٦٣) وسائل الشيعة (١٨/ ١٠١) محمد مكي العاملي: الدرة الطاهرة (ص: ٤٧)

[3] شیعہ کی ایسی روایات بھی مذکور ہیں، جو بہ ظاہر ایسے لگتا ہے کہ حسن عسکری کی موت کے بعد پہلے مرحلے میں وضع کی گئیں، جو حسن عسکری کے مزعوم بیٹے کی پوشیدگی کا تذکرہ کرتی ہیں، مثلاً ایک روایت میں ہے:
''اگر تمھیں تمھارے صاحب کی پوشیدگی کی کوئی خبر ملے تو اس کا انکار نہ کرنا۔'' (أصول الكافي: ١/ ٣٤٠)
گویا یہ روایت بلا تاکید سرسری سے انداز میں پیروانِ شیعیت کے سامنے غیوبت کا نظریہ پیش کرتی ہے، تاکہ ان کے ردِعمل ←

اس صورتحال کے مطابق ہوں اور دو غیبتوں کا ذکر کرتی ہوں۔ ایک روایت میں ہے:

''ابوعبداللہ نے کہا: قائم کی دو غیبتیں ہوں گی، ایک مختصر مدت کے لیے، دوسری طویل مدت کے لیے۔ پہلی پوشیدگی میں اس کی جگہ کا صرف اس کے خاص شیعہ کو علم ہوگا اور دوسری میں اس کے دین کے خاص دوست ہی اس کی جگہ کے متعلق جانتے ہوں گے۔''[1]

آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ اس روایت نے اس کی دو پوشیدگیاں ثابت کی ہیں، پہلی میں اس کے خاص شیعہ اس کے ساتھ رابطے میں ہوں گے۔ اس میں ان سفراء کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے، جنھوں نے باری باری بابیت کا دعویٰ کیا، جب کہ دوسری غیبوبت میں صرف اس کے خاص دوست اس کے ساتھ رابطہ رکھ سکیں گے۔

کافی میں ایک روایت ذکر کرتی ہے کہ ان کی تعداد ۳۰ ہوگی۔[2] لہٰذا شیعہ کی روایات نے دونوں حالتوں میں منتظر کے ساتھ براہِ راست تعلق اور رابطے کی نفی نہیں کی، حالانکہ سمری نے جب بابیت کا منصب سنبھالا تو اس نے منتظر کی زبان سے یہ توقیع جاری کی:

''جس نے منتظر کو دیکھنے کا دعویٰ کیا تو وہ جھوٹا ہے۔''[3]

شیعہ کے علما تو کہتے ہیں کہ غیبوبت کبریٰ میں امام سے محرومیت عظمیٰ وقوع پذیر ہوگئی۔ شیعہ کا عالم نعمانی دونوں غیبوبتوں کے متعلق اپنی روایات ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے: یہ روایات جن میں قائم کی دو پوشیدگیوں کا ذکر ہوا ہے، یہ ہمارے نزدیک صحیح ہیں۔ پہلی غیبوبت وہ ہے جس میں امام اور مخلوق کے درمیان ظاہر موجود و متعین اشخاص مقرر کیے گئے، جن کے ہاتھوں ہر مشکل مسئلے اور الجھن کی علم، حکمت اور جواب[4] کی تشفی صادر ہوئی۔ یہ مختصر

← کو دیکھ سکے اور اس کے مطابق چلے۔ یہ روایت صرف ایک غیبوبت کا ذکر کرتی ہے۔ پھر ان کی چند روایات تاکیداً ذکر کرتی ہیں کہ وہ اس غیبوبت کے بعد ظاہر ہوجائے گا۔ کافی میں ہے کہ ام ہانی نے کہا: ''میں نے ابوجعفر محمد بن علی سے اس فرمانِ الٰہی: ﴿فَلَآ أُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ۝ الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ﴾ [التكوير: ١٦۔ ١٧] کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا:

''امام ۲۶۰ھ میں چھپ جائے گا، پھر ظاہر ہوگا، اس کی پوشیدگی کے بعد صرف اس کا ظاہر ہونا ہے اور کچھ نہیں۔'' (أصول الكافي: ١/ ٣٤١)

لہٰذا سمری کے بابیت بند کرنے کے اعلان سے یہ مراد لیا جا سکتا ہے کہ ان کو اس کے قربِ ظہور کا احساس دلانا مقصود ہو، لیکن دن گزرتے گئے، سال بیتتے گئے اور وہ ظاہر نہ ہوا!

[1] الغيبة للنعماني (ص: ١١٣)

[2] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٤٠)

[3] یہ روایت گزر چکی ہے۔ دیکھیں (ص: ٣٦٩)

[4] سنت کے مبحث میں امام مزعوم سے صادر ہونے والے جوابات کے نمونے ذکر ہوچکے ہیں، جن سے جہالت اور سطحیت نمایاں ہوتی ہے۔ اگر صفحات کی تنگ دامنی اور مقصود سے دوری کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہاں وہ مکمل جوابات نقل کرتے اور پھر ان ←

پوشیدگی ہے، جس کے دن ختم ہو چکے ہیں اور مدت پوری ہو چکی ہے۔ دوسری غیبوبت وہ ہے، جس میں سفرا اور وسیلوں کی شخصیات اٹھ گئیں۔[1]

لیکن شیعہ علما دوسری غیبوبت کے مرحلے اور مدت میں امام منتظر کی نیابت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس توقیع سے استدلال کرتے ہیں، جو سمری نے ان کے منتظر سے جاری کی تھی، جو انھیں تمام جدید حادثات اور نئے رونما ہونے والے واقعات میں ان کی روایات کے راویوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتی ہے۔

یہ بھی قابلِ ملاحظہ امر ہے کہ اس نے ان کو کتاب وسنت کی راہ نہیں دکھائی، بلکہ علما سے رجوع کرنے کا کہا ہے۔ شیعہ علما اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منصبِ بابیت پر براجمان ہوگئے۔ امام کی اسی نیابت کے ذریعے انھوں نے پیروکاروں کے درمیان تقدس کا مقام حاصل کر لیا اور امام کی ذات میں ان محیر العقول صفات اور کامل فضائل کو جمع کر دیا، اس لیے یہ اپنے ان علما پر ''مراجع'' اور ''آیات'' کے القاب کا اطلاق کرتے ہیں، جو نیابتِ امام کے منصب تک پہنچ چکے تھے۔ یہ امام معصوم کے مظاہر ہیں، اس لیے شیعہ کا ایک معاصر عالم یہ بات طے کرتا ہے:

> ''امام کے نائب کا رد کرنے والا اللہ تعالیٰ کا رد کرنے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی سرحد پر کھڑا ہے، یہی عقیدہ نیابت کا تقاضا ہے۔''

شیعہ کا شیخ مظفر کہتا ہے:

> ''شرائطِ اجتہاد کے حامل مجتہد کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ امام کی غیبوبت کی حالت میں اس کا نائب ہے۔ وہ حاکم اور رئیس مطلق ہے۔ لوگوں کے درمیان فیصلہ اور حکومت کرنے کا جو حق امام کو حاصل ہے، اس کو بھی وہی حق حاصل ہے، اس کی بات قبول نہ کرنے والا امام کے آگے انکار کرنے والا اور امام کے آگے انکار کرنے والا اللہ تعالیٰ کے آگے انکار کرنے والا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی سرحد پر کھڑا ہے، جس طرح صادق آلِ بیت کی حدیث میں ذکر ہوا ہے۔ شرائط کا جامع اور حامل مجتہد صرف فتویٰ دینے ہی میں مرجع تقلید نہیں، بلکہ عمومی ولایت اور حکومت بھی اسی کا حق ہے۔ اس لیے کاروبارِ حکومت، مقدمات نپٹانے اور فیصلے کروانے کے لیے اسی کی طرف رجوع کیا جائے، کیوں کہ یہ اسی کا اختصاص و استحقاق ہے، اس کے علاوہ اس کی

← کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کرتے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سلسلے میں ایک مستقل تحقیق کی توفیق مرحمت فرمائے، جس میں اس پہلو کی مکمل تحقیق ہو سکے۔

[1] الغيبة للنعماني (ص: ١١٥)

اجازت کے بغیر کوئی دوسرا اس کا اہل نہیں۔ اسی طرح حدود وتعزیرات بھی اس کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں کی جائیں گی۔ ان اموال میں بھی اسی سے رجوع کیا جائے گا، جو امام کے حقوق اور اختصاصات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

یہ مقام یا عمومی سربراہی امام نے اس مجتہد کو عنایت کی ہے، جو تمام شرائط پر پورا اترتا ہو، تاکہ وہ اس کی غیوبت (پوشیدگی) میں اس کا نائب بننے کا اہل ہو، اس لیے اس کو امام کا نائب کہا جاتا ہے۔"[1]

چناں چہ آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ شیعہ علما آلِ بیت سے یک سر، دست کش ہوگئے اور اس معدوم کے ساتھ تعلق خاطر قائم کر لیا، انھوں نے اس معدوم کے نام پر اپنے آپ کو اہلِ بیت سے امام کی جگہ پر رکھ لیا۔ یہ بہت بڑی غنیمت تھی، اس لیے انھوں نے براہِ راست بابیت کے نظریے کی ناکامی کے بعد اس پر اتفاق کرنے میں بالکل دیر نہ لگائی، جس کی وجہ سے بابیت کے منصب کے لیے جتنے اختلافات نے جنم لیا تھا، وہ سب مٹ گئے، بہت سارے شیعہ فرقے لوٹ آئے اور انھوں نے اس نظریے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا، کیوں کہ یہ نظریہ ان تمام شیعہ رموز کو "امام"، "مہدی"، "مطلق واجب الاطاعت حاکم" اور "اموال اکٹھا کرنے والے" کی حیثیت دیتا ہے، جس میں ان کے ساتھ اہلِ بیت میں سے کوئی بھی شریک نہیں، جو ان کی حقیقت اور ان کے اسرار افشا کر کے ان کو رسوا کر سکے۔

منتظر کی طرف منسوب توقیع سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے شیعہ علما کو جدید مسائل میں فتویٰ دینے میں اس کی نیابت کا حق تفویض کیا ہے، کیوں کہ اس میں ذکر ہوا ہے:

"وقوع پذیر ہونے والے مسائل میں ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے، اس نے عمومی نیابت ان کے سپرد نہیں کی، لیکن شیعہ علما نے نیابت کے مفہوم کو وسعت دیتے ہوئے اتنا پھیلا دیا کہ وہ عصرِ حاضر میں خمینی کے ہاتھوں اپنے غلو اور انتہا پسندی کی چوٹی پر پہنچ گئی۔"[2]

اس سلسلے میں شیعہ کے عالم مظفر نے اپنے جس عقیدے کا اثبات کیا ہے، اس میں بھی اس کا کچھ تاثر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر مہدی کی غیوبت کبریٰ کے بعد بھی ان علما نے اس کے ساتھ تعلق اور رابطے کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کیے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[3]

---

[1] عقائد الإمامية (ص: ٥٧)

[2] دیکھیں: چوتھے باب کی فصل "آیات کی حکومت"

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۳۷۱) دیکھیں۔

اثنا عشریہ کے عقیدۂ غیبوبت اور مہدیت پر تبصرہ وتنقید:

مسلم فرقے مہدی کے بالغ ہونا، اس کا سنِ رشد کو پہنچنا، امام بننا، معصوم ہونا، مہدی ہونا تو در کنار اس کی پیدائش اور وجود میں اثنا عشریہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ شیعہ ان تمام امور میں کسی ایک امر کو بھی کسی واضح دلیل کے ساتھ ثابت کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔[1] جس طرح ان کے عقیدے اور دلائل کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے۔

اہلِ سنت نصوص شرعیہ، تاریخی حقائق اور عقلی دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اثنا عشریہ کا مسئلہ غیبوبت مہدی تصورات اور تخیلات کی دنیا کے علاوہ کہیں وجود نہیں رکھتا، ''کیونکہ اس کا کوئی وجود ہے نہ اس کا کوئی نشان، اس کے احساس کا کوئی وجود ہے نہ اس کی کوئی خبر ہی ہے، بلکہ دین اور دنیا دونوں میں کسی نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، الٹا اس کے وجود کے عقیدے نے اس قدر شر اور فساد کو جنم دیا ہے، جس کو اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''[2]

تاریخ دانوں اور علمائے انساب نے ذکر کیا ہے کہ حسن عسکری کی کوئی نسل تھی نہ کوئی وارث۔[3]

پھر یہ کہتے ہیں کہ مہدی اپنے باپ کی موت کے بعد سرداب (کمین گاہ) میں داخل ہوگیا، اس وقت اس کی عمر حسبِ اختلافِ روایات دو، تین یا پانچ سال تھی اور اسی وقت سے وہ اپنے بچپن اور پوشیدگی کے باوجود مسلمانوں کا امام بن چکا ہے۔ حالانکہ قرآن وسنت کے واضح الفاظ اور اجماعِ امت سے ثابت ہونے والے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق واجب تو یہ تھا کہ یہ یتیم (بفرضِ وجود) اس رشتے دار کے پاس ہوتا، جو اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق رکھتا تھا، یا اس کا مال اس کے پاس ہوتا، جو اس کے سمجھ داری کی عمر کو پہنچنے تک اس کی حفاظت کرتا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے بدن اور اپنے مال میں تصرف کرنے کا شرعی طور پر حق نہیں رکھتا اور اس کے متعلق حکم امتناعی جاری ہوا ہے، وہ تمام مسلمانوں کا امام اور معصوم کس طرح ہوسکتا ہے کہ جس پر ایمان لائے بغیر کوئی مومن ہی نہیں ہوسکتا؟[4]

لیکن اگر وہ معدوم ہو یا اتنے طویل عرصے سے مفقود اور گم شدہ ہو تو تب اس کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

---

[1] أبو المحاسن الواسطي: المناظرة بين أهل السنة والرافضة (الورقة: ٥٩)

[2] منهاج السنة (٤/ ٢١٣)

[3] دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ١٦٤)

[4] منهاج السنة (٢/ ١٦٤)

حالانکہ شریعتِ اسلام میں عورت کا ولی اور سربراہ اگر گم اور پوشیدہ ہوجائے تو حاکم یا موجود سربراہ اس کا نکاح کرنے کا اختیار رکھتا ہے، تاکہ موجود ولی اور سربراہ کی گم شدگی اور پوشیدگی کی وجہ سے عورت کی مصلحت اور مفاد خطرے میں نہ پڑ جائے، تو یہ امام جو صدیوں سے مفقود ہے، اس کی پوشیدگی کی وجہ سے پوری امت کی مصلحت اور مفاد کا کیوں خیال نہ رکھا جائے؟![1]

اثنا عشریہ کے مہدی اور اس کی پوشیدگی کے بارے میں اہلِ سنت کا جو بھی موقف ہو، اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے جو شخص اثنا عشریہ کی معتبر کتابوں میں مہدی اور اس کی پوشیدگی کے متعلق ذکر ہونے والی عبارتوں پر کچھ تامل کرتا ہے، وہ یہ قابلِ توجہ ملحوظہ دیکھتا ہے کہ یہ دعویٰ خود شیعہ کے ہاں بھی نسبتاً متاخرہ زمانوں کے سوا کوئی قبولیت حاصل نہیں کر سکا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اس عقیدے کی ترویج و اشاعت کے لیے شیعہ نشر و اشاعت نے از سرِ نو کام کرنا شروع کیا اور نظریہ بابیت کو کالعدم قرار دے دیا گیا، جس کے ذریعے غیبوبت کے معاملے کا انکشاف ہوا۔

اس لیے شیعہ کا عالم نعمانی، جو غیبوبت صغریٰ کا ہم عصر ہے، یہ ثابت کرتا ہے کہ چند ایک کے سوا تمام شیعہ غیبوبت کے بارے میں شک کا شکار ہیں، کیوں کہ ان کے سامنے شک کی علامات بالکل واضح اور عیاں ہیں۔ حسن عسکری کی جب وفات ہوئی تو، ان کے اعتراف کے مطابق، اس کا کوئی نشان (جانشین) دیکھا گیا نہ اس کا کوئی ظاہری طور پر لڑکا ہی معروف تھا، لہٰذا ان کا جو ترکہ سامنے آیا، اس کو ان کے بھائی جعفر اور ماں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔[2]

شیعہ کی حدیث کی صحیح ترین کتاب ''کافی'' اور اس کے علاوہ دیگر کتب میں احمد بن عبداللہ بن خاقان[3] سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا:

''...جب ۲۶۰ھ کو حسن عسکری کی وفات ہوئی تو ''سُر مَنْ رَأى'' میں ایک شور فغاں مچ گیا، ابن رضا کی وفات ہوگئی ہے، سلطان نے اس کے گھر اور کمرے کی تلاشی کے لیے اور گھر میں موجود تمام سامان کو مہر بند کرنے کے لیے چند افسران کو بھیجا، انھوں نے اس کے لڑکے کے نشان ڈھونڈنا شروع کر دیے۔ وہ حمل پہچاننے والی عورتوں کو بھی لے کر آیا، وہ اس کی لونڈیوں کے پاس آئیں

[1] المصدر السابق (١/ ٣٠) المنتقى (ص:٣١) رسالة رأس الجن (ص:٦)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (٨٧٥) دیکھیں۔

[3] یہ معتمد علی اللہ احمد بن متوکل کے عہد میں قم میں ضیاع وخراج کا امیر تھا۔ (أصول الكافي: ١/ ٥٠٣، إكمال الدين، ص: ٣٩)

اور انھوں نے ان کو جانچنا شروع کر دیا، کسی عورت نے ذکر کیا کہ ایک لونڈی حمل سے ہے، اس لونڈی کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا اور اس پر چند عورتوں کو نگران مقرر کر دیا گیا، اس کے بعد انھوں نے اس کی تکفین و تجہیز شروع کر دی، جب وہ اس کام سے فارغ ہوگئے تو سلطان نے ابو عیسیٰ بن متوکل کو اسکا جنازہ پڑھانے کے لیے بھیجا، جب ابو عیسیٰ اس کے قریب ہوا، تو اس نے اس کے چہرے سے پردہ ہٹایا، اس کو بنو ہاشم میں سے علویوں، عباسیوں، قائدین اور معلمین کے سامنے پیش کیا... پھر کہا: یہ حسن بن علی بن محمد رضا ہے، جو اپنے بستر پر طبعی موت سے ہمکنار ہوا، اس کے جنازے میں امیر المومنین کے خدام اور ثقہ لوگوں میں سے جو شریک ہوئے سو ہوئے، اس کے بعد اس نے اس کا جنازہ پڑھا دیا۔

اس کو دفن کرنے کے بعد سلطان اور لوگوں نے اس کے لڑکے کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور گھروں میں کثرتِ تفتیش کا ایک دور چلا، انھوں نے اس کی وراثت کی تقسیم بھی موقوف کر دی، وہ لوگ جن کو اس لونڈی کی نگرانی پر مامور کیا گیا تھا، جس کے حاملہ ہونے کا شبہہ تھا، وہ اتنی دیر تک اس کی نگرانی کرتے رہے، جب تک اس کے حمل کا باطل ہونا واضح نہ ہوا، جب تمام لونڈیوں سے حمل کا نہ ہونا ثابت ہوگیا تو اس کے بھائی جعفر اور ماں کے درمیان اس کا ترکہ تقسیم کر دیا گیا۔‘‘[1]

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اثنا عشریہ نے یہ روایت ان شیعہ کے موقف کی تردید میں ذکر کی ہے، جنھوں نے حسن عسکری کی وفات کا انکار کیا اور انہی پر توقف کرنے کا مذہب اختیار کیا، لیکن اس روایت کے ضمن میں لڑکے کے دعوے کا باطل ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ حسن کے خاندان، نقابتِ اہلِ بیت اور سلطان نے علانیہ طور پر معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے تحقیق کی، تا کہ اس سلسلے میں شیعہ جو گمان پیش کرتے ہیں، اس کی تردید کی جا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ قمی اور نوبختی وغیرہ نے یہ بات پیش کی ہے کہ شیعہ حسن عسکری کی وفات کے بعد بہت سے فرقوں میں بٹ گئے، جن کی اکثریت نے لڑکے کے وجود کا سرے سے انکار کیا،[2] بلکہ بعض نے یہاں تک کہا: ہم نے ہر طرح اور ہر جہت سے لڑکے کا کھوج لگایا، لیکن ہمیں وہ نہیں ملا۔ اگر ہمارے لیے یہ دعویٰ پیش کرنا عقلاً روا ہوتا کہ حسن کا ایک پوشیدہ لڑکا ہے تو اس طرح کا دعویٰ ہر اس میت کے بارے میں کرنا بھی روا ہوتا، جو لاولد ہو، بلکہ یہ کہنا بھی درست ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے پیچھے نبی رسول بیٹا چھوڑا ہے، کیوں کہ حسن کے لاولد

[1] أصول الكافي (١/ ٥٠٥) إكمال الدين (ص: ٤١ـ ٤٢)

[2] المقالات والفرق (ص: ١٠٢ـ ١١٦) فرق الشيعة (ص: ٩٦ـ ١١٢)

فوت ہونے کی خبر پھیلنا اسی خبر کی طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیچھے اپنا کوئی صلبی بیٹا نہیں چھوڑا، چنانچہ لڑکے کا دعویٰ لامحالہ باطل ہے۔[1]

میرے نقطۂ نظر کے مطابق اس زمینی حقیقت اور واقعاتی صورتِ حال نے شیعہ علما کو ایسی روایات وضع کرنے کی ترغیب دی، جو ان کے منتظر کے حمل اور ولادت کی پوشیدگی کو اس کے لوازم قرار دیتی ہیں، اس کے پیچھے شیعہ کے علما کی یہ کوشش تھی کہ اس مرحلے سے جان چھڑائی جائے، جس میں شیعیت کی حقیقت کھل جانے کا بہت زیادہ احتمال ہے۔

اکثر شیعہ کے اس کے انکار کے علاوہ اہلِ بیت کا بھی اس کے متعلق بڑا صریح اور فیصلہ کن موقف ہے، جو اس دعوے کے باطل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ تاریخ طبری میں ۳۰۲ھ کے حادثات میں ذکر ہوا ہے کہ ایک آدمی نے خلیفہ مقتدر کے عہد میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ محمد بن حسن بن علی بن موسیٰ بن جعفر ہے۔ خلیفہ نے آلِ ابی طالب کے بزرگوں کو دربار میں طلب کیا، جن میں سرفہرست نقیب آلِ ابی طالب احمد بن عبدالصمد المعروف ابن طومار تھا۔

ابن طومار نے خلیفہ سے کہا: حسن کی کوئی اولاد ہی نہیں، بنو ہاشم نے اس دعویٰ کرنے والے کے دعوے پر بہت زیادہ واویلا کیا اور انھوں نے کہا کہ اس آدمی کو سر بازار رسوا کیا جائے، سب کے سامنے اس کو پھیرایا جائے اور سخت ترین سزا دی جائے۔ چنانچہ اس کو ایک اونٹ پر سوار کیا گیا اور یوم ترویہ اور یوم عرفہ کو اس کو خوب بدنام کیا گیا، پھر اسے مغربی جانب مصریوں کی جیل میں قید کر دیا گیا۔[2]

یہ بنو ہاشم اور ان میں نمایاں بنو طالب کے نقیب کی بڑی اہم گواہی ہے، کیوں کہ یہ علویوں کے نقیب نے پیش کی ہے، جو سرکاری رجسٹر پیدایش میں اس خاندان کے نومولودوں کے نام بڑی توجہ سے درج کرواتا تھا۔[3] نیز اس گواہی کا زمانی عرصہ بھی قدیم ہے، کیونکہ یہ غیبوبتِ صغریٰ کے زمانے میں پیش ہوئی، جس میں اس لڑکے کا دعویٰ بڑی کثرت کے ساتھ کیا گیا اور بہت سارے شیعہ رموز اور سربرآوردہ علما نے اس کی بابیت کا دعویٰ کیا۔

علویوں کے نقیب اور بنو ہاشم کی گواہی کے علاوہ حسن کے تمام لوگوں سے سب سے زیادہ قریب اس کا بھائی جعفر تھا، جو تاکید اور قطعیت کے ساتھ کہتا ہے کہ اس کا بھائی بے نسل اور لاولد فوت ہوا۔[4]

شیعہ کو بھی اس کا اعتراف ہے، بلکہ وہ نقل کرتے ہیں کہ اس نے اپنے بھائی کی لونڈیوں اور بیویوں کو

---

[1] المقالات والفرق (ص: ١١٤۔ ١١٥) فرق الشيعة (ص: ١٠٣۔ ١٠٤)

[2] تاريخ الطبري (١٣/ ٢٧) المطبعة الحسينية، ط الأولى، أو (١١/ ٤٩۔ ٥٠) من طبعة دار المعارف، تحقيق: أبو الفضل إبراهيم.

[3] محب الدين الخطيب في تعليقه على المنتقى (ص: ١٧٣)

[4] دیکھیں: الصواعق المحرقة (ص: ١٦٨)

محبوس کیے رکھا، تا آنکہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان میں سے کوئی بھی حمل سے نہیں۔[1] اس نے ایسا دعویٰ کرنے والے کو برا بھلا کہا اور خلافتِ اسلامیہ تک اس کی سازش کی خبر بھی پہنچائی،[2] لیکن طوسی کہتا ہے کہ جعفر کی طرف سے یہ انکار ایسا شبہہ نہیں، جس پر اعتماد کیا جا سکے، کیوں کہ تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جعفر کوئی انبیا کی طرح معصوم نہیں کہ اس سے غلطی کا صدور ناممکن ہو اور کہا جائے کہ انکار حق ہے اور یہ دعویٰ باطل، اس سے غلطی ہونا ممکن ہے کہ جس کے لیے حق کا انکار اور باطل دعویٰ کرنا ناممکن ہو اور اس سے غلطی کا سرزد ہونا بھی نہ ممکن ہو۔[3]

طوسی یہاں جعفر کی طرف سے کیا جانے والا انکار قبول نہیں کر رہا، کیوں کہ وہ غیر معصوم ہے، لیکن طوسی اور اس کا اثنا عشری گروہ لڑکے کے اِثبات اور اس کی بابیت کے عثمان بن سعید کی طرف سے کیے جانے والے دعوؤں کو قبول کرتا ہے، حالانکہ وہ بھی غیر معصوم ہے، تو کیا یہ تناقض اور تضاد بیانی نہیں؟

جعفر کو کیوں جھوٹا کہا جا رہا ہے، جو حسن عسکری کا بھائی، خاندانِ آلِ بیت کا چشم و چراغ اور حسن کی وفات کے بعد خاندان کا سربراہ تھا؟ جبکہ ایک ایسے آدمی کو سچا قرار دیا جا رہا ہے، جس کا آلِ بیت کے ساتھ دور دور کا بھی واسطہ نہیں، بلکہ وہ اپنے دعوے میں بھی تہمت زدہ ہے، کیوں کہ وہ بابیت کے نام پر مال، مفادات اور جاہ وحشمت کو اپنی ذات میں سمیٹتا ہے، جو اس طرح کا آدمی ہو، کیا اس کی بات میں شک نہیں کیا جائے گا اور اس کی گواہی مسترد نہیں کی جائے گی؟

شیعہ رموز اور سربرآوردہ شخصیات کی جعفر کا بھتیجا اختراع کرنے کی کوششوں کے خلاف اس کے واضح اور صاف موقف کی وجہ سے بھی شیعہ اس سے نالاں اور تنگ تھے، بلکہ انھوں نے اس کو ''جعفر کذاب''[4] کا لقب دے رکھا تھا اور انھوں نے ایسی روایات وضع کر کے اوائل اہلِ بیت کی طرف منسوب کر دیں، جو جعفر سے صادر ہونے والے اس رویے کی پیشین گوئی اور مذمت پر مشتمل ہیں۔

چنانچہ انھوں نے سجاد کی طرف منسوب کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

''گویا میں جعفر کذاب کو دیکھ رہا ہوں، جس نے اپنے وقت کے طاغوت اور ظالم حکمران کو اللہ تعالیٰ

---

[1] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٧٥)

[2] سفينة البحار (ص: ١٦٢)

[3] الغيبة (ص: ٧٥)

[4] دیکھیں: ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ٣١٢) سفينة البحار (١/ ١٦٢) أصول الكافي (١/ ٥٠٤، حاشيه: ٢) مقتبس الأثر (١٤/ ٣١٤) جعفر بن محمد کو صادق بھی اس جعفر کذاب کے مقابلے میں کہا جاتا ہے۔ (مقتبس الأثر: ١٤/ ٣١٤) چناں چہ جعفر پر اس کے آبا و اجداد اور معاصرین کے درمیان صادق کا اطلاق کرنے کا مصدر شیعہ ہے، جس کا مقصد ان کے پوتے جعفر پر تنقید و تعریض ہے۔

کے چھپے ہوئے ولی کے، جو اللہ کی حفاظت میں ہے، معاملے کی تفتیش پر مجبور کیا اور اس کی ولادت سے ناواقفیت کا اظہار کیا، اس کے پیشِ نظر یہ لالچ تھی کہ اگر وہ مل جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کے باپ کی وراثت ناحق حاصل کر لی جائے۔''[1]

اس روایت میں ہم یہ ملاحظہ کرتے ہیں کہ انھوں نے جعفر کو یہ الزام دیا ہے کہ اس نے وراثت ہتھیانے کے لالچ میں اس کی ولادت کا انکار کیا ہے۔ یہ تو وہی بات ہے کہ الزام ان کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا، کیوں کہ ان روایات کو بنانے والوں ہی نے لڑکے کا دعویٰ کیا اور اموال ہتھیانے کی حرص سے میں انھوں نے اس کی بابیت بھی اختراع کر لی، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے۔

اس روایت میں یہ بھی تناقض ہے کہ جعفر اس کی ولادت سے ناواقف ہے، پھر اس میں یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ وہ اس کے قتل کے درپے تھا، اگر وہ اس بات ہی سے ناواقف تھا کہ کوئی لڑکا ہے تو وہ اس مجہول الوجود کے قتل کی کیوں خواہش رکھے گا۔ مزید دیکھیے کہ وہ عثمان بن سعید کا کس طرح دفاع کرتے ہیں اور جعفر کو الزام دیتے ہیں، پھر بھی آلِ محمد کے شیعہ ہونے کے دعوے دار ہیں! جعفر اکیلا ہی خاندانِ رضا کا فرد نہیں، جو اس دعوے کا انکار کرتا ہے، بلکہ شیعہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکار خود اس مزعوم لڑکے کے گھر والوں اور اس کے چچیرے بھائیوں کی طرف سے بھی ہوا تھا۔

چناں چہ شیعہ کتابوں میں ذکر ہوا ہے:

''اسحاق بن یعقوب[2] سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے محمد بن عثمان عمری[3] سے کہا کہ وہ میرا خط پہنچا دے، جس میں مَیں نے چند مسائل دریافت کیے ہیں، جو میرے لیے الجھن کا باعث ہیں۔''

تو مولانا صاحب الزمان[4] کے ہاتھ کا لکھا ہوا رقعہ آیا، جس میں مذکور تھا:

''تم نے یہ جو ہمارے خاندان آلِ بیت اور چچا زاد بھائیوں کے متعلق پوچھا ہے، جو میرا انکار کرتے ہیں تو جان لو! اللہ اور کسی بندے کے درمیان کوئی قرابت داری نہیں، جس نے میرا انکار کیا، وہ مجھ

[1] إكمال الدين (ص: ٣١٢) سفينة البحار (١/ ١٦٢)

[2] دیکھیں: یہودی نام...!

[3] اثنا عشریہ کے مہدی کا دوسرا دربان۔

[4] اگر فرض کیا جائے کہ اس کا کوئی وجود ہے تو پھر بھی ان کو کس نے بتایا ہے کہ وہ اس کی تحریر ہے؟ تحریریں تو ایک دوسرے سے مل جل جاتی ہیں، وہ آدمی جس کے ہاتھوں یہ رقعہ سامنے آیا، وہ غیر معصوم اور مشکوک ہے، کیوں کہ وہ اپنی ذات کے لیے فوائد سمیٹتا تھا، پھر اس رقعے کو محمد بن عثمان سے نقل کرنے والا بھی ایک یہودی نام ہے!!

سے نہیں، اس کی راہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کی راہ ہے، لیکن میرے چچا جعفر اور اس کی اولاد کی راہ بالکل یوسف کے بھائیوں کی راہ ہے ...‘‘[1]

یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لڑکے کے وجود کا انکار اس کے اہلِ بیت اور چچیروں کی طرف سے بھی ہوا تھا، جب کہ اس کے وجود کا دعویٰ باہر سے ہوا ہے، گھر سے نہیں تو دونوں میں کون تصدیق کے زیادہ قریب ہے؟ کیا اشراف آلِ بیت کو جھٹلا دیا جائے اور ایسے شخص کی تصدیق کی جائے، جس کی دین وعلم اور نسب میں کوئی شان ہے نہ مقام اور نہ پہچان؟!

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے گھر والے اور چچا زاد صرف اس کی حفاظت کی خاطر اس کی پردہ پوشی کر رہے تھے، لیکن منتظر مزعوم کی طرف سے صادر ہونے والا رقعہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ان کا انکار حقیقی تھا، کیوں کہ وہ ان پر کفر میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی طرح کا حکم لگا رہا ہے۔

اس کے بقول اللہ اور کسی کے درمیان کوئی قرابت داری نہیں، حالانکہ شیعہ کا سارا مذہب ہی اس بات پر قائم ہے کہ ان کے ائمہ کی رسول سے قرابت داری ہی نے یہ مرتبہ ان کے سپرد کیا ہے۔ اسی طرح ان کا جعفر کو ملعون کرنا، کذاب کا لقب دینا اور ہر عیب اور برائی کا الزام دینا، واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ حسن کے خاندان کا انکار حقیقت پر مبنی ہے، اس لیے اس دعوے کو پیش کرنے والوں نے ایسی روایات وضع کر لیں، جو جعفر، منتظر کے گھر والوں اور اس کے چچا زاد بھائیوں پر حملہ کرتی ہیں، ان کے انکار کی مذمت کرتی ہیں اور ان کے خلاف حسد و کینے سے لبریز ہیں۔ ان کے موقف کا اس زمانے میں اثر بھی تھا، کیوں کہ چند ایک شیعہ کے سوا تمام شیعہ اس کے بارے میں شک کا شکار ہو چکے تھے۔ شیعہ کے عالم نعمانی وغیرہ نے بھی اس کی گواہی دی ہے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ خود حسن عسکری نے، جس کی طرف اس لڑکے کی نسبت کی جاتی ہے، اس کی نفی اور تردید کی ہے، کیوں کہ اس نے اپنے مرض الموت میں اپنی وصیت اپنی والدہ کے نام کی، اپنے اوقاف اور صدقات کی نگرانی اس کے سپرد کی اور ملک کے سرکردہ افراد اور قاضیوں کو اس پر گواہ بنایا۔ کلینی نے کافی میں یہ روایت نقل کی ہے[2] اور ابن بابویہ نے ’’إکمال الدین‘‘[3] میں، ان دونوں کے علاوہ دوسروں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔[4]

---

[1] إكمال الدين (ص: ٤٥١) الاحتجاج (٢/ ٢٨٣) ط: النجف ١٣٨٦ھ، و (ص: ٤٦٩ـ ٤٧٠) ط: بيروت: ١٤٠١ھ، سفينة البحار (١/ ١٦٣) مقتبس الأثر (١٤/ ٣١٦)

[2] أصول الكافي (١/ ٥٠٥)

[3] إكمال الدين (ص: ٤٢)

[4] دیکھیں: الغيبة للطوسي (ص: ٧٥)

اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا، جو مسلمانوں کا امام ہوتا اور ان تمام کامل اور خارق العادت صفات کا حامل ہوتا تو اس کے لیے اس کو اپنا وکیل اور نائب بنائے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا، کیوں کہ جو امت کا وکیل اور رئیس ہو، جس کا وجود کائنات اور لوگوں کے لیے امان ہو، وہ اپنی پوشیدگی کے باوجود اپنے باپ کے اوقاف اور صدقات کی نگرانی سے عاجز نہیں ہوسکتا، جب اس (حسن) نے ایسا نہیں کیا تو یہ بات اس کی دلیل ٹھہری کہ اس کا اصل میں کوئی لڑکا ہے ہی نہیں۔

حسن عسکری کی اس عملی گواہی کے ہوتے ہوئے طوسی کے اس قول کی کوئی حیثیت نہیں کہ حسن نے قصداً اپنے بیٹے کی ولادت کو پوشیدہ رکھا، تا کہ سلطانِ وقت کو اس کی خبر نہ ہو سکے۔[1] کیوں کہ یہ قول بلا دلیل دعویٰ ہے۔ ان تمام دلائل سے اس کے وجود اور اس پر مرتب ہونے والے تمام عقائد و اعمال کا باطل ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

یہ اہلِ سنت، اکثر شیعہ فرقوں، نقابتِ آلِ ابی طالب، خاندانِ آلِ ابو طالب، خود حسن عسکری اور اس کے بھائی جعفر کی گواہی ہے۔ یہ تمام شہادتیں اور گواہیاں اس لڑکے کے دعوے کی نفی کرتی ہیں اور ان تمام اغیار اور دور کے لوگوں کے دعوے کی بھی تردید کرتی ہیں، جنھوں نے بابیت اور اس لڑکے کو دیکھنے کا دعویٰ کیا تھا۔

اس کے وجود کے مفروضے کو تسلیم کرتے ہوئے اگر یہ بھی اضافہ کر لیا جائے کہ ہزاروں سال تک اس کا زندہ رہنا ہی ناممکن ہے تو اس دعوے کی تردید مزید ہوجاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کی عمر میں، مخلوق کو اس کی ضرورت کے پیشِ نظر، اضافہ کرنا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کی عمر میں اضافہ کرتا، جس طرح ابو الحسن رضا نے کہا اور یہ عجیب ہے کہ اتنی طویل مدت کے باوجود کسی کو بھی اس کے ٹھکانے کا کچھ پتا ہے نہ اس کی جگہ اور مقام ہی کا کسی کو علم ہے، پھر کوئی ایسا اس کی خبر بھی نہیں لے کر آتا، جس کی بات پر اعتماد کیا جا سکے! ہر وہ شخص جس کے لیے کسی ظالم سے اپنی جان کے خوف یا کسی دوسرے مقصد کی خاطر چھپنا ضروری ہو، اس کی چھپنے کی مدت اتنی طویل نہیں ہوتی اور وہ ہر ایک پر مخفی بھی نہیں ہوتا۔

جو امت کا پہلا ذمے دار اور پشتی بان ہو، وہ اتنی طویل مدت تک کیونکر چھپ سکتا ہے؟ کیا یہ تمام قرائن اس حقیقت کے کھلے اور روشن دلائل نہیں کہ غیبوبت کی کہانی ایک خیالی داستان ہے، جس کو زرخرید مفاد پرستوں، زندیقوں اور حاسدین نے گھڑا ہے؟ ایسے لگتا ہے کہ اس نظریے کے پسِ منظر مادی اور سیاسی مفاد اور محرک تھا۔ اموال جمع کرنے کی ہوس اور خلافتِ اسلامیہ کی سلطنت توڑنے کی کوشش اس نظریے کی اختراع کے یہ دو بنیادی اہداف تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مال کی زبان شیعہ فرقوں کے (مرشدوں) میں عام اور شائع تھی اور

[1] الغيبة (ص: ٧٥)

یہ ان کے اختلاف اور تنازع کا بنیادی مصدر اور منبع تھا، خود شیعہ روایات نے بھی یہ بات محفوظ کی ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

اسی طرح ''امامت'' اور ''خلافت'' کا مسئلہ بھی ان شیعہ خفیہ تنظیموں کی زبان زدِ عام تھا اور ان کی گفتگو اسی کے محور میں گھومتی تھی، پھر پوشیدہ امام کے نظریے کی تخلیق ان کو آلِ بیت سے نجات دے سکتی تھی اور قیادت ان کے ہاتھوں میں سونپ دیتی۔

ان کو اس مقصد تک پہنچنے کے لیے غور وفکر اور بحث وتفکیر کی ذرہ بھر مشقت نہیں اٹھانی پڑی، کیوں کہ ان کو مجوسیت میں یہ بنا بنایا نظریہ مل گیا۔ مجوسی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کا بھی ایک زندہ مہدی ہے جو باقی ہے اور اس کا وہ انتظار کر رہے ہیں ...، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

پانچویں فصل

رجعت (دنیا میں واپسی)

عقیدہ رجعت شیعہ مذہب کے اصول میں شمار ہوتا ہے، اس کے متعلق شیعہ کی ایک روایت میں ہے:

''وہ ہم میں سے نہیں، جو ہمارے دوبارہ آنے پر ایمان نہیں رکھتا۔''[1]

ابن بابویہ ''اعتقادات'' میں لکھتا ہے:

''رجعت کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ حق ہے۔''[2]

مفید کہتا ہے:

''بہت سے فوت شدگان کی رجعت کے وجوب پر امامیہ کا اتفاق ہے۔''[3]

طبرسی اور حر عاملی وغیرہ شیعہ علما کہتے ہیں:

''یہ شیعہ امامیہ کے نزدیک مقامِ اجماع ہے[4] اور ان کے مذہب کے بدیہی مسائل میں داخل ہے۔''[5]

وہ رجعت کے اقرار، اس کے اعتقاد، دعاؤں، زیارات، جمعے کے دن اور ہر وقت اس کے اعتراف کے اسی طرح مامور ہیں، جس طرح توحید، نبوت، امامت اور قیامت کے اقرار کا ان کو حکم ہے۔[6]

رجعت کا معنی:

مرنے کے بعد دنیا میں واپس آنا، رجعت کہلاتا ہے۔[7]

[1] کتبِ شیعہ سے اس روایت کی تخریج گزر چکی ہے۔ دیکھیں (ص:۶۴)

[2] الاعتقادات (ص: ۹۰)

[3] أوائل المقالات (ص: ٥١)

[4] الطبرسي: مجمع البيان (٥/ ٢٥٢) الحر العاملي: الإيقاظ من الهجعة (ص: ٣٣) الحويزي: نور الثقلين (٤/ ١٠١) المجلسي: بحار الأنوار (٥٣/ ١٢٣) مجلسی نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے تمام زمانوں میں اس عقیدے پر اجماع کیا ہے۔

[5] الإيقاظ من الهجعة (ص: ٦٠)

[6] الإيقاظ من الهجعة (ص: ٦٤)

[7] القاموس (٣/ ٢٨) مجمع البحرين (٤/ ٣٣٤)

ابن اثیر ذکر کرتے ہیں:

''یہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے ایک گروہ کا مذہب تھا، جو ان کے ہاں معروف ومشہور تھا۔''[1]

بہت سے شیعہ فرقوں کا مذہب ہے کہ ان کے ائمہ اس دنیا میں لوٹ آئیں گے، کچھ ان کی موت کا اقرار کرتے ہیں اور اس کے بعد ان کی رجعت کے قائل ہیں، لیکن کچھ ان کی موت ہی کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے پردہ کر لیا ہے اور عن قریب وہ دوبارہ آئیں گے، جیسا کہ غیبوبت کی مبحث میں اس کا تذکرہ ہوا ہے۔ رجعت کا نظریہ سب سے پہلے ابن سبا نے پیش کیا، البتہ وہ کہتا تھا کہ امام چھپ گیا ہے، عن قریب وہ لوٹ آئے گا اور اس نے اس کی موت تصدیق نہ کی۔

سبائی اور کیسانی وغیرہ فرقوں کے نزدیک رجعت کا عقیدہ امام کی رجعت اور واپسی کے ساتھ خاص تھا، لیکن یہ اثنا عشریہ کے نزدیک امام اور بہت سارے لوگوں کے لیے عام ہوگیا۔ علامہ آلوسی یہ ذکر کرتے ہیں کہ تیسری صدی میں شیعہ کے نزدیک رجعت کا مفہوم امام کی رجعت سے عام معنی میں تبدیل ہوگیا۔[2]

بلکہ بعض شیعہ فرقے تو رجعت کے عقیدے کو اپنانے اور اس کو غیر معمولی اہمیت دینے کی وجہ سے ''رجعیہ'' کے نام سے مشہور ہوگئے۔[3] جہاں تک اثنا عشری شیعہ کے نزدیک نظریۂ رجعت کا عام مفہوم ہے تو وہ تین اصناف پر مشتمل ہے:

صنفِ اول: جب بارھواں امام ''مہدی'' اپنی کمین گاہ سے باہر نکلے گا اور اپنی پوشیدگی سے لوٹ آئے گا اور باقی ائمہ اپنی موت کے بعد زندہ ہوں گے اور اس دنیا میں لوٹ آئیں گے۔

صنفِ دوم: وہ مسلمان حکمران اور والیانِ ریاست، جنھوں نے ۔ان کی نگاہ میں۔ خلافت کو اس کے شرعی حق داروں (بارہ امام) سے چھینا، چناں چہ خلفائے مسلمین کو، جن میں سرفہرست سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ہیں، ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا، وہ ،جس طرح شیعہ خواب دیکھتے ہیں، اس دنیا میں لوٹائے جائیں گے، ان سے خلافت کو اس کے حق داروں سے چھیننے کی وجہ سے قصاص لیا جائے گا اور ان کو ایذائیں دے کر صلیب پر چڑھا دیا جائے گا۔

---

[1] النهاية (٣/ ٢٠٢)

[2] روح المعاني (٢٠/ ٢٧) نیز دیکھیں: أحمد أمين: ضحى الإسلام (٣/ ٢٣٧)

[3] ایک فرقے کے طور پر اس کا ذکر ابن جوزی نے تلبيس إبليس (ص: ٢٢) قرطبی نے بيان الفرق (الورقة: ٣ أ، مخطوط) صاحب الرسالة الفرقية المشهور بعالم محمد أفندي (ص: ٢، مخطوط غير مرقم الصفحات) اور سلخی نے شرح الأثنتين والسبعين فرقة (الورقة: ١٣ ب، مخطوط) میں کیا ہے۔

صنفِ سوم: عامة الناس، ان میں خالص ایمان کے حاملین کو مخصوص کیا جائے گا، جن میں بالعموم تمام شیعہ شامل ہیں، کیوں کہ ان کی روایت اور علما کے اقوال اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان شیعہ کے ساتھ خاص ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[1]

ان کے علاوہ جتنے لوگ ہیں، وہ سب بجز مستضعفین[2] اور کمزوروں کے خالص کافر ہیں، اسی لیے یہ رجعت کی تعریف میں کہتے ہیں:

''یہ بہت سارے مردوں کا قیامت سے پہلے دنیا میں لوٹ آنے اور مرنے کے بعد زندگی کی طرف آنے کا نام ہے۔''[3]

یہ اپنی انھیں شکلوں میں لوٹ کر آئیں گے، جو ان کی پہلے تھیں۔[4] دنیا میں جو لوٹ کر آنے والے ہیں، وہ یہ ہیں:

''نبی خاتم (ﷺ) تمام انبیا، ائمہ معصومین، خالص اسلام کے حاملین اور طبقہ جاہلیہ کے علاوہ جن کو مستضعفین سے تعبیر کیا جاتا ہے، خالص کافر۔''[5]

شیعہ کے عالم مفید کے الفاظ میں: ''جس کا ایمان میں درجہ بلند ہو چکا ہو اور جو فساد کی انتہا تک پہنچ چکا ہو، یہ تمام اپنی موت کے بعد لوٹیں گے۔''[6] اسی طرح جس نے کسی سے قصاص لینا ہو، چاہے وہ کفر میں خالص نہ بھی ہو، وہ بھی دنیا میں لوٹے گا اور اپنے قاتل سے قصاص لے گا۔[7]

رجعت عامہ کا زمانہ مفید وغیرہ کے بقول: ''مہدی آلِ محمد کے قیام کے وقت ہوگا''[8] نیز جب وہ اپنی

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (٦١٤) دیکھیں۔

[2] ''مستضعفین'' شیعہ کی اصطلاح ہے، جو ان کے مصادر و مآخذ اور قدیم و معاصر علما کی زبان میں عام استعمال ہوتی ہے۔ یہ مجلسی کے قول کے مطابق، ضعیف العقل لوگ ہیں، جن میں عاجز عورتیں، کم عقل مرد، فترت اور غیوبت کے زمانے میں مرنے والے لوگ جن پر حجت مکمل نہیں ہوتی، یا ایسے علاقے اور جگہ کے مکین ہیں، جن تک حجت کی خبر نہ پہنچتی ہو۔ یہ تمام اللہ کے حکم سے امید لگائے بیٹھے ہوں گے، چاہے تو ان کو سزا دے دے یا پھر ان پر مہربانی کر دے تو ان کے لیے آگ سے نجات کی امید پیدا ہو جائے۔ (بحار الأنوار: ٨/ ٣٦٣، الاعتقادات للمجلسي، ص: ١٠٠)

[3] المفيد: أوائل المقالات (ص: ٥١) الحر العاملي: الإيقاظ من الهجعة بالبرهان على الرجعة.

[4] أوائل المقالات (ص: ٩٥)

[5] جواد تارا: دائرة المعارف العلوية (١/ ٢٥٣)

[6] أوائل المقالات (ص: ٩٥)

[7] كريم بن إبراهيم: الفطرة السليمة (ص: ٣٨٣)

[8] دیکھیں: أوائل المقالات (ص: ٩٥) الحر العاملي: الإيقاظ من الهجعة (ص: ٥٨)

غیوبت سے واپس آ جائے گا، لیکن شیعہ کے بعض علما کہتے ہیں کہ رجعتِ عامہ مہدی کے ظہور کے ساتھ منسلک نہیں، کیوں کہ اس کے بقول ''رجعت ظہور نہیں، اس لیے کہ ان کا امام زندہ غائب ہے اور ان شاء اللہ ظاہر ہوگا، اس نے کوئی بادشاہت سلب نہیں کی کہ اس کی طرف لوٹ کر آئے گا، رجعت کا نظریہ حضرت حسین کے دنیا میں لوٹ کر آنے سے ماخوذ ہے۔''[1]

یہ بات ان روایات کے ساتھ بھی متفق ہے، جن کے مطابق:

''سب سے پہلے جس کی قبر شق ہوگی اور جو دنیا کی طرف لوٹ کر آئے گا، وہ حسین بن علی ہوں گے۔''[2]

شیعہ کی کچھ روایات یہ بھی ذکر کرتی ہیں کہ رجعت کا آغاز حجرۂ نبویہ کو منہدم کرنے اور دونوں خلفاے راشدین کے اجسادِ مطہرہ کو نکالنے سے ہوگا، جس طرح یہ قوم خواب دیکھتی ہے۔ شیعہ کی روایات میں ذکر ہوا ہے کہ ان کا منتظر کہے گا:

''میں یثرب آؤں گا، حجرے کو گراؤں گا، اس سے ان دونوں کو نکالوں گا اور وہ تر وتازہ ہوں گے، چنانچہ میں ان دونوں کو بقیع کی طرف لے جانے کا حکم دوں گا، دو لکڑیاں لگانے کا حکم دوں گا، جن پر ان دونوں کو مصلوب کر دیا جائے گا، پھر ان کے نیچے پتے بچھا دیے جائیں گے، تو لوگ پہلے سے زیادہ ان کے فریفتہ ہو جائیں گے۔ ایسے میں ایک آواز لگانے والا آواز لگائے گا، فتنہ آسمان سے ہے۔ اے آسمان پھینک دے۔ اے زمین پکڑ لے! اس دن زمین پر صرف وہی بچے گا، جو مومن (شیعہ) ہوگا اس کے بعد لوٹنا اور واپسی ہوگی۔''[3]

رجعت کا مقصد ائمہ اور شیعہ کا اپنے دشمنوں سے انتقام لینا ہے[4] اور وہ دشمن شیعہ کے سوا تمام مسلمان بجز مستضعفین (کمزور لوگ) ہیں، اس لیے شیعہ کی تلواریں مسلمانوں کو بہ کثرت قتل کرنے کی وجہ سے خون سے نہائی ہوئی ہوں گی، بلکہ ان سے خون ٹپک رہا ہوگا، بلکہ ابو عبداللہ نے تو یہاں تک کہا ہے:

''گویا میں چشمِ تصور سے حمران بن اعین اور میسر بن عبدالعزیز کو دیکھ رہا ہوں، وہ لوگوں کو صفا اور مروہ کے درمیان اندھا دھند اپنی تلواروں سے قتل کیے جا رہے ہیں۔''[5]

---

[1] كريم بن إبراهيم: الفطرة السليمة (ص: ٣٨٣)

[2] بحار الأنوار (٥٣/ ٣٩)

[3] المصدر السابق (٥٣/ ١٠٤۔ ١٠٥)

[4] دیکھیں: الإيقاظ من الهجعة (ص: ٥٨)

[5] بحار الأنوار (٥٣/ ٤٠) مجلسی نے یہ روایت مفید کی کتاب ''الاختصاص'' کی طرف منسوب کی ہے، لیکن مجھے اس کی موجودہ طبعہ میں یہ روایت نہیں مل سکی۔

اس امر میں بالکل کوئی شک نہیں کہ قتلِ عام کی جگہ کی مسجد حرام کے ساتھ تعیین کرنا، اس بات پر قطعی دلالت کرتا ہے کہ قتل سے ان کا مقصود مسلمانوں کا قتل ہے، لہٰذا یہ ہیں امامیہ شیعہ کے خواب! یہ روایت، اس بات سے قطع نظر کہ اس میں خرافاتی عنصر موجود ہے، ہمارے سامنے ان شیعہ گروہوں کے طرزِ تفکیر، ان کے اہداف اور منصوبوں کی صورت پیش کرتی ہے، جنھوں نے یہ روایات وضع کیں۔

یہ روایت سازی اس گروہ کے دل میں دبی ہوئی مذموم خواہشات اور دبائے ہوئے مبغوض رجحانات کو جواز مہیا کرنے اور پروجیکشن دینے کی کوششیں ہیں، جو امت کو تباہی سے دوچار کرنے کے لیے ہر دم سازشیں کر رہے ہیں۔ اسی طرح یہ خفیہ روایات [1] تاریخ میں قرامطیوں کے ہاتھوں حاجیوں کے حرم کے اندر قتل کے بعض واقعات کی بھی ہمارے سامنے وضاحت کرتی ہیں۔[2]

آلِ بیت کی طرف منسوب ان جیسی روایات ہی سے وہ اپنے تخریبی عنصر کو اپنا خونی کھیل کھیلنے کے لیے سندِ جواز مہیا کرتے تھے۔ یہ روایات ان خواہشات کا مدعا بھی بیان کرتی ہیں، جن کا شیعہ اس زمانے میں اظہار کیا کرتے تھے، ان روایات میں وہ مکہ اور مدینے کو فتح کرنے کی حسرت اور شوق کا کھلے عام اظہار کرتے تھے، گویا وہ کفار کے ہاتھوں میں ہیں۔[3]

اسی طرح رجعت میں حضرت حسین کے ہاتھوں لوگوں کا حساب بھی حقیقت کا روپ دھار لے گا۔ ابوعبداللہ کا کہنا ہے:

> ''وہ جو قیامت سے پہلے لوگوں کا حساب لے گا، وہ حسین بن علی ہوگا۔ قیامت کے دن تو یا جنت میں جانا ہوگا یا جہنم میں۔''[4]

رجعت میں مخلوق کی چنیدہ شخصیات، جو انبیاے کرام ہیں، حضرت علی کا لشکر بن جائیں گے، جس طرح یہ دروغ گو کہتے ہیں:

> ''ہر وہ نبی یا رسول جس کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا ہے، ان تمام کو وہ دنیا میں لوٹائے گا، حتی کہ وہ امیر المومنین علی بن ابی طالب کے سامنے قتال کریں گے۔''[5]

---

[1] کیوں کہ رجعت ایک راز تھا، جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔

[2] دیکھیں: حوادث سنة ٣١٧ھ، في المنتظم لابن الجوزي (٦/ ٢٢٢ وما بعدها) البداية والنهاية لابن كثير (١١/ ١٦٠) و تاريخ ابن خلدون (العبر: ٣/ ١٩١)

[3] معاصر شیعہ کے باب میں ان کے الفاظ کا ذکر ہوگا۔

[4] بحار الأنوار، باب الرجعة (٥٣/ ٤٣)

[5] المصدر السابق (٥٣/ ٤١)

اسی طرح شیعہ یہ خواب بھی دیکھتے ہیں کہ رجعت میں ان کی زندگی ایسی نعمتوں سے مالا مال ہوگی، جن کا تصور بھی کسی دل میں نہیں آ سکتا، حتی کہ ان کا کھانا پینا سب جنت سے ہوگا،[1] وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا یا آخرت کی جو حاجت بھی طلب کریں گے، وہ ان کے لیے پوری کر دی جائے گی۔[2]

شیعہ فرد کو اس کی قبر میں رجعت یا قبر میں قیام کے درمیان اختیار دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا:

''اے فلاں، تمھارا مالک (امامِ زمانہ) ظاہر ہو چکا ہے، اگر تم اس سے جا ملنا چاہتے ہو تو مل جاؤ اور اگر تم اپنے رب کی کرامت (مہمان نوازی) میں رہنا چاہتے ہو تو رہو۔''[3]

وہ شیعہ جو اس سے پہلے مر گیا تھا، اس کے لیے رجعت اس طرح ختم ہوگی کہ وہ قتل ہوگا اور جو قتل ہوا تھا وہ مر جائے گا۔ شیعہ اپنی روایات میں کہتے ہیں:

''ہر وہ مومن جو قتل ہوا، وہ ضرور بہ ضرور لوٹے گا، حتی کہ مر جائے اور ہر وہ مومن جو مرا، وہ ضرور اٹھایا جائے گا، حتی کہ وہ قتل ہوگا۔''[4]

ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ عقیدۂ رجعت شیعہ مذہب کے سربستہ رازوں میں سے ایک راز تھا، اسی لیے معتزلہ کے ایک عالم ابوالحسین خیاط[5] نے ذکر کیا ہے:

''یہ اس کو چھپانے، اپنی مجالس میں اس کا ذکر نہ کرنے اور اپنی خفیہ کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں میں بیان نہ کرنے اور عدمِ اظہار کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے تھے۔''[6]

میں نے اثنا عشریہ کی کتابوں میں رجعت کو چھپانے کی وصیت کا، جس کا خیاط نے ذکر کیا ہے، تذکرہ پایا ہے۔ شیعہ کی بعض کتب ابوجعفر سے روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا:

''جبت اور طاغوت[7] کا ذکر نہ کرو، نہ رجعت کا نام لو، اگر وہ تم سے کہیں تم یہ کہا کرتے تھے تو کہو:

---

[1] بحار الأنوار (٥٣/ ١١٦)

[2] المصدر السابق.

[3] الغيبة للطوسي (ص: ٢٧٦) بحار الأنوار (٥٣/ ٩٢)

[4] تفسير القمي (٢/ ١٣١) البرهان (٣/ ٢١١) تفسير الصافي (٤/ ٧٦) بحار الأنوار (٥٣/ ٤٠) نیز دیکھیں: بحار الأنوار (٣٩، ٤١، ٥٣، ٧٧، ١٣٧) مزید دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٤٠٧۔ ٤٠٨)

[5] یہ سن ۳۰۰ھ سے پہلے زندہ تھا۔ دیکھیں: معجم المؤلفين (٥/ ٢٢٣)

[6] الانتصار (ص: ٩٧)

[7] مجلسی کہتا ہے: ''دونوں ملعونوں کو یہ نام نہ دو، یا ان کے ساتھ کسی صورت تعرض نہ کرو'' (بحار الأنوار: ٥٣/ ٤٠) وہ ان الفاظ سے رسول اللہ ﷺ کے دونوں خلفا، آپ کے سسر اور دوست حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

لیکن آج ہم نہیں کہتے۔‘‘[1]

ایک دوسری روایت میں ہے، جس کو یہ صادق کی طرف منسوب کرتے ہیں:

’’جبت، طاغوت اور رجعت کا ذکر نہ کرو، اگر وہ کہیں: تم کہا کرتے تھے؟ تو کہو: اب ہم نہیں کہتے، یہ تقیے کے باب سے ہے، جس کے ساتھ اللہ کے بندے، اوصیا کے زمانے میں اس کی بندگی کرتے ہیں۔‘‘[2]

یہ ہیں وہ خفیہ تعلیمات اور سرکلرز، جن کا شیعہ گروہ پس میں تبادلہ کیا کرتے تھے، پھر ان کو قطعیت اور قوت کا رنگ دینے کے لیے علمائے آلِ بیت کی طرف منسوب کر دیتے، تاکہ نوعمر لڑکوں، عجمیوں اور تمام جاہل پیروکاروں کو دھوکا دے سکیں۔

رجعت کے لیے ان کا استدلال:

شیعہ علما رجعت کا ثبوت تلاش کرنے کے لیے، جس میں ان کا موقف تمام مسلمانوں سے ہٹ کر ہے، کتاب اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن جب ان کو اپنا مقصد وہاں حاصل ہوتا نظر نہ آیا تو انھوں نے حسبِ عادت باطنی تاویل کا سہارا لیا اور انحراف کی پشت پر سوار ہوگئے، اس راستے میں وہ اکیلے سرپٹ چلے اور انھوں نے کلامِ الٰہی سے اپنی مراد لینے کے لیے اس قدر بے جا تکلف کا مظاہرہ کیا کہ ان کا استدلال انھی کے خلاف حجت، ان کے اعتقاد کے جعلی پن کی دلیل اور ان کے مذہب کے باطل ہونے پر برہان ثابت ہوا۔

یہاں ہم ان کی نظر میں ان کی سب سے قوی اور مشہور دلیل پیش کرتے ہیں، تاکہ یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائے۔ شیعہ کے شیخ المفسرین کا خیال ہے کہ رجعت کی سب سے بڑی دلیل یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ حَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٩٥]

’’اور لازم ہے اس بستی پر جسے ہم ہلاک کر دیں کہ بے شک وہ واپس نہیں لوٹیں گے۔‘‘

اس کے الفاظ ہیں:

’’یہ آیتِ رجعت کی سب سے بڑی دلیل ہے، کیوں کہ اہلِ اسلام میں سے کوئی بھی اس بات کا منکر نہیں کہ تمام لوگ خواہ وہ ہلاک ہوئے یا نہیں ہوئے، قیامت کے دن لوٹیں گے۔‘‘[3]

[1] بحار الأنوار (٥٣/ ٣٩)

[2] المصدر السابق (٥٣/ ١١٥۔ ١١٦)

[3] تفسير القمي (٢/ ٧٦) اس نے رجعت کی اس سب سے بڑی مزعوم دلیل کا یہ عنوان باندھا ہے: ’’رجعت پر دلالت کرنے والی سب سے عظیم آیت‘‘

حالانکہ یہ آیت شیعہ کے خلاف دلیل ہے، جو دنیا میں لوٹنے کی نفی پر دلالت کرتی ہے، کیوں کہ اس کا معنی ابن عباس، ابوجعفر باقر، قتادہ اور کئی ایک مفسرین کے واضح الفاظ میں یہ ہے کہ ہر بستی کے وہ تمام باشندگان جو اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے، ان پر قیامت کے دن سے پہلے دنیا میں لوٹنا محال اور حرام ہے۔[1]

یہ آیت ان آیات کی طرح ہے:

﴿ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لاَ يَرْجِعُوْنَ﴾ [يٰسٓ: ٣١]

''کیا انھوں نے نہیں دیکھا، ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے کہ بے شک وہ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آتے۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَلاَ يَسْتَطِيعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلاَ اِلَى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ [يٰسٓ: ٥٠]

''پھر وہ نہ کسی وصیت کی طاقت رکھیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس آئیں گے۔''

یہاں ''لا'' کا اضافہ ''حرام'' میں جو نفی کا معنی ہے، اس کی تاکید کے لیے آیا ہے۔ یہ قرآنِ کریم کا بدیع، بلیغ اور انتہائی زیادہ دقیق اسلوب ہے۔ واضح الفاظ میں دنیا میں واپس نہ آنے کی خبر دینے میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ ابدی ہلاکت اور ان کی سب سے بڑی خواہش یعنی دنیا کی زندگی کے ختم ہو جانے کی وجہ سے ان کو جو پریشانی، افسوس اور درد لاحق ہوگا، اس کا اظہار اور ابلاغ کیا جائے۔[2]

اگر رجعت کا اثبات مقصود ہے تو وہ بلاشبہہ قیامت کے دن لوگوں کا واپس آنا ہے،[3] یعنی ان کا جزا کے لیے ہماری طرف نہ لوٹنا قطعاً ناممکن ہے۔[4] خصوصیت کے ساتھ ان کے عدمِ رجوع کے ناممکن ہونے کا ذکر، اس لیے ہوا ہے، کیوں کہ دوسروں کے سوا صرف وہ لوگ دوبارہ اٹھائے جانے اور قیامت کے دن واپسی کے منکر تھے، حالاں کہ عدمِ رجوع کا ناممکن ہونا سب کو شامل ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

---

[1] دیکھیں: تفسير ابن كثير (٣/ ٢٠٥)

[2] تفسير القمي (١١/ ٢٩٣)

[3] کچھ مفسرین کا یہی موقف ہے، ان کے خیال کے مطابق یہ آیت ایمان بالبعث کی تقریر اور اثبات میں ہے اور یہ پہلی آیت کا تتمہ اور اثبات ہے، جس میں ہے: ﴿كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٩٣] یہاں لا ''حرام'' کے ساتھ نفی کی قبیل سے ہوگا، جو اثبات پر دلالت کرتا ہے، معنی یہ ہوگا: ہلاک ہونے والی بستی پر آخرت میں عدمِ رجوع حرام ہے، بلکہ جزا و سزا کے لیے اس کا رجوع واجب اور لازمی ہے۔ لہٰذا منکرِ بعث کے موقف کی تردید مقصود ہوگی۔ دیکھیں: تفسير القاسمي (١/ ٢٩٣)

[4] فتح القدير (٣/ ٤٢٦)

﴿ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴾ [الأنبياء: ٩٣] ''سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔''[1]

علامہ آلوسی[2] کے بقول مشہور ترین آیت، جس سے امامیہ رجعت کے لیے استدلال کرتے ہیں، وہ یہ ہے:

﴿ وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا ﴾ [النمل: ٨٣]

''اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک جماعت اکٹھی کریں گے، ان لوگوں سے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے۔''

یہ آیت مفسرین کے بقول یوم ِجزا و سزا اور یوم ِحساب سے متعلق ہے، جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے،[3] لیکن یہ لوگ اس کو اپنے عقیدہ رجعت سے متعلق قرار دیتے ہیں۔

شیعہ کا شیخ شبر کہتا ہے کہ ''اس آیت کی ان کی روایات میں رجعت کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔''[4]

طبرسی کہتا ہے:

''امامیہ میں سے جو رجعت کا قائل ہے، اس نے اس آیت سے اس کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے، وہ اس طرح کہ کلام میں ''مِنْ'' کا آنا تبعیض (بعض، کل نہیں) کو لازم کرتا ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کچھ لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، کچھ کو نہیں کیا جائے گا۔ یہ قیامت کے دن کی صفت اور خصوصیت نہیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴾ [الكهف: ٤٧]

''اور ہم انھیں اکٹھا کریں گے تو ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔''[5]

جہاں تک پہلے ''مِنْ'' کا تبعیض کے لیے ہونا ہے، تو یہ کلام عرب میں عام اور شائع بات ہے۔''[6]

کیوں کہ ہر امت تصدیق کرنے والے اور جھٹلانے والے کے درمیان منقسم ہے، یعنی ہر امت میں کوئی

---

[1] روح المعاني (١٧/ ٩١)

[2] المصدر السابق (٢٠/ ٢٦)

[3] دیکھیں: تفسير الطبري (٢٠/ ١٧) تفسير البغوي (٣/ ٤٣٠) ابن الجوزي: زاد المسير (٦/ ١٩٤) القرطبي: الجامع لأحكام القرآن (١٣/ ٢٣٨) البحر المحيط لأبي حيان (٧/ ٩٨) تفسير ابن كثير (٣/ ٣٩٣) الشوكاني: فتح القدير (٤/ ١٥٣۔ ١٥٤ وغيرها)

[4] تفسير شبر (ص: ٣٦٩)

[5] تفسير الطبرسي (٥/ ٢٥١۔ ٢٥٢)

[6] دیکھیں: البحر المحيط لأبي حيان (٧/ ٩٨) روح المعاني للألوسي (٢٠/ ٢٦)

تصدیق کرنے والا ہے تو کوئی جھٹلانے والا، اس دن وہ تمام انبیا کی امتوں میں سے ہر امت کو اکٹھا کرے گا یا تمام صدیوں میں سے ہر صدی کے باشندوں میں سے بہت ساری اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والی جماعتوں کو اکٹھا کرے گا۔[1]

یہ آیت کسی صورت میں مرنے کے بعد دنیا میں واپس آنے پر دلالت نہیں کرتی، لیکن شیعہ ہر اس آیت کو، جو یومِ آخرت کے متعلق ہے اور اس میں لوگوں کا اپنے رب کی طرف لوٹنے کا ذکر ہے، اپنی عادت کے مطابق اپنے عقیدۂ رجعت پر صادق کرتے ہیں۔ جھٹلانے والوں کی اس حشر اور بعث کے ساتھ تخصیص ان کے خیال کی آبیاری اور تصدیق نہیں کرتی، کیوں کہ یہ حشر، تمام مخلوق کے مکمل اور کلی حشر کے بعد جھٹلانے والوں کو سزا دینے اور سرزنش کرنے کے لیے برپا ہوگا۔[2]

جہاں تک دوسرے "مِنْ" کا تعلق ہے تو وہ بیانیہ ہے، جو "فَوْجاً" کے بیان اور تفصیل میں ذکر ہوا ہے۔[3] اس لیے ایک معاصر شیعہ مفسر نے اس تاویل میں اپنی قوم کی گمراہی کو بھانپ لیا، چناں چہ وہ اس کی تفسیر میں کہتا ہے:

> ''یہاں "مِنْ" بیانیہ ہے، مکمل تبعیض کے لیے نہیں، جس طرح کہا جاتا ہے: "خاتم من حديد" (انگوٹھی؛ لوہے کی) معنی یہ ہوگا کہ امتیوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور بینات کی تصدیق اور تکذیب کرنے والے دونوں گروہ ہوں گے اور وہ حساب و جزا و سزا کے لیے تمام جھٹلانے والوں کو بلا استثنا اکٹھا کرے گا، اس نے خصوصیت کے ساتھ ان کا حشر کا ذکر اس لیے کیا ہے، حالانکہ یہ حشر تمام کو شامل ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈرانے اور وعید دلانے کا قصد کیا ہے۔''[4]

وہ آیات جن کی یہ لوگ رجعت کے ساتھ تاویل کرتے ہیں، ان میں ایک یہ آیت بھی ہے:

﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ [عبس: ١٧]

''مارا جائے انسان! وہ کس قدر ناشکرا ہے۔''

تفسیر قمی میں ذکر ہوا ہے:

---

[1] روح المعاني (٢٠/ ٢٦) نیز گذشتہ صفحے کے حاشیے میں مذکور حوالہ جات بھی ملاحظہ کریں۔

[2] دیکھیں: فتح القدير (٤/ ١٥٤) روح المعاني (٢٠/ ٢٦)

[3] روح المعاني (٢٠/ ٢٦)

[4] محمد جواد مغنية: التفسير المبين (ص: ٤٤١)

’’﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ [عبس: ۱۷] اس سے مراد امیر المومنین ہیں۔‘‘

وہ کہتا ہے:

’’﴿مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ یعنی اس نے کیا گناہ کیا کہ انھوں نے ان کو قتل کر دیا۔ ﴿ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ﴾ پھر اس نے اس کو فوت کیا اور قبر دی، ﴿ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ﴾ پھر جب وہ چاہے گا اس کو اٹھالے گا۔‘‘[1]

اس نے رجعت کے متعلق کہا:

﴿ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ﴾ [عبس: ۲۳]

’’ہرگز نہیں، ابھی تک اس نے وہ کام پورا نہیں کیا جس کا اس نے اسے حکم دیا۔‘‘

یعنی امیر المومنین نے وہ فیصلہ ابھی نہیں کیا، جس کا اس نے ان کو حکم دیا تھا، وہ عن قریب آئے گا، تاکہ اس کے حکم کو نافذ کر سکے۔‘‘[2]

یہاں چند امور قابلِ ملاحظہ ہیں:

① شیعہ کے عالم قمی نے اس آیت: ﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ میں ’’الإنسان‘‘ کی حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ تاویل کی ہے، حالانکہ آیت کی نص اور سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں ’’الإنسان‘‘ سے مراد کافر ہے، اس لیے سلف صالحین نے اس کی تفسیر میں کہا ہے:

’’کافر انسان پر لعنت ہو، وہ کتنا کافر اور ناشکرا ہے۔‘‘[3]

تو کیا اس جیسی تاویل خفیہ انداز میں امیر المومنین کی گستاخی کے لیے تو وضع نہیں کی گئی یا یہ شیعہ کے کاملیہ[4] گروہ کے آثار کا نتیجہ ہے، جو امیر المومنین اور بقیہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کے قائل ہیں، اور اثنا عشریہ نے

---

[1] سورة عبس [آیت: ۲۱، ۲۲]

[2] تفسير القمي (۲/ ٤٠٥)

[3] تفسير الطبرسي (۳۰/ ٥٤)

[4] کاملیہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیا تھا، کیوں کہ انھوں نے صحابہ کرام سے تنازع کرنا ترک کر دیا تھا۔ انھوں نے تمام صحابہ کو بھی کافر قرار دیا۔ یہ فرقہ حضرت علی کی امامت تسلیم نہیں کرتا۔
ناشی اکبر کے ہاں ان کا کمیلیہ کے نام سے ذکر ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کمیل بن زیاد کے ماننے والے تھے، اس نے بھی ان کا یہی مذہب بیان کیا ہے، جو ذکر ہوا ہے، لیکن اشعری، بغدادی اور شہرستانی کے ہاں ان کا کاملیہ کے نام سے ذکر ہوا ہے۔ اشعری کہتے ہیں: یہ ابو کامل کے پیروکار تھے۔ دیکھیں: مسائل الإمامة (ص: ٤٥) المقالات والفرق (ص: ١٤) مقالات الإسلاميين (۱/ ۸۹) الفرق بين الفرق (ص: ٥٤) الملل والنحل (۱/ ۱۷٤)

ان کو کچھ تبدیل کر کے اپنے مذہب کا حصہ بنا لیا؟ یا پھر یہ ہے کہ اس روایت کا موجد کوئی عجمی ہے، جو قرآن کی لغت سے نابلد ہے، جو اس کے تعصب اور زندیقیت نے اس کو لکھوا دیا، اس نے اسے لکھ دیا! بہر کیف یہ تاویل دلالت کرتی ہے کہ اس عقیدے کے ماننے والے اس پر دلالت کرنے والی کسی دلیل کو تلاش کرنے میں کس قدر کم مایہ اور عاجز ہیں۔

④ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ﴾ [عبس: ۲۲] ''پھر جب وہ چاہے گا اسے اٹھائے گا۔''

بعث ونشور یعنی قیامت کے دن قبر سے اٹھائے جانے میں نص صریح ہے، لیکن اس نے اس کی رجعت کے ساتھ تاویل کی ہے، یہ ایک طرف تو صریحاً قرآنی معانی کی تحریف ہے اور دوسری طرف ان روایات کو سچا سمجھنے والے کے عقیدے کو آخرت پر ایمان سے پھیر کر اس نو ایجاد عقیدے کا گرویدہ بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بات ملاحظہ کی گئی ہے کہ غالی شیعوں کے بعض گروہوں نے آخرت پر ایمان کا انکار کر دیا اور عقیدہ تناسخ اپنا لیا۔[1]

یہ امر بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ اثنا عشریہ نے آخرت کے متعلق ہر نص قرآنی کو رجعت پر محمول کر دیا ہے، یہ بات پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ یہ عادت شیعہ کے نزدیک ایک عمومی قاعدے کی شکل اختیار کر چکی ہے۔[2]

③ یہ روایات رجعت کا یہ مقصد قرار دیتی ہیں کہ حضرت علی وہ کام نہیں کر سکے تھے، جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے سے دستکش ہو چکے تھے، اس لیے انھوں نے انھیں رجعت میں نافذ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی ذات پر بہت بڑا الزام ہے۔ کیا انھوں نے اس تاویل کے ذریعے ان کو مشرکوں کے ساتھ تشبیہ دینا چاہی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے دور ہو چکے تھے، جب انھوں نے اپنی آنکھوں سے عذاب دیکھ لیا تو دنیا میں واپس جانے کی تمنا کی؟ یہ لوگ اہلِ بیت کے کتنے بڑے گستاخ ہیں!

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [آلِ عمران: ۱۸۵] اس آیت مبارکہ سے بھی انھوں نے رجعت مراد لی ہے، اس کی تاویل میں وہ کہتے ہیں:

''جو قتل ہوا، اس نے موت کا ذائقہ نہیں چکھا، اس کے لیے واپس آنا ضروری ہے، تاکہ وہ موت

---

[1] دیکھیں: الفرق بین الفرق (ص: ۲۷۲) نیز دیکھیں: فلهوزن: الخوارج والشیعة (ص: ۲۴۸) ترجمه: عبدالرحمن بدوي، عبدالرحمن الوکیل: البهائیة (ص: ٤٥ حاشیه)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۲۰۶) دیکھیں۔

کا ذائقہ چکھے۔''[1]

یہ روایت تمام لوگوں کے لیے رجعت لازمی قرار دیتی ہے، تاکہ ہر ایک کے لیے موت اور قتل وقوع پذیر ہو سکے، جس طرح ان کا عقیدہ ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ رجعت صرف خالص ایمان اور خالص کفر والے کے ساتھ مخصوص ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس طرح یہ تاویل لغتِ عرب سے بھی ناواقفیت پر مبنی ہے، جس میں قرآنِ کریم نازل ہوا ہے، کیوں کہ اس میں قتل جیسی موت کو اس موت کی قسم شمار نہیں کیا گیا، جس پر یہ آیت نص اور دال ہے، یہ ہے ان کی علمی جمع پونجی!

شیعہ بہت ساری قرآنی آیات کی اس جیسی باطنی تاویل کرتے ہیں اور شیعہ کے علما نے حسبِ عادب ان جیسی تاویلات میں کثرت دکھانے کے لیے بھرپور مقابلہ آرائی کی ہے اور ان کو پیروانِ شیعیت کے درمیان رائج کرنے کے لیے آلِ محمد ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے، مثال کے طور پر وہ آیات جن کی انھوں نے رجعت کے ساتھ تاویل کی ہے، حر عاملی کے جمع وشمار کے مطابق ۶۲ آیات ہیں۔[2]

ان آیات کی باطل اور پرتکلف تاویل انتہا کو چھو رہی ہے،[3] باوجودیکہ حر عاملی نے ان کے تمام دلائل ذکر نہیں کیے، اس نے ان آیات کے اختتام پر جن سے استدلال کیا ہے، اپنے پاس کتابوں کے نہ ہونے کا عذر پیش کیا ہے۔[4]

شیعہ انبیا کے معجزات سے بھی استدلال کرتے ہیں، جن کی کچھ تفصیل اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے، مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا یا جو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مُردوں کو زندہ کرنے کا ذکر کیا ہے، اس سے بھی استدلال کرنا، جیسے یہ آیت ہے:

---

[1] تفسیر العیاشي (١/ ٢٠١) بحار الأنوار (٥٣/ ٧١)

[2] دیکھیں: الحر العاملي: الإیقاظ من الهجعة بالبرهان علی الرجعة (ص: ٧٢۔ ٩٨)

[3] اس کے دلائل کی چند ایک مزید مثالیں سنیے۔ یہ مثالیں کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔ درحقیقت یہ ان کی بے مائیگی اور افلاس پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ یہ صرف اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ حر عاملی کہتا ہے: ''تیسرا باب: ان جملہ قرآنی آیات کے بارے میں جو رجعت کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔'' ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا﴾ [سبأ: ١٠] المصدر السابق (ص: ٩٢)، ﴿اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ [الروم: ٩] المصدر السابق (ص: ٩٣)، ﴿وَ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ﴾ [البقرة: ٧٣] المصدر السابق (ص: ٩٣)، ﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ کُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ کُرْهًا﴾ [الأحقاف: ١٥]، المصدر السابق (ص: ٩٤)، ﴿وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ [الذاریات: ٢٢] المصدر السابق (ص: ٩٥) یہ ہے ان کے استدلال اور احتجاج کی انتہا، انھوں نے رجعت کی بدعت اور قرآنی آیات کی تحریف کو یکجا کر دیا ہے!!

[4] دیکھیں: الإیقاظ من الهجعة (ص: ٩٨)

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ﴾ [البقرة: ٢٤٣]

''کیا تو نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے، جب کہ وہ کئی ہزار تھے، تو اللہ نے ان سے کہا مر جاؤ، پھر انھیں زندہ کر دیا۔''[1]

گویا وہ اس اندازِ اسلوب سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کرتے ہیں، جو قطعاً محلِ اختلاف نہیں، کیوں کہ جو واقعات رونما ہوئے ہیں اور ان کی قطعی اور متواتر خبر ذکر ہوئی ہے، اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا، جس بات کا انکار کیا جاتا ہے، وہ حساب کتاب کے دن سے پہلے مردوں کا دنیا میں جزا وسزا اور حساب کے لیے واپس آنے کا دعویٰ ہے۔

یہ وہ عظیم منکر اور قابلِ انکار دعویٰ ہے، جس کی کوئی دلیل نہیں، جس کا مقصد صرف لوگوں کے دلوں میں یومِ آخرت کی اہمیت کم کرنا ہے، وگرنہ انبیا کے معجزات اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں نشانیاں قطعاً محلِ اختلاف نہیں۔

رجعت کی صحت پر استدلال اس وقت انحراف کی آخری حدود کو چھونے لگتا ہے، جب وہ یہ طے اور ثابت کرتے ہیں کہ اس کی صحت اور ثبوت کی سب سے واضح اور ظاہر دلیل یہ ہے کہ امامیہ شیعہ کے سوا کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔[2] ان کے الفاظ ہیں:

''عامہ میں سے کوئی ایک بھی اس کی صحت کا قائل نہیں (یہ امامیہ شیعہ کے علاوہ تمام لوگ ہیں) اور ہر وہ مسئلہ جو اس طرح ہو، وہ حق ہوتا ہے۔''[3]

کیوں کہ ائمہ نے عامہ کے متعلق یہ کہا ہے:

''خدا کی قسم! جو تمھارا عقیدہ ہے، وہ اس میں کسی بات کے بھی قائل نہیں، نہ تم ہی ان کے عقیدے میں سے کسی بات کے قائل ہو، لہٰذا ان کی مخالفت کرو، ان کا دینِ حنیفیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''[4]

اس لیے طبرسی وغیرہ نے اشارہ کیا ہے:

''اس کے ثبوت میں، امامیہ کے اس پر اجماع پر اعتماد کیا گیا ہے۔''[5]

---

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (٥٣/ ١٢٩) الإيقاظ من الهجعة (ص: ١٣١)

[2] الإيقاظ من الهجعة (ص: ٣)

[3] الإيقاظ من الهجعة (ص: ٦٩)

[4] المصدر السابق (ص: ٧٠)

[5] مجمع البيان (٥/ ٢٥٢) نیز دیکھیں: نور الثقلين (٤/ ١٠١) بحار الأنوار (٥٣/ ١٢٧)

اس استدلال پر درج ذیل اعتراضات ہیں۔

اجماع شیعہ کے نزدیک حجت نہیں، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے، لہٰذا یہ اس کو عقیدہ رجعت کے ثبوت کے لیے کس طرح سب سے زیادہ قابلِ اعتماد دلیل قرار دے رہے ہیں؟ تاہم ہو سکتا ہے کہ رجعت کے معاملے میں کسی مخالف شیعہ کے قول کے نہ ہونے کو وہ معلوم (امامِ زمانہ) کے اجماع کرنے والوں کے ساتھ شریک ہونے پر دلیل بنا لیں، اس طرح اس حیثیت سے اجماع حجت ہو، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک اجماع کی حجت اس وقت ہوتی ہے، جب وہ معصوم (امامِ زمانہ) کے قول کو ظاہر کرنے والا ہو، لیکن زیدی شیعہ ائمہ اہلِ بیت سے ایسی روایات نقل کرتے ہیں جو ان کی عقیدۂ رجعت سے براءت کا اعلان کرتی ہیں اور یہ امامیہ کی روایات کے ساتھ متعارض ہیں۔ اس لیے سچے زیدی اس دعوے کا بڑی شدت کے ساتھ انکار کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں اس کا مکمل اور اطمینان بخش رد کیا ہے۔[1]

چنانچہ امامی شیعہ کیوں کر اتنے یقین کے ساتھ رجعت کی ائمہ کی طرف نسبت کر سکتے ہیں، جب کہ خود شیعہ گروہوں میں اس کی نقل اور روایت ہی میں اختلاف ہے؟ بلکہ امامیہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں، جنھوں نے رجعت کا انکار کیا ہے اور اپنی ان روایات کی شیعہ ریاست کے رجوع اور واپس آنے کے ساتھ تاویل کی ہے۔[2]

ان تمام باتوں کے بعد اجماعِ شیعہ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے اور ائمہ سے نقل و روایت میں کس حد تک سچ کا یقین کیا جا سکتا ہے؟ پھر صحابہ کرام سے بھی، جن میں حضرت علی بھی شامل ہیں، رجعت کی داستان اور بکواس کے متعلق کوئی چیز منقول نہیں، جس طرح اہلِ سنت اور زیدی شیعہ کے ماخذ کا اتفاق ہے، اگر کسی ایسی چیز کا کوئی وجود ہوتا تو وہ معروف اور مشہور ہوتا۔

اس زمانے میں رجعت کی داستان ابن سبا کی طرف منسوب کی گئی، جس طرح شیعہ کتب ثابت کرتی ہیں اور ابن سبا ان جھوٹوں میں سے ہے، جن پر ائمہ کی زبان سے لعنت کی گئی، جس طرح اثنا عشریہ کی کتابیں ذکر کرتی ہیں۔ لیکن صحابہ کے زمانے کے بعد اس کی روایت آگے بیان کرنے کے بوجھ کو جابر جعفی نے اٹھایا اور وہ اہلِ سنت کی کتابیں تو ایک طرف رہیں، خود شیعہ کی کتابوں میں بھی تہمت زدہ ہے۔[3]

---

[1] الآلوسی: روح المعاني (۲۰/ ۲۷) نیز دیکھیں: أحمد صبحي: الزيدية (ص: ۷۷)

[2] دیکھیں: مجمع البیان (۵/ ۲۵۲) بحار الأنوار (۵۳/ ۱۲۷)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۴۰۹) دیکھیں۔

نظریۂ رجعت پر نقد وتبصرہ:

مرنے کے بعد دنیا میں لوٹنے کا نظریہ قرآنی نص کے صریح مخالف ہے اور کتاب اللہ کی بہت ساری آیات کی دلالت سے باطل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ [المؤمنون: ٩٩۔ ١٠٠]

''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو کہتا ہے اے میرے رب! مجھے واپس بھیجو۔ تاکہ میں جو کچھ چھوڑ آیا ہوں، اس میں کوئی نیک عمل کرلوں۔ ہرگز نہیں، یہ تو ایک بات ہے جسے وہ کہنے والا ہے اور ان کے پیچھے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے، ایک پردہ ہے۔''

یہ آیت: ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ رجعت کی مطلقاً نفی اور تردید میں بالکل صریح ہے۔[1]

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ [يٰس: ٣١]

''کیا انھوں نے نہیں دیکھا، ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے کہ بے شک وہ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آتے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ﴾ [إبراهيم: ٤٤]

''اور لوگوں کو اس دن سے ڈرا جب ان پر عذاب آئے گا، تو وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا، کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں قریب وقت تک مہلت دے دے، ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے۔ اور کیا تم نے اس سے پہلے قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تمھارے لیے کوئی بھی زوال نہیں۔''

---

[1] مختصر التحفة (ص: ٢٠١)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ [السجدة: ١٢]

''اور کاش! تو دیکھے جب مجرم لوگ اپنے رب کے پاس اپنے سر جھکائے ہوں گے اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا، پس ہمیں واپس بھیج، ہم نیک عمل کریں گے، بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۞ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ [الأنعام: ٢٧۔ ٢٨]

''اور کاش! تو دیکھے جب وہ آگ پر کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے اے کاش! ہم واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔ بلکہ ان کے لیے ظاہر ہوگیا جو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے اور اگر انھیں واپس بھیج دیا جائے تو ضرور پھر وہی کریں گے جس سے انھیں منع کیا گیا تھا اور بلاشبہہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔''

یہ تمام لوگ موت کے وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے پیش کیے جانے کے وقت اور دوزخ کی آگ دیکھتے وقت واپسی کا سوال کریں گے، لیکن ان کی یہ استدعا قبول نہیں کی جائے گی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی قضا میں پہلے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ واپس نہیں آئیں گے، اس لیے اہلِ علم نے مرنے کے بعد دنیا میں لوٹ آنے کے نظریے کو شیعیت کی بدعت میں غلو کے شدید ترین مراحل میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے:

''تشیع محبتِ علی اور ان کو صحابہ پر مقدم جاننے کا نام ہے، لیکن جو ان کو حضرت ابوبکر وعمر پر ترجیح دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے، اس پر رافضی کا لقب بولا جاتا ہے، اگر وہ ایسا نہ ہو تو وہ صرف شیعہ ہوتا ہے، اگر وہ اس کے ساتھ گالی گلوچ کا اضافہ کر لے یا کھلے لفظوں میں ان کے خلاف بغض کا اظہار کرے تو ایسا شخص غالی رافضی ہے اور اگر دنیا میں لوٹنے کا عقیدہ رکھے تو وہ غلو میں شدت پسند ہوگا۔''[1]

[1] هدي الساري مقدمة فتح الباري (ص: ٤٥٩)

مسند احمد میں ذکر ہوا ہے کہ عاصم بن ضمرہ (یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے) نے حضرت حسن بن علی سے کہا: شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی دنیا میں لوٹ کر آئیں گے؟ حضرت حسن نے جواب دیا:

''ان جھوٹوں نے جھوٹ کہا ہے۔ اگر ہمیں یہ علم ہوتا تو ان کی بیویاں نکاح کرتیں نہ ہم ان کی وراثت ہی تقسیم کرتے۔''[1]

گناہ گاروں کو سزا دینے اور نیکو کاروں کو جزا دینے کے لیے مرنے کے بعد دنیا میں واپس آنے کا نظریہ اس دنیا کے مزاج کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ یہ دار الجزاء نہیں (دار العمل ہے)۔

﴿وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [آل عمران: ۱۸۵]

''اور تمھیں تمھارے اجر قیامت کے دن ہی پورے دیے جائیں گے، پھر جو شخص آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو یقیناً وہ کامیاب ہوگیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔''

اسی طرح یہ نظریہ یومِ جزا اور قیامت کے دن اٹھائے جانے کے عقیدے پر ایمان کے پہلو کو بھی کمزور کرتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ اس کے نظریے کے خالقین کے پیشِ نظر یہی ہدف تھا۔[2]

یہ ایمانی کمزوری شیعہ کی آخرت سے متعلق آیات کی رجعت کے ساتھ تاویلات اور ان کے اثرات میں عملی طور پر نظر آتی ہے۔ شیعیت کی طرف منسوب بعض فرقوں کا اس مذہب کو اختیار کرنا آخرت کا انکار کرنا اور تناسخ کا عقیدہ رکھنا، شاید عقیدہ رجعت ہی ان تمام باتوں کا دروازہ بنا ہو۔ نیز ان کی تاویلات بھی اس کی طرف دعوت دیتی ہیں۔

بعض محققین کی رائے ہے کہ رجعت کا عقیدہ یہودی اور نصرانی موثرات اور ان ادیان کے پیروکاروں کی اثر اندازی کے ذریعے شیعیت میں داخل ہوا۔[3] شیعہ کے ایک معاصر عالم شیخ صادقی نے یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ اس کی قوم کا نظریہ رجعت اصل میں یہودی کتابوں میں وارد روایات کی طرف لوٹتا ہے۔[4] پھر اس نے اس امر کو شیعہ

---

[1] مسند أحمد (۲/ ۳۱۲) رقم الحدیث (۱۲۶۵) احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ نیز دیکھیں: طبقات ابن سعد (۳/ ۳۹)

[2] بعض نے ذکر کیا ہے کہ ابن سبا نے رجعت کے اثبات اور آخرت کے ابطال کا نظریہ پیش کیا۔ السکسکي: البرهان (ص: ۵۰)

[3] دیکھیں: گولڈزیہر: العقیدة والشریعة (ص: ۲۱۵) أحمد أمین: فجر الإسلام (ص: ۲۷۰) محمد عمارة: الخلافة (ص: ۱۵۹)

[4] اس نے بعض یہودی عبارات بھی درج کی ہیں اور انھیں دانیال کی کتاب (۱۲/ ۱۔ ۳۱) کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

کے لیے بشارت قرار دیا ہے۔[1]

شیعہ اور اہلِ سنت دونوں کی کتابیں نقل کرتی ہیں کہ ابن سبا یہودی کا نظریہ رجعت میں اساسی کردار تھا، لیکن وہ رجعت صرف حضرت علی تک محدود تھی، اسی طرح وہ اصل میں ان کی موت ہی کی تردید کرتا تھا، جس طرح اثنا عشریہ اپنے مہدی کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں، جس کے وجود کے وہ دعویدار ہیں۔ لیکن ایسے لگتا ہے کہ اس کے مفہوم میں عمومیت پیدا کرنے، اس کو پھیلانے اور قرآنِ کریم کی آیات کی اس کے ساتھ تاویل کرنے کا بیڑا جابر جعفی نے اٹھایا، اسی لیے شیعہ روایات اس کی رجعت کے مسئلے میں فقاہت کی مدح کرتی ہیں۔ تفسیر قمی میں ذکر ہوا ہے کہ ابو جعفر نے کہا:

> ''اللہ جابر پر رحم کرے۔ اس کی فقہ اس درجے تک پہنچی ہوئی تھی کہ وہ اس آیت: ﴿إِنَّ الَّذِىٓ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ إِلٰى مَعَادٍ﴾ [القصص: ٨٥][2] کی تاویل جانتا تھا اور وہ اس سے رجعت مراد لیتا تھا۔''[3]

امامیہ کا عقیدہ رجعت ۔بقول سویدی رحمہ اللہ ۔ دین کے بداہتاً اور ضرورتاً معلوم امور کے خلاف ہے۔ دین کے معلوم عقیدے کے مطابق قیامت کے دن سے پہلے کوئی حشر نہیں ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں بھی کسی کافر یا ظالم کو دھمکایا ہے، اس کو قیامت کے دن کے ساتھ ہی دھمکایا ہے۔[4]

اسی طرح یہ عقیدہ ان آیات اور متواتر احادیث کے بھی خلاف ہے، جو کھلے الفاظ میں ذکر کرتی ہیں کہ قیامت سے پہلے دنیا کی طرف رجوع نہیں۔[5] لیکن امامیہ کے علما اسی نظریے پر کاربند ہیں اور وہ اس مسئلے میں اپنے امت سے انحراف اور شذوذ کو اس کے صحیح ہونے کی دلیل خیال کرتے ہیں۔ ﴿الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ﴾ [محمد: ٢٥] ''شیطان نے ان کے لیے (ان کا عمل) مزین کر دیا اور ان کے لیے مہلت لمبی بتائی۔''

---

[1] دیکھیں: رسول الإسلام في الکتب السماوية (ص: ٢٣٩۔ ٢٤١)

[2] امام ابن کثیر اس کی تفسیر میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو رسالت پہنچانے اور لوگوں کو قرآن سنانے کا حکمیہ انداز میں ذکر کر رہے اور یہ خبر دے رہے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کو معاد کی طرف، جو آخرت کا دن ہے، لوٹائیں گے اور جو نبوت کا بوجھ آپ کے سپرد کیا تھا، اس کے متعلق پوچھیں گے۔ ﴿فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ﴾ کا معنی ہے تم پر اس کا لوگوں تک پہنچانا فرض کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر: ٣/ ٤١٩) انھوں نے معاد کی تفسیر میں اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں، جو تمام ان کے بقول قیامت کے ساتھ تفسیر ہی کے ہم معنی ہیں۔ تفسير ابن كثير (٣/ ٤٢٠) آیت کی تفسیر دیکھنے کے لیے مزید دیکھیں: تفسير الطبري (٢٠/ ١٢٣۔ ١٢٦) تفسير البغوي (٣/ ٤٥٨۔ ٤٥٩) زاد المسير (٦/ ٢٤٩۔ ٢٥١)

[3] تفسير القمي (٢/ ١٤٧)

[4] لیکن شیعہ ہر غیر شیعہ کو رجعت کے ساتھ دھمکاتے ہیں۔

[5] السويدي: نقض عقائد الشيعة (ص: ١، مخطوط)

چھٹی فصل

ظہور

یعنی ائمہ کا اپنی موت کے بعد بعض لوگوں کے سامنے ظاہر ہونا، پھر اپنی قبروں میں لوٹ جانا ہے۔ یہ عقیدۂ رجعتِ ائمہ کے علاوہ ہے، مجلسی نے اس عنوان: ''باب: وہ اپنی موت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور ان سے عجیب وغریب امور کا ظہور ہوتا ہے۔''[1] کے تحت ایک بات قائم کیا ہے۔

لہٰذا ائمہ اپنی موت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور ان کو بعض لوگ دیکھتے بھی ہیں۔ یہ ظہور رجعت کی طرح کسی متعین وقت کے ساتھ مخصوص اور منسلک نہیں، بلکہ وہ ائمہ کے ارادے کے تابع ہے۔ انھوں نے امیر المومنین حضرت علی کی طرف یہاں تک منسوب کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

''ہم میں سے جو مرتا ہے، وہ مردہ نہیں ہوتا۔''

شیعہ کی کہانیاں ذکر کرتی ہیں کہ ''ابو الحسن رضا اپنے باپ سے اس کی وفات کے بعد بھی ملا کرتا تھا اور اس سے وصیتیں اور اقوال حاصل کیا کرتا تھا۔''[2]

بعض شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ابو عبداللہ کے پاس حاضر ہوا تو اس (ابو عبداللہ) نے کہا:

''کیا تم ابو جعفر کو (اس کی موت کے بعد) دیکھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: کھڑا ہو جا اور گھر داخل ہو جا، میں گھر داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ابو جعفر موجود ہیں۔''[3]

ایک دوسرے شیعہ کا دعویٰ ہے:

''وہ ابو الحسن کے پاس حاضر ہوا، تو انھوں نے اس سے کہا: کیا تم ابو عبداللہ کو دیکھنا پسند کرو گے، اس نے کہا: بخدا میں چاہتا ہوں، تو انھوں نے کہا: جا اور اس گھر میں داخل ہو جا، میں گھر میں داخل ہوا

---

[1] بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٣۔٣٠٤) بصائر الدرجات (ص: ٧٨)

[2] بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٣) بصائر الدرجات (ص: ٧٨)

[3] بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٣) بصائر الدرجات (ص: ٧٨)

تو وہاں ابوعبداللہ بیٹھے ہوئے تھے۔‘‘[1]

عبداللہ نے، ان کے الزام کے مطابق، کہا:

’’شیعہ کی ایک جماعت امیر المومنین کے قتل کے بعد حسن بن علی کے پاس آئی اور انھوں نے ان سے ان کے متعلق پوچھا، تو حضرت حسن نے کہا: جب تم امیر المومنین کو دیکھو گے تو کیا انھیں پہچان لو گے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو پھر حضرت حسن نے کہا: پردہ اٹھاؤ، انھوں نے پردہ اٹھایا تو ان کے سامنے امیر المومنین تھے، انھوں نے ان کو پہچان لیا۔‘‘[2]

بلکہ ان کا یہ عقیدہ پھیلتے پھیلتے اس دعوے تک جا پہنچا ہے کہ پہلی امتوں کے مردے بھی ان کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ بصائر الدرجات میں ذکر ہوا ہے، عثمان بن عیسیٰ، اس سے بیان کرتا ہے، جس نے اس کو بتایا!! (یہ کون ہے؟) وہ عبایہ اسدی سے نقل کرتا ہے، اس نے کہا: میں امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے پاس ایک پراگندہ حال شخص بیٹھا ہوا تھا اور امیر المومنین اس کے ساتھ محوِ گفتگو تھے، جب وہ آدمی چلا گیا تو میں نے کہا: امیر المومنین! یہ کون تھا، جس کے ہوتے ہوئے آپ نے ہم پر کوئی توجہ نہیں دی؟ انھوں نے کہا:

’’یہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی تھے۔‘‘[3]

شیعہ کی روایات دعویٰ کرتی ہیں:

’’حضرت علی یہودیوں کے قبرستان جایا کرتے تھے۔ وہ اہلِ قبور سے مخاطب ہوتے تو انھوں نے ان کو قبروں کے اندر سے جواب دیا: لبیک لبیک آپ قابلِ اطاعت ہیں، ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں، آپ ہمارے مطاع ہیں، تو امیر المومنین نے کہا: تم عذاب کو کس طرح دیکھتے ہو؟ انھوں نے کہا: تیری نافرمانی کی وجہ سے ہارون کی طرح ہم اور جس نے تیری نافرمانی کی، وہ سب عذاب میں ہیں....‘‘[4]

اسی طرح شیعہ کی روایات یہ دعویٰ بھی کرتی ہیں:

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی موت کے بعد ابوبکر کو علی کی اطاعت کرنے کا حکم دینے کے لیے ظاہر ہوئے۔‘‘[5]

---

[1] بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٤) بصائر الدرجات (ص: ٧٨)

[2] المصدر السابق.

[3] بصائر الدرجات (ص: ٨١) بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٥)

[4] كنز الفوائد (ص: ٨٢) بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٦)

[5] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٤) بصائر الدرجات (ص: ٧٨)

نیز شیعہ کا دعویٰ ہے:

''ہر حج کے موسم میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ائمہ کے سامنے جمرات کو کنکر مارنے کے اثنا میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہ ان کو کنکر مارتے ہیں۔''[1]

اس لیے محمد باقر نے ۔ان کی افترا پردازی کے مطابق۔ جمرات کی جگہ کے علاوہ پانچ کنکر مارے، جب ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا:

''ہر حج کے موسم میں دونوں غاصب فاسقوں کو نکالا جاتا ہے، پھر یہاں ان دونوں کو جدا کر دیا جاتا ہے، ان کو امام عادل کے سوا کوئی نہیں دیکھ پاتا، لہٰذا میں نے پہلے کو دو کنکر مارے اور دوسرے کو تین، کیوں کہ دوسرا پہلے سے زیادہ بڑا خبیث ہے۔''[2]

اس نظریے کے متعلق یہ ان کی چند روایات ہیں۔مجلسی نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اس باب کی اکثر روایات، باب البرزخ، باب کفر الثلاثۃ، باب کفر معاویہ، ابوابِ معجزاتِ امیر المومنین، و دیگر ائمہ میں نقل کی ہیں۔[3]

ان کی اس خرافت اور بکواس کے متعلق روایات کافی تعداد میں ہیں۔مجلسی نے ذکر کیا ہے کہ یہ ظہور ان کے اصلی جسموں میں بھی ہوسکتا ہے، پھر کہتا ہے:

''ایک دین دار مسلمان کے لیے ان امور پر اجمالی ایمان لانا ہی کافی ہے، جو ان سے نقل ہوئے ہیں اور ان کی تفاصیل کا علم انھی کی طرف لوٹانا چاہیے۔''[4]

اس نظریے پر تبصرہ:

میں نے کسی محقق کو نہیں دیکھا، جس نے شیعہ کے عقائد کے ضمن میں اس پر بھی خامہ فرسائی کی ہو، حالاں کہ یہ ان کے ان افکار اور نظریات میں سے ہے، جن کی روایات ان کے نزدیک مشہور اور بے شمار ہیں، اس نظریے اور فکر کو محض ذکر کر دینا اس کے بطلان کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

یہ کسی صورت صحیح نقل، صریح عقل اور فطرتِ سلیمہ کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔ یہ نظریہ خود شیعہ مذہب پر سب سے بڑی جرح اور تنقید ہے اور اس کو خرافاتی مذاہب کی صفوں میں شامل کرتا ہے، جو جملہ انسانیت کے

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٥۔ ٣٠٦) بصائر الدرجات (٧٨)

[2] بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٥۔ ٣٠٦) بصائر الدرجات (٨٢)

[3] بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٧)

[4] بحار الأنوار (٢٧/ ٣٠٧)

ذہنوں میں پرورش پاتے ہیں۔

یہ نظریہ ان بہت سارے نظریات اور افکار کے ضمن میں داخل ہے، جو اس مذہب کے باطل ہونے کی براہین اور دلائل سمجھے جاتے ہیں، جیسے نظریہ غیوبت، عقیدۂ رجعت اور بدا وغیرہ ہیں۔ اس نظریے کے متعلق ان کی روایات کی کثرت ایک واقعاتی، حقیقی اور فیصلہ کن دلیل ہے، جو ان کے مذہب میں جھوٹ کے عام اور مستفیض ہونے پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا ان روایات کی کوئی قدر و قیمت ہے نہ یہ صحیح ہی ہیں، چاہے یہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائیں۔ جب تک یہ ایسے خرافاتی نظریات اور انکار کی تائید میں کثیر تعداد میں ہوں گی، جن کی حقیقت تکذیب کرتی ہو۔ اگر ان امور میں کوئی چیز بھی رونما ہوتی تو مسلمانوں کے درمیان اس کی نقل اور خبر مشہور ہوتی اور صرف شیعہ کی ایک چھوٹی سی جماعت اسے نقل کرنے میں اکیلی نہ ہوتی۔

قیامت کے دن سے پہلے مردوں کی واپسی نقل اور اجماعِ مسلمین کی رو سے باطل ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یہ خرافات ان کی ان رسوائیوں اور شرمناکیوں میں شمار ہوتی ہیں، جو ان کے مذہب میں موجود ہیں۔ ہوسکتا ہے، اس میں پروردگارِ عالم کی یہ حکمت پنہاں ہو کہ جب کسی قوم نے اللہ تعالیٰ کی طرف کسی ایسے دین کو منسوب کرنا چاہا، جو اس نے نہیں اتارا تو اس نے ان کو سر بازار اور علی رؤس الاشہاد رسوا کر دیا۔ احوال واقعات اور تاریخ اسی امر کو ثابت کرتی ہے۔

ساتویں فصل

عقیدۂ بدا (انکشاف)

اللہ تعالیٰ کے لیے بدا یعنی ظہورِ علم کا نظریہ بھی اثنا عشریہ کے اصول میں شامل ہے، اس کے متعلق انھوں نے حد سے زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، ان کا اصول ہے:

''اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی چیز کے ساتھ عبادت نہیں کی گئی جو بدا جیسی عظیم ہو۔''[1]

''اللہ تعالیٰ کی بدا سے بڑھ کر کسی چیز سے تعظیم نہیں کی گئی۔''[2] اگر لوگوں کو نظریہ بداء کے اجر کا علم ہو جائے تو وہ اس کے بارے میں کلام کرنے سے بھی تھکاوٹ محسوس نہ کریں۔[3] اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھیجا ہے، اس کو شراب کی حرمت اور اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کے اقرار کی شریعت دے کر بھیجا ہے۔[4]

ایسے لگتا ہے کہ اثنا عشریہ میں اس عقیدے کی بنیاد ان کے ثقۃ الاسلام کے لقب سے معروف عالم کلینی (المتوفی ۳۲۸ یا ۳۲۹ھ) نے رکھی ہے، کیوں کہ اس نے اس عقیدے کو ''الکافی'' میں اصول (بنیادی عقائد) کی قسم میں رکھا اور اس کو کتاب التوحید کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور ''باب البداء'' کے عنوان سے باب باندھا ہے، اس میں اس نے ائمہ کی طرف منسوب ۱۶ احادیث درج کی ہیں۔

اس کے بعد ابن بابویہ (المتوفی ۳۸۱ھ) آتا ہے، اس نے بھی اس کو اپنے گروہ کے عقائد کے ضمن میں درج کیا اور اس کے لیے اپنی کتاب ''الاعتقادات'' میں، جس کو امامیہ کا دین کہا جاتا ہے،[5] ''باب البداء'' کے نام سے خاص باب قائم کیا۔ کتاب التوحید میں بھی اس نے ایسے ہی کیا ہے۔[6]

---

[1] أصول الكافي، كتاب التوحيد، باب البداء (١/ ١٤٦) ابن بابويه: التوحيد، باب البداء (ص: ٣٣٢) بحار الأنوار، كتاب التوحيد، باب البداء (٤/ ١٠٧)

[2] أصول الكافي (١/ ١٤٦) التوحيد لابن بابويه (ص: ٣٣٣) بحار الأنوار (٤/ ١٠٧)

[3] أصول الكافي (١/ ١٤٨) التوحيد لابن بابويه (ص: ٣٣٤) بحار الأنوار (٤/ ١٠٨)

[4] المصدر السابق.

[5] الاعتقادات (ص: ٨٩)

[6] التوحيد (ص: ٣٣١)

شیعہ کے عالم ملا باقر مجلسی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) نے بدا کے مسئلے کو خصوصی اہمیت دی اور اپنی کتاب "بحار الأنوار" میں "باب النسخ والبداء" کے نام سے باب باندھا، اس میں اس نے اپنی ائمہ سے منقول ۷۰ روایات درج کیں۔[1]

اسی طرح شیعہ معاصرین کی عقیدے کی کتابوں کے ضمن میں بھی اس نظریے کا ذکر ہوا ہے۔ نیز ان کے علما نے اس کے متعلق مستقل کتابیں تحریر کی ہیں، جن کی تعداد "الذریعة" کے مطابق ۲۵ ہے۔[2]

شاید ایک مسلمان قاری اس عقیدے کے متعلق تعجب کا اظہار کرے کہ جس کو نہ مسلمان پہچانتے ہیں نہ اس کا کتاب وسنت ہی میں کہیں کوئی سراغ ملتا ہے، یہ اتنا اہم ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی گئی۔ یہ رسولوں کی رسالتوں کے اصول میں داخل ہے اور اس کا اتنا زیادہ اجر ہے کہ اگر مسلمانوں کو اس کا علم ہو جائے تو یہ ان کی زبانوں پر ایسے ہی جاری ہو جائے، جس طرح توحید کی شہادت ان کی زبانوں پر جاری رہتی ہے!

اگر آپ بدا کا معنی معلوم کرنے کے لیے عربی لغت کی طرف رجوع کریں تو القاموس کے مطابق: "بدا، بدوا، بدوّا اور بداءة کا معنی ہے: ظاہر ہونا۔ بدا له في الأمر بدواً، وبداءً، وبداة کا معنی ہوگا اس معاملے میں اس کی رائے پیدا ہوئی ہے۔[3]

چنانچہ بدا کے لغت میں دو معانی ہیں:

① خفا کے بعد ظاہر ہونا۔ عربی میں کہا جاتا ہے: "بدا سور المدينة" شہر کی فصیل ظاہر ہوئی۔

② نئی رائے پیدا ہونا۔ فراء کا قول ہے: "بدا لي بداء" یعنی میرے لیے ایک دوسری رائے سجھائی دی۔ جوہری کا قول ہے: "بدا له في الأمر بداء" یعنی اس کی اس معاملے میں نئی رائے پیدا ہوئی۔[4]

یہ دونوں معانی قرآنِ کریم میں بھی وارد ہوئے ہیں۔ پہلی مثال یہ آیت ہے:

﴿ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ [البقرة: ٢٨٤]

"اور اگر تم اسے ظاہر کرو جو تمھارے دلوں میں ہے، یا اسے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔"

---

[1] بحار الأنوار (٤/ ٩٢۔ ١٢٩)

[2] مثال کے لیے دیکھیں: المظفر: عقائد الإمامية (ص: ٦٩) الزنجاني: عقائد الإمامية الاثنى عشرية (١/ ٣٤)

[3] القاموس المحيط، مادة: بدو (٤/ ٤٠٢)

[4] الصحاح (٦/ ٢٢٧٨) و لسان العرب (١٤/ ٦٦) اسی معنی کو شیعہ کی کتابوں میں دیکھیں: مجمع البحرين للطريحي (١/ ٤٥)

دوسرے معنی کی مثال یہ آیت ہے:

﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ﴾ [يوسف: ٣٥]

''پھر اس کے بعد کہ وہ کئی نشانیاں دیکھ چکے، ان کے سامنے یہ بات آئی کہ اسے ایک وقت تک ضرور ہی قید کر دیں۔''

لہٰذا معلوم ہوا کہ بدا دونوں معانی میں پہلے جہالت کے ہونے اور نئے علم کے ظاہر ہنے کو مستلزم ہے اور اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا سب سے بڑا کفر ہے۔ خدا معلوم کس طرح اثنا عشریہ شیعہ اس کو عظیم ترین عبادت قرار دیتے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بدا سے بڑھ کر کسی چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم نہیں ہوسکتی۔ سبحانك هذا بهتان عظيم!

یہ منکر اور قابلِ مذمت مفہوم یہودیوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ تورات میں، جس میں یہودیوں نے اپنی خواہشات کے مطابق جس طرح چاہا تحریف کی، صریح اور صاف صاف عبارتیں ذکر ہوئی ہیں، جو بدا کے مفہوم کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے پر مشتمل ہیں۔[1]

یوں لگتا ہے کہ ابن سبا یہودی نے اس نظریے کا، جس کا دودھ اس نے اپنی تورات سے پیا، اسلامی معاشرے میں پھیلانے کی کوشش کی اور شیعیت اور ولایتِ علی کی دعوت کی چھتری تلے معاشرے کو متاثر کرنا چاہا، اس لیے سبائی فرقے کے تمام افراد بدا کے قائل اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کئی بدا ظاہر ہوتے ہیں۔[2]

اس کے بعد یہ نظریہ ''کیسانیہ''، ''مختاریہ'' کی طرف منتقل ہوگیا، جو مختار بن عبید ثقفی کے ماننے والے

---

[1] تورات میں ذکر ہوا ہے: ''رب نے دیکھا کہ زمین پر لوگوں کی برائی بہت زیادہ ہوگئی ہے، تو رب زمین پر انسان کو پیدا کرنے پر نادم ہوا اور اس نے اپنے دل میں بڑا دکھ محسوس کیا۔ رب نے کہا: میں انسان کو ضرور زمین سے مٹا دوں گا، جس کو میں نے پیدا کیا ہے ...'' (کتاب تکوین، چھٹی فصل، آیت: ۵)

یہ اور اس جیسا باطل معنی ان کی تورات میں مکرر ذکر ہوا ہے۔ (دیکھیں: کتاب خروج، فصل ۳۲، آیت ۱۲ اور ۱۴، کتاب قضاۃ، دوسری فصل، آیت: ۱۸، صموئیل کی پہلی کتاب، فصل ۱۵، آیت: ۱۰، ۳۴، صموئیل کی دوسری کتاب، فصل ۲۴، آیت: ۱۶، کتاب اخبار الایام الاول، فصل ۲۱، آیت: ۱، کتاب ارمیا، فصل ۴۲، آیت: ۱۰، کتاب عاموس، فصل ۷، آیت: ۳، کتاب یونان، فصل: ۳، آیت: ۱۰، وغیرہ)

یہ یہودیوں کی تورات میں ذکر ہوا ہے، حالاں کہ وہ نسخ کا انکار کرتے ہیں، کیوں کہ یہ ان کے گمان کے مطابق بدا کو مستلزم ہے۔ (دیکھیں: مسائل الإمامية، ص: ٧٥، مناهل العرفان: ٢/ ٧٨) ان کے تناقض، حق کو رد کر دینے اور باطل کو قبول کرنے کی سوچ دیکھیے!

[2] الملطي: التنبيه والرد (ص: ١٩)

ہیں۔ یہ فرقہ اس نظریے کو بہ طورِ عقیدہ اختیار کرنے اور اس کو بہت زیادہ اہمیت دینے میں مشہور ہے۔

افکار ونظریات کی کتابوں کے مولفین ذکر کرتے ہیں کہ وہ سبب جس کی وجہ سے کیسانیہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کو جائز قرار دیا، یہ تھا کہ مصعب بن زبیر نے مختار اور اس کے ماننے والوں کی سرکوبی کے لیے ایک طاقتور لشکر بھیجا۔ مختار نے ان کے خلاف لڑنے کے لیے احمد بن شمیط کو تین ہزار لڑکے دے کر بھیجا اور ان سے کہا: مجھے وحی ہوئی ہے کہ کامیابی تمھارے ساتھ ہوگی، لیکن ابن شمیط کو شکست کا سامنا کرنا پڑا (یہ مختار کا ایک سالار تھا، جو ۶۷ھ کو قتل ہوا) وہ واپس آئے اور انھوں نے اس سے کہا: وہ فتح کہاں ہے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا تھا؟

مختار نے جواب دیا: اس نے میرے ساتھ ایسے ہی وعدہ کیا تھا، پھر اس کے لیے کچھ اور ظاہر ہوا، کیوں کہ اس نے کہا ہے:

﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ [الرعد: ٣٩]

''اللہ مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔''[1]

چنانچہ جس طرح آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس کا سبب یہ تھا کہ مختار علمِ غیب اور مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کے علم کا دعویٰ کرتا تھا، لیکن جب اس کی پیشین گوئی کے خلاف حادثہ رونما ہوا تو اس نے کہا: تمھارے رب کو بدا ہوا ہے، یعنی اس کے لیے اب یہ علم ظاہر ہوا ہے۔

یہ مفہوم آپ کو اثنا عشریہ کی روایات میں بھی ملے گا، انھوں نے بھی اپنے ماننے والوں کے درمیان یہ مشہور کر رکھا تھا:

''ان کے ائمہ ''ما کان'' اور ''ما یکون'' کا علم رکھتے ہیں اور ان پر کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔''[2]

''بحار الأنوار'' میں ''باب البداء'' میں ذکر ہوا ہے:

''ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے، اس نے کہا: ابوجعفر اور ابوعبداللہ نے کہا: اے ابوحمزہ! اگر ہم نے تجھ کو کسی معاملے کے متعلق بتایا کہ وہ یہاں سے آئے گا، لیکن وہ وہاں سے آ گیا، تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اگر ہم نے تجھے آج کوئی بات بیان کی اور کل اس کے خلاف کہی تو اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے۔''[3]

شیعہ علما اپنے پیروکاروں کو آرزوئیں دلایا کرتے تھے کہ معاملہ لوٹ کر انھی کی طرف آئے گا اور ملک اور

---

[1] الإسفراييني: التبصير في الدين (ص: ٢٠) نیز دیکھیں: البغدادي: الفرق بين الفرق (ص: ٥٠۔ ٥٢)

[2] أصول الكافي، باب أن الأئمة يعلمون علم ما كان وما يكون وأنه لا يخفى عليهم الشيء (١/ ٢٦٠)

[3] بحار الأنوار (٤/ ١١٩) تفسير العياشي (٢/ ٢١٧) البرهان (٢/ ٢٩٩)

حکمرانی انہی کی ہوگی، بلکہ انھوں نے ایک روایت میں، جن کو انھوں نے ابوجعفر کی طرف منسوب کیا ہے، اس واپسی کی مدت بھی متعین کر دی کہ وہ ستر سال بعد ہوگی، جب ستر سال گزر گئے اور کچھ بھی نہ ہوا، یہ تمام وعدے جھوٹے ثابت ہوئے تو پیروکاروں نے اس کا شکوہ کیا، تو بانیانِ مذہب نے اس تنگنائے سے نکلنے کی کوشش میں یہ قول پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مصلحت ظاہر ہوئی ہے، جس نے اس وعدے میں تبدیلی کا تقاضا کیا ہے۔[1]

جعفر صادق کی زندگی میں شیعہ روایات اس کی طرف منسوب کر کے کہتی تھیں کہ اس کی موت کے بعد امامت اس کے بیٹے اسماعیل کے لیے ہوگی، لیکن خلافِ توقع وہ کام ہوگیا، جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں تھا اور اسماعیل اپنے باپ کی وفات سے پہلے ہی وفات پا گیا۔ یہ واقعہ ایسا تھا، جس نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی اور شیعہ مذہب میں سب سے بڑے افتراق نے جنم لیا، جو آج تک موجود ہے، وہ اس طرح کہ ان سے ایک بہت بڑا گروہ علاحدہ ہوگیا، جو اسماعیل کی امامت کے عقیدے پر قائم ہوگیا، ان کو اسماعیلیہ کہا جاتا ہے، باوجودیکہ انھوں نے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے عقیدۂ بدا کا سہارا لیا اور جعفر کی طرف روایات منسوب کیں، جو کہتی ہیں:

''اللہ کے لیے، جو میرے بیٹے اسماعیل کے متعلق ظاہر ہوا، ایسا ظہور کسی اور کے متعلق کبھی نہیں ہو، چنانچہ اس نے اس کو مجھ سے پہلے مار دیا، تاکہ سب کو علم ہو جائے کہ وہ میرے بعد امام نہیں۔''[2]

اس تاویل کو اثنا عشریہ کے اس گروہ نے قبول کر لیا، جنھوں نے اسماعیل کے بجائے موسیٰ کی امامت کا عقیدہ اختیار کیا تھا۔ بانیانِ تشیع اپنے ائمہ کے متعلق دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ماضی اور مستقبل کے واقعات سے باخبر ہیں اور وہ اموات اور ارزاق سے بھی آگاہ ہوتے ہیں ....لیکن اس کے پیروکار اور دیگر لوگ ان میں، اس طرح کے دعوؤں میں سے کوئی چیز بھی نہیں دیکھتے۔ ائمہ بھی لوگوں کو اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتے، کیوں کہ وہ حقیقت میں کچھ جانتے ہیں نہ ان میں سے کسی چیز کے مالک ہی ہیں نہ انھوں نے اپنے بارے میں کوئی ایسا دعویٰ ہی کیا ہے، لہٰذا بانیانِ شیعیت کو اس کمزوری کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے عقیدہ بدا کے سوا کوئی بہانہ اور تعلیل نہیں مل سکی، اس لیے انھوں نے ائمہ سے یہ نقل کر دیا کہ وہ اس وجہ سے غیب کی خبر نہیں دیتے کہ مبادا اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ اور ظاہر ہو جائے اور وہ اس کو بدل دے۔[3]

---

[1] دیکھیں: تفسير العياشي (٢/ ٢١٨) الغيبة للطوسي (ص: ٢٦٣) بحار الأنوار (٤/ ٢١٤)

[2] التوحيد لابن بابويه (ص: ٣٣٦) نیز دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٢٧)

[3] مثلاً علی بن حسین نے کہا کہ اگر بدا نہ ہوتا تو میں تم کو قیامت تک آنے والے حالات کی خبر دے دیتا۔ (تفسير العياشي: ٢/ ٢١٥، بحار الأنوار: ٤/ ١١٨)

انھوں نے یہ خیال آرائی بھی کی ہے کہ ''ائمہ کو اموات، ارزاق، مصائب اور امراض وعوارض سب کا علم دیا گیا ہے، لیکن ان کے لیے ان میں بدا کی شرط ہے۔''[1]

یہ ایک دوسرا بہانہ ہے، جس کے ساتھ وہ اپنے جھوٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ خلافِ واقع کسی بات کی خبر دے دیں تو شیعہ نے اس عقیدے کے تقاضے کے مطابق تناقض، اختلاف اور جھوٹ سب کو تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے۔

تفسیر قمی کی ایک طویل روایت میں، جو بنوعباس کی حکومت کے اختتام کے متعلق ہے، ان کے امام نے کہا:

''اگر ہم تم کو کسی چیز کے بارے میں کچھ بیان کریں اور وہ ایسے ہی ہو، جس طرح ہم نے کہا ہو تو کہو: اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا، لیکن اگر اس کے خلاف ہو تو کہو: اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا، تو تم کو دوہرا اجر ملے گا...۔''[2]

عقیدۂ بدا کا، اس کے آغاز کے دوران میں، مذہب کے عقل مند پیروکاروں میں شک کی علامات ظاہر کرنے میں ایک کردار اور اثر رہا ہے، لہٰذا شیعہ کے ایک صاحب نے اس کھیل کی حقیقت کا پردہ چاک کر دیا اور وہ اصلاً امامی مذہب ہی سے دست کش ہو گیا۔

بعض کتبِ فرق نے ان میں ایک شخص کا قصہ ہمارے لیے محفوظ کر لیا ہے، اس کا نام سلیمان بن جریر تھا، جس کی طرف زیدیہ فرقہ سلیمانیہ منسوب ہے۔ یہ کہتا ہے:

''رافضہ کے ائمہ نے اپنے پیروکاروں کے لیے دو نظریے گھڑے، جن کے ہوتے ہوئے وہ کبھی اپنے ائمہ کا جھوٹ ظاہر نہیں ہونے دیتے، یہ بدا کا نظریہ اور تقیہ کی اجازت ہے۔''[3]

اس کے بعد اس نے شیعہ معاشرے میں زندگی گزارنے اور ان کے ساتھ میل ملاپ رکھنے کے تجربے کے نتیجے میں انکشاف کیا کہ وہ کس طرح ائمہ کے لیے علمِ غیب کے دعوے کے جھوٹ کی پردہ پوشی کرنے کے لیے عقیدۂ بدا کو ذریعہ بناتے ہیں۔ اس کے الفاظ ہیں:

''ان کے ائمہ نے جب شیعہ کے لیے اپنے آپ کو انبیا کی جگہ رکھ کر پیش کیا اور ''ما کان'' اور ''ما یکون'' کے علم اور کل ہونے والے واقعات کی خبر دینے کا دعویٰ کیا تو انھوں نے اپنے شیعہ سے کہا:

---

[1] تفسير القمي (٢/ ٢٩٠) بحار الأنوار (٤/ ١٠١)

[2] تفسير القمي (١/ ٣١٠ـ ٣١١) بحار الأنوار (٤/ ٩٩)

[3] المقالات والفرق للقمي (ص: ٧٨) فرق الشيعة للنوبختي (ص: ٦٤)

کل اور آیندہ آنے والے ایام میں یوں ہوگا۔ اگر ان کے دعوے کے مطابق کچھ رونما ہوجاتا، تو ان سے کہتے: کیا ہم نے تم کو نہیں بتایا تھا کہ یہ ہوگا، لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ جانتے ہیں، جو انبیا جانتے تھے، ہمارے اور اللہ کے درمیان حصولِ علم کے ایسے ہی اسباب ہیں، جس طرح اللہ اور انبیا کے درمیان تھے، لیکن اگر واقعہ اس طرح نہ ہوتا، جس طرح انھوں نے بتایا ہوتا تو اپنے شیعہ سے کہتے: اللہ تعالیٰ کے لیے اس میں کچھ اور ظاہر ہوا ہے، اس لیے اس نے ایسا نہیں کیا۔‘‘[1]

اس نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ عقیدہ تقیہ کے تقاضے کے مطابق وہ کس طرح اپنے اَتباع کو دھوکا دیتے ہیں، چنانچہ شیعہ کا ایک گروہ اس کی باتوں سے متاثر ہوا اور وہ اس کے ہم مسلک ہوگئے۔[2]

چنانچہ اس جائزے کے بعد ملاحظہ کریں گے کہ اگر عقیدہ بدا، ساقط اور ختم ہو جائے تو اثناعشریہ کا دین اپنی بنیادوں ہی سے گر جائے گا، کیوں کہ ان کی وہ اخبار اور وعدے جن میں کچھ بھی پورا نہیں ہوا، وہ ان سے امامت کی صفت ہی کی تردید اور نفی کرتی ہیں۔

یہ ہے شیعہ کے علما کا بدا کے معاملے میں مبالغہ آرائی، اس کے دفاع اور اس کو تمام عبادات میں سے عظیم تر قرار دینے کا سبب۔ لیکن نظریہ بدا الٹی آنتیں گلے پڑنے کے مصداق ان کے لیے بدترین نتائج و عواقب کا باعث ہوا ہے۔ یہ ان کے کفر و ارتداد کے اسباب میں ایک نیا اضافہ ہے۔[3] کیوں کہ انھوں نے اس عقیدے کی بنا پر مخلوق یعنی امام کی وعدہ خلافی، کلام میں تضاد، رائے میں تبدیلی اور نئی رائے پیدا ہونے سے تنزیہ اور نفی کی ہے اور یہ تمام باتیں عالم الغیب والشہادۃ کی طرف منسوب کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کی ان باتوں سے بہت زیادہ بالاتر ہے۔[4]

لہٰذا انھوں نے خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی تنزیہ کی، کیوں کہ ان کے امام میں غلو نے ان کے دلوں میں حق جل شانہ کی کوئی عزت اور وقار نہیں چھوڑا، جس کی وجہ سے یہ لوگ اس کفر، گمراہی اور الحاد کے ظالم صحرا میں

---

[1] المقالات والفرق للقمي (ص: ٧٨) فرق الشيعة للنوبختي (ص: ٦٤۔ ٦٥) نیز دیکھیں: محصل أفكار المتقدمين والمتأخرين للرازي (ص: ٢٤٩) سلیمان بن جریر بعض اہلِ بیت کی طرف دھوکا دہی کی نسبت کرتا ہے، لیکن درحقیقت یہ ان زندیق لوگوں کی کارستانی ہے، جو باطل طریقے اور تخریب کاری کے ذریعے لوگوں کا حال ہڑپ کرنے کی خاطر آلِ بیت کی طرف منسوب ہیں۔

[2] دیکھیں: المقالات والفرق (ص: ٧٨) فرق الشيعة (ص: ٦٥)

[3] دیکھیں: الغزالي: المستصفى (١/ ١١٠)

[4] الوشيعة (ص: ١٨٢)

سرگرداں ہیں۔ شیعہ علما نے اس عار اور کلنگ کے ٹیکے سے راہِ نجات اور تکفیر سے راہِ فرار تلاش کرنے کی اپنی سی کوشش بھی کی ہے۔

نصیر الدین طوسی (المتوفی ۶۷۲ھ) نے، جس کو مجلسی نے محقق کا لقب دیا ہے، بدا کے وجود کا اثنا عشریہ کے عقیدے کے طور پر انکار کیا ہے، وہ اپنے گروہ کے بارے میں کہتا ہے:

''وہ بدا کے قائل نہیں۔ بدا کا قول صرف ایک روایت میں تھا، جس کو انھوں نے جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ اس نے اسماعیل کو اپنا قائم مقام بنایا تھا، لیکن اسماعیل میں ایسے معاملے کا ظہور ہوا، جو اس کو پسند نہ آیا تو اس نے موسیٰ کو قائم مقام بنا دیا، جب اس سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا: اسماعیل کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ اور ظاہر ہوگیا ہے۔ یہ ایک روایت ہے اور شیعہ کے نزدیک خبرِ واحد علم و عمل لازم قرار نہیں دیتی۔'' [1]

لیکن یہ بات، جس طرح آپ دیکھتے ہیں، حقیقتِ حال اور امرِ واقع کے خلاف ہے، کیوں کہ بدا ان کے مقرر اور طے شدہ عقائد میں داخل ہے اور ان کی اس کے بارے میں روایات اور اخبار بہت زیادہ ہیں، اسی لیے مجلسی نے کہا ہے کہ یہ طوسی کا عجیب جواب ہے، اس نے اس بات کو اس کے روایات کے عدمِ علم اور ان کا مکمل احاطہ نہ ہونے پر محمول کیا ہے۔ [2]

شیعہ کی ایک صنف بدا کا بطورِ عقیدہ اقرار کرتی ہے اور وہ اس کے لیے کوئی مقبول تاویل پانے کی کوشش کرتی ہے۔ چناں چہ ابن بابویہ قمی ان کی بدا سے تعلق رکھنے والی احادیث کی ایسی توجیہ اور تعلیل کرتا ہے، جس پر اضطراب کے آثار واضح دکھائی دیتے ہیں، وہ آغاز میں کہتا ہے:

''بدا ایسے نہیں جس طرح جاہل خیال کرتے ہیں کہ ندامت کا بدا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے، لیکن ہمارے لیے یہ اقرار کرنا بھی لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا ہے، جس کا یہ معنی ہے کہ وہ ایسا کر سکتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں کسی چیز کی ابتدا کرے، تو اس کو کسی چیز سے پہلے پیدا کر دے، پھر اس چیز کو ختم کر دے اور اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی تخلیق کا آغاز کر دے۔'' [3]

یہاں آپ دیکھتے ہیں کہ اس کی یہ گفتگو موضوع سے مکمل طور پر خارج اور غیر متعلق ہے، کیوں کہ اس نے

---

[1] الطوسي: تلخيص المحصل (ص: ٢٥٠)

[2] بحار الأنوار (٤/ ١٢٣)

[3] التوحيد (ص: ٣٣٥)

بدء (آغاز) کے بارے میں گفتگو کی ہے، بدا (انکشاف) کے بارے میں نہیں، اس بات میں تو کوئی مسلمان اس سے اختلاف نہیں کرتا۔ اگر ان کا بدا سے یہی مقصود ہوتا تو کوئی بھی ان سے اختلاف کرتا نہ انھیں اپنی روایات میں تضاد اور وعدہ خلافیوں کا جواز مہیا کرنے کے لیے اس میں کوئی راہِ نجات دکھائی دیتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ﴾ [السجدة: ٧]

''اور انسان کی پیدایش تھوڑی سی مٹی سے شروع کی۔''

اور فرمایا:

﴿ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ [يونس: ٤]

''وہی پیدایش شروع کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ﴾ [القصص: ٦٨]

''اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور چن لیتا ہے۔''

یہ بدا کی طرح کی کوئی چیز نہیں۔ لیکن پھر اس نے رجوع کیا اور بدا کی نسخ کے ساتھ تفسیر کی اور سابقہ کلام کے فوراً بعد کہا:

''یا وہ کوئی حکم دے، پھر اس سے منع کر دے، یا کسی چیز سے منع کر دے، پھر اس جیسے کا حکم دے دے، جس سے منع کیا تھا، یہ احکام میں نسخ کی طرح تحویلِ قبلہ اور جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے، اس کی عدت کے متعلق حکم کی قبیل سے ہے۔''[1]

یہ جہالت ہے یا تجاہل عارفانہ، کیوں کہ نسخ میں بدا نہیں ہوتا۔ وہ حکم اللہ کے علم میں عارضی ہوتا ہے، اس حکم کی مدت اور مدت پوری ہوجانے کے بعد اس حکم کا ختم ہوجانا، یہ سب اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ البتہ ہمارے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناسخ کے نزول کے بعد ظاہر ہوتا ہے، یہ بدا اور انکشاف ہمارے لیے اور ہمارے علم میں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ اس سے منزّہ اور پاک ہے کہ اس کو بدا کے ساتھ متصف کیا جائے، کیوں کہ بدا اللہ تعالیٰ کے ہر

---

[1] التوحيد (ص: ٣٣٥)

[2] الوشيعة (ص: ١٨٣)

چیز کے علم کے احاطے کے منافی ہے، لیکن نسخ سے وہ مبرا نہیں، کیوں کہ نسخ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے حکم کی مدت کا بیان ہے، اگرچہ اس حکم کا اٹھا لیا جانا ہمارے لیے بدا (انکشاف) ہے۔[1]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی علم ازلی میں ہر حکم کا زمانہ اور وقتِ متعین مقرر کیا ہے، جب اس کا زمانہ اور وقت پورا ہو جاتا ہے، اس کی جگہ اس کا امر یا نہی پر مبنی کوئی دوسرا حکم آ جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے ازلی علم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔[2]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ﴾ [البقرة: ١٠٦]

''جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں، یا اسے بھلا دیتے ہیں، اس سے بہتر، یا اس جیسی (اور) لے آتے ہیں۔''

عبدالقادر بغدادی نے شیعہ کو خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے کہ انھوں نے نسخ کو بدا کی قبیل سے قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اللہ سبحانہ جب کسی چیز کا حکم دیں، پھر اس کو منسوخ کر دیں تو اس کا نسخ اس لیے ہے کہ اس کو اس میں بدا اور نیا علم ظاہر ہوا ہے۔[3]

اس گمراہی میں شیعہ بہت آگے بڑھے۔ صاحبِ بحار نے چند منسوخ روایات ذکر کر کے انھیں بدا کی قبیل سے قرار دیا ہے۔[4] حالاں کہ نسخ کا بدا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔[5]

اس کے بعد ابن بابویہ عقیدہ بدا کی توجیہ کے اختتام پر یہ قول پیش کرتا ہے:

''بدا کا مطلب کسی امر کا ظاہر ہونا ہے۔ عرب کہتے ہیں: "بدا لی شخص في طريقي" راستے میں ایک شخص میرے سامنے ظاہر ہوا۔''

---

[1] مصطفیٰ زید: النسخ في القرآن (١/ ٢٠)

[2] محمد أبو زهرة: الإمام الصادق (ص: ٢٤١)

[3] الملل والنحل (ص: ٥٢)

[4] بحار الأنوار (٩٣/ ٨٣۔ ٨٤)

[5] نسخ اور بدا میں فرق اور ان میں عدم تفریق کے متعلق رافضہ اور یہود کے اوہام کی تردید کے لیے دیکھیں: الناسخ والمنسوخ لأبي جعفر النحاس (ص: ٤٤) الإيضاح لناسخ القرآن ومنسوخه لمكي القبيسي (ص: ٩٨۔ ٩٩) الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم (٤/ ٦٨۔ ٦٩) الآمدي: الإحكام في أصول الأحكام (٣/ ١٠٩۔ ١١٢) دراسات الأحكام والنسخ في القرآن: محمد حمزة (ص: ٥٩)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ [الزمر: ٤٧]

''اوران کے لیے اللہ کی طرف سے وہ کچھ سامنے آجائے گا جس کا وہ گمان نہیں کیا کرتے تھے۔''

یعنی ان کے لیے ظاہر ہوا، جب اللہ تعالیٰ کے لیے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بند صلہ رحمی کرتا ہے تو اس کی عمر میں اضافہ کر دیتا ہے اور جب اس کے لیے اس کی طرف سے قطع تعلق ظاہر ہوتی ہے تو اس کی عمر کم کر دیتا ہے۔''[1]

اس تلوّن اور ہیرا پھیری کے بعد ان کے عقیدے میں بدا کی اس برائی کے اثبات کے لیے یہ اس کی واپسی ہے ...صلہ رحمی کرنے والے کی عمر میں اضافہ، بدا اور اللہ تعالیٰ کے لیے نئے علم کے ظہور کی قسم سے قطعاً نہیں، بلکہ صلہ رحمی طویل عمری کا ایک سبب ہے۔ اللہ ہی نے اجل اور اس کا سبب بھی مقرر کیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ قضا وقدر میں لکھ دیا کہ یہ آدمی صلہ رحمی کرے گا اور اس سبب کی وجہ سے اتنی مدت تک زندہ رہے گا، اگر وہ سبب نہ ہوتا تو وہ اتنی مدت تک زندہ بھی نہ رہتا، لیکن اس نے اس سبب کو قضا و قدر میں لکھ دیا، اسی طرح اس نے تقدیر میں لکھ دیا کہ یہ آدمی قطع رحمی کرے گا اور اتنی مدت تک زندہ رہے گا۔[2]

لیکن شیخ الطائفہ طوسی بدا کی تاویل میں ایسا مسلک اختیار کرتا ہے، جو ابن بابویہ کی راہ سے زیادہ احتیاط پر مبنی ہے، وہ کہتا ہے:

''اس کا کہنا: "بدا لله فيه" اس کا معنی ہے: "بدا من الله فيه" (اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ظاہر ہوا ہے) اسی طرح ان تمام عبارتوں میں جن میں یہ ذکر ہوا ہے کہ "بدا لله في إسماعيل" یہ معنی ہوگا کہ اللہ کی طرف سے اسماعیل کے بارے میں یہ ظاہر ہوا، کیوں کہ لوگ اسماعیل بن جعفر کے بارے میں یہ خیال ظاہر کرتے تھے کہ وہ اپنے باپ کے بعد امام ہوگا، جب وہ فوت ہوگیا تو ان کے سامنے اس کا باطل ہونا واضح ہوگیا۔''[3]

یہ طوسی کی عذر خواہی ہے، بلاشبہہ اگر بدا اس معنی میں مخلوق کے لیے ہو کہ ان کے سامنے ایسا واقعہ پیش آجائے، جس کی وہ توقع نہیں کرتے تھے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو عقیدہ اسلامیہ کے منافی ہو۔

اسی اعتذار میں طوسی کی ایک عصرِ حاضر کے شیعہ مرجعِ تقلید محمد حسین آلِ کاشف الغطا نے بھی تقلید کی

---

[1] التوحيد (ص: ٣٣٦)

[2] شرح الطحاوية (ص: ٩٢)

[3] الغيبة للطوسي (ص: ٥٥)

ہے، وہ کہتا ہے:

''بدا کا اصل اور جوہری معنی تو کسی چیز کا مخفی رہنے کے بعد ظاہر ہونا ہے، لیکن یہاں یہ مراد نہیں کہ اللہ جل شانہ کے لیے کسی چیز کا ظہور ہونا قرار دیا جائے، کون کامل عقل والا اس گمراہی کا قائل ہوگا، بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کے لیے چاہتے ہیں، اس کے لیے کسی چیز کو اس سے چھپانے کے بعد ظاہر کر دیں۔ ہمارا یہ کہنا: ''بدا لله'' اس کا معنی ہوگا: ''بدا حکم الله'' اللہ کا حکم ظاہر ہوا، یا ''بدا شأن الله'' اللہ کا کام ظاہر ہوا۔''[1]

لیکن شیعہ کی روایات کا مطالعہ کرنے والا یہ رائے نہیں رکھتا کہ بدا اس تاویل کے ساتھ متفق ہے، کیوں کہ یہ روایات بدا کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ مخلوق کی طرف، اسی لیے ان کے ائمہ نے بدا کے خوف سے غیبی امور کی خبر دینے سے معذرت کی ہے۔ انھوں نے اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا اور انکشاف کے خدشے کے پیشِ نظر، فرشتوں کو اپنی قوم پر عذاب نازل کرنے پر اکساتے تھے۔ وہ کہتے:

''ان کو ابھی عذاب کی گرفت میں لے لو، مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے بارے میں میرے رب کے سامنے کوئی اور بات ظاہر نہ ہو جائے، انھوں نے جواب دیا: اے لوط! ان کا مقرر وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟!''[2]

تو کیا اس طرح کا ''الحاد'' کسی تاویل کو قبول کر سکتا ہے؟! کافی میں ذکر ہوا ہے:

''ابو ہاشم جعفری سے مروی ہے، اس نے کہا: میں ابو الحسن کے پاس، ان کے بیٹے ابو جعفر کے گزرنے کے بعد، بیٹھا ہوا تھا اور دل میں یہ کہنے کی سوچ رہا تھا، گویا وہ دونوں یعنی اس وقت ابو جعفر اور ابو محمد، جعفر بن محمد کے بیٹوں ابو الحسن موسیٰ اور اسماعیل کی طرح ہیں اور اِن دونوں کی کہانی ان دونوں کی کہانی ہی کی طرح ہے، کیوں کہ ابو جعفر کے بعد ابو محمد (امامت کی امید رکھتا تھا) تو میرے بولنے سے پہلے ہی ابو الحسن میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ہاں، اے ابو ہاشم! ابو جعفر کے بعد ابو محمد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ ظاہر ہوا، جو اس کے لیے پہلے معروف نہیں تھا، جس طرح اس کے لیے اسماعیل کے گزرنے کے بعد موسیٰ کے بارے میں ظاہر ہوا، جس نے اس کی

[1] الدين والإسلام (ص: ۱۷۳)

[2] فروع الكافي (۵/ ۵۴۶)

حالت بیان کر دی۔ بات ایسے ہی ہے، جیسے تم دل میں سوچ رہے تھے، خواہ باطل پرست اسے ناپسند ہی کریں۔''[1]

اس کا یہ جملہ پڑھیے: ''بدا للّٰه ... مالم یکن یعرف له'' (اللہ کے لیے وہ ظاہر ہوا، جو اس کے لیے پہلے معلوم نہیں تھا) آپ دیکھتے ہیں کہ وہ صریح الفاظ میں بدا کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ یہ قوم اللہ تعالیٰ کے وقار کا کوئی خیال نہیں رکھتی۔ انھوں نے موقع اختیار کو اہلِ بیت میں باقی رکھنے کے لیے اور اس اختیار سے پیروکاروں کی طرف سے بغیر کسی اعتراض کے، رجوع کرنے کے لیے عقیدہ بدا کو ایک ذریعے اور وسیلے کے طور پر اختیار کیا۔ انھوں نے اس حیلہ سازی میں اللہ تعالیٰ کے حق کو ملحوظ نہیں رکھا، کیوں کہ ان روایات کے گھڑنے والوں کے دل اللہ کے خوف اور امید سے بالکل تہی دامن تھے۔

اسی طرح بدا کی یہ تاویل کہ اس سے لوگوں کے سامنے اللہ کے امر کا ظہور مراد ہے، بدا کے بارے میں ان کے غلو اس کو تمام عبادات سے بڑھ کر قرار دینے اور اصولِ اعتقادات میں داخل کرنے کے قطعاً کوئی جواز مہیا نہیں کرتی، اس کے ساتھ ساتھ لفظِ بدا عربی زبان کے اعتبار سے بھی، جس میں قرآنِ کریم نازل ہوا، باطل معنی کا حامل ہے۔ لہٰذا اس کو کس طرح دین کے اصل اور بنیادی اعتقادات میں شمار کیا جا سکتا ہے، اس کی اگر یہ جگہ اور منزلت ہے تو اس کے لیے تاویل اور مخرج کیوں تلاش کیا جا رہا ہے؟!

شیعہ کا بدا پر استدلال:

کلینی اور اس کے ہمنواؤں کی روایات کے تقاضے کے مطابق جب نظریہ بدا ان کے نزدیک عقیدے کی شکل اختیار کر گیا تو شیعہ علما نے ۔حسبِ عادت۔ کتاب اللہ سے اپنے دعوے کی سند اور دلیل تلاش کرنا چاہی۔ گویا ان کے لیے اتنا کافی نہیں تھا کہ انھوں نے اس افترا اور جھوٹ کو خدا کی ذات کی طرف منسوب کیا، بلکہ انھوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ کتاب اللہ بھی ان کے جھوٹ کو ۔نعوذ باللہ۔ ثابت کرتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس فرمانِ الٰہی: ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ [الرعد: ٣٩] ''اللہ مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔'' کو پکڑ لیا۔

ملحوظِ خاطر رہے کہ سب سے پہلے اس قرآنی آیت سے مختار بن ابو عبید نے بدا کے اس جھوٹ پر استدلال کیا اور شیعہ علما نے اس کی متابعت کی، انھوں نے اس مسئلے میں روایات وضع کیں اور انھیں عوام میں

[1] أصول الكافي (١/ ٣٢٧)

مقبول بنانے کے لیے علماے آلِ بیت کی طرف انھیں منسوب کر دیا۔[1]

ان کا یہ استدلال کہ محو اور اثبات یعنی مٹانا اور ثابت رکھنا بدا ہے، یہ استدلال میں انحراف انتہائی زیادہ تکلف ہے، کیوں کہ محو اور اثبات، اس کے لیے کسی چیز میں بدا اور انکشاف کے بغیر اس کے علم، قدرت اور ارادے کے ساتھ ہے، اس کے پاس جب ام الکتاب موجود ہے، اس کا علم ازلی اور ہر چیز کو محیط ہے تو پھر اس کے بارے میں کیوں کر بدا کا خیال پیدا ہوسکتا ہے؟!!

﴿ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّ رَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الأنعام: ٥٩]

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر ہے اور نہ خشک مگر وہ ایک واضح کتاب میں ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ [سبأ: ٣]

''(اس رب کی قسم ہے) جو سب چھپی چیزیں جاننے والا ہے! اس سے ذرہ برابر چیز نہ آسمانوں میں چھپی رہتی ہے اور نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی کوئی چیز ہے اور نہ بڑی مگر ایک واضح کتاب میں ہے۔''

یہ اور ان جیسی بہت ساری آیات ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کا خیال پیش کرنا، ان تمام آیت کی تکذیب کرنا ہے۔[2] اللہ تعالیٰ آیت کے آخر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تبدیلی اور محو و اثبات واقع

---

[1] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ١٤٦) التوحيد لابن بابويه (ص: ٣٣٣ وما بعدها)

[2] ان کے رد میں مزید دیکھیں: المستصفى للغزالي (١/ ١١٠) مختصر الصواعق (١/ ١١٠) الأحكام للآمدي (٣/ ١١١)

﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ﴾ کی مراد میں علما کے آٹھ مختلف اقوال ہیں۔ (ابن الجوزي: زاد المسير: ٤/ ٣٣٧۔ ٣٣٨) کسی نے کہا ہے: جو احکام اور شریعتیں اللہ چاہے مٹا دیتا ہے، یعنی انھیں منسوخ کر دیتا ہے اور جن کو چاہتا ہے، انھیں ثابت رکھتا ہے، منسوخ نہیں کرتا۔ شارح طحاویہ کا قول ہے: ''سیاقِ کلام اس جہت اور توجیہ پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ (شرح ←

ہوتا ہے، وہ سب اس کے ارادے کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ اس کے پاس ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے۔[1]

عقیدۂ بدا کی تردید میں اثنا عشری کتابوں کی روایات:

حریف کی خود اس کے اپنے کلام سے تردید بلیغ ترین تردید ہوتی ہے، کیوں کہ وہ اس کے اپنے ہتھیار سے اس کا کام تمام کر دیتی ہے، اس نظریے میں تضاد کا وجود اور ظہور اس کے اعتقاد کے باطل ہونے کی واضح ترین علامت ہے۔ آپ کو اثنا عشری کتابوں میں ائمہ سے منقول ایسی روایات بھی ملیں گی، جو بدا کے قائل کا مقدر رسوائی ٹھہراتی ہیں اور وہ گذشتہ روایات کے متضاد ہیں۔

یہ روایات ایسی روایات بھی ہوسکتی ہیں، جن کا علمائے آلِ بیت کے ساتھ گہرا تعلق ہو، کیوں کہ یہ صحیح معنی کی ترجمانی کرتی ہیں اور ان بہترین افراد کے یہی لائق ہے۔ یہ معتدل شیعہ کے آثار بھی ہوسکتی ہیں، جن کے نشانات اثنا عشری کتابوں میں ابھی تک باقی ہیں، اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ یہ روایات محض ایک پردہ ہوں، جس کو ان لوگوں نے اپنے عقیدہ بدا کو چھپانے کے لیے بنایا ہو۔

بہر حال ان جیسی روایات کا موجود ہونا، اس گروہ کی روایات میں تناقض کی وسعت بیان کرتا ہے، نیز یہ

← الطحاوية، ص: ٩٤) ابن جریر طبری کا قول ہے: اس آیت کی تفسیر میں جو اقوال ذکر ہوئے ہیں، ان میں زیادہ قرینِ صواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کو وعید سنائی ہے، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سزا کی آیات کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ مَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ [الرعد: ٣٨] ''اور کسی رسول کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی لے آتا، مگر اللہ کے اذن سے۔ ہر وقت کے لیے ایک کتاب ہے۔'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ ان کے بارے میں اس کا فیصلہ اس کے پاس کتاب میں ایک متعین مدت تک لکھا ہوا ہے اور اس اجل اور متعین وقت تک ان کو موخر کیا جائے گا، پھر ان سے کہا: جب وہ متعین وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو لاتا ہے، جس کی عمر پوری ہو رہی ہوتی ہے اور رزق منقطع ہو جاتا ہے تو وہ اس طرح اپنی مخلوق میں فیصلہ کر دیتا ہے، یہ محو ہے۔ جس کی عمر اور رزق باقی ہوتا ہے، اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیتا ہے اور مٹاتا نہیں۔ (تفسير الطبري: ١٣/ ١٧٠) بعض مفسرین نے تمام اشیا میں عمومی محو اور اثبات راجح قرار دیا ہے۔ (فتح القدير: ٣/ ٨٨)

ابن جزی نے عموم کے معنی کو ترجیح دینے والے پر اعتراض کیا ہے کہ ''اس بات کو یہ طے شدہ قاعدہ رد کرتا ہے کہ قضا اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تبدیلی نہیں ہوتی۔'' (التسهيل: ٢/ ١٣٦) لیکن شوکانی نے اس کے جواب میں کہا ہے: ''عموم کا قول اس کے منافی نہیں، کیوں کہ محو اور اثبات بھی اللہ تعالیٰ کے من جملہ قضا و قدر سے ہے۔'' (فتح القدير: ٣/ ٨٨)

قاسمی نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد آیات یعنی معجزات ہیں۔ (تفسير القاسمي: ١٣/ ٣٧٢۔ ٣٧٣)

یہ اس آیت کی تفسیر میں مسلمان مفسرین کے اقوال ہیں اور شیعہ میں سے کسی ایک نے بھی رافضہ جیسی برائی اور بدنمائی پر مبنی قول پیش نہیں کیا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: تفسير البغوي (٣/ ٢٢۔ ٢٣) تفسير ابن كثير (٢/ ٥٥٩۔ ٥٦١) تفسير الألوسي (١٣/ ١٦٩۔ ١٧٢) السعدي: تيسير الكريم الرحمن (٤/ ١١٦۔ ١١٧)

[1] عبدالرزاق عفیفی: في تعليقه على الإحكام للآمدي (٣/ ١١١، حاشيه)

کہ شیعہ کا دین شاذ پہلو کو لینے اور اپنی اہلِ سنت مخالف روایات کو اختیار کرنے پر قائم ہے، کیوں کہ ان زندیقوں کا یہ قانون ہے کہ جو اہلِ سنت والجماعت کے مخالف ہو، اسی میں ہدایت ہے اور یہ قانون ایسا ہے جو انسان کو دین سے یک جنبش قلم نکال دیتا ہے۔

ابن بابویہ کی کتاب ''التوحید'' میں ذکر ہوا ہے:

''منصور بن حازم سے مروی ہے، اس نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا: کیا آج کوئی ایسی چیز رونما ہوسکتی ہے، جس کا کل تک اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا؟ انھوں نے کہا: نہیں، جس نے یہ کہا، اللہ اس کو رسوا کرے۔ میں نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے کہ جو ہوا اور جو قیامت تک ہونے والا ہے، کیا یہ سب اللہ کے علم میں نہیں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! بلکہ مخلوق پیدا کرنے سے پہلے سے یہ سب اس کے علم میں ہے۔''[1]

بلاشبہہ عقیدہ بدا اپنے لغوی معنی، اثنا عشری روایات اور ان کے بعض علما کی تاویل کے مطابق یہ تقاضا کرتا ہے کہ آج اللہ کے علم میں وہ بات آ سکتی ہے، جس کا کل تک اس کو علم نہیں تھا۔ اثنا عشریہ کے لیے یہی شرمندگی اور رسوائی کافی ہے کہ انھوں نے حق جل شانہ کی طرف یہ عقیدہ منسوب کر دیا ہے، جب کہ ان کے ائمہ اس سے بَری ہیں۔

جب امام کے قول میں اختلاف رونما ہو جائے تو وہ اس کو امام کی منسوب کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اگر آپ توحیدِ الوہیت، ربوبیت اور اسما و صفات کے متعلق شیعہ کے عقیدے کی طرف ایک نظر دوڑائیں تو آپ دیکھیں گے کہ امام، ان کی ان ظلمت بھری روایات کے طومار کی تاثیر کے نتیجے میں رب کی جگہ آ کھڑا ہوا ہے۔ چنانچہ عقیدہ بدا بھی امام کے بارے میں ان کے غلو کا اثر اور نتیجہ ہے۔

[1] التوحید (ص: ٣٣٤) أصول الكافي (١/ ١٤٨، رقم: ١٠) نیز دیکھیں: الكافي (١/ ١٤٨، رقم: ٩)

آٹھویں فصل

طینۃ (خمیر)

یہ عقیدہ شیعہ کے ان خفیہ عقائد ونظریات میں شامل ہے، جن کو چھپانے کی، حتی کہ اپنے عام لوگوں سے بھی پوشیدہ رکھنے کی، وہ تلقین اور وصیت کرتے ہیں، کیوں کہ اگر عامی شیعہ کو اس عقیدے کی بھنک پڑ گئی تو وہ دنیوی لذت کے حصول کے لیے جان بوجھ کر کبیرہ گناہوں کا ارتکاب شروع کر دے گا، کیوں کہ اسے علم ہو جائے گا کہ اس کا اخروی وبال کسی دوسرے کے سر ہوگا۔[1]

یہ نظریہ مرتضی اور ابن ادریس جیسے شیعہ کے متقدمین اصحابِ عقل و دانش کی نگاہ میں بھی قابلِ نفرین تھا، ۔ان کی رائے کے مطابق۔ اگرچہ اس کے متعلق روایات شیعہ کی کتابوں میں سرایت کر چکی ہیں، لیکن یہ اخبارِ آحاد ہیں، جو کتاب وسنت اور اجماع کے مخالف ہیں، جن کا رد کرنا واجب ہے۔[2]

لیکن یہ روایات وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ ہوتی رہیں اور شیعہ عالم نعمت اللہ جزائری کو یہ کہنا پڑا:

> ''ہمارے اصحاب نے یہ روایات بہت زیادہ سندوں کے ساتھ اصول (بنیادی مصادر) وغیرہ میں روایات کی ہیں، اس لیے ان کے انکار کی کوئی مجال ہے نہ ان پر اخبارِ آحاد ہونے ہی کا حکم لگایا جا سکتا ہے، بلکہ یہ مشہور بلکہ متواتر ہو چکی ہیں۔''[3]

اس نے یہ بات اپنے ان متقدم علما کے رد اور جواب میں کہی ہے، جنھوں نے ان روایات کا انکار کیا ہے۔ بہ ظاہر اس عقیدے کو مستحکم کرنے میں شیعہ کے عالم کلینی کا ہاتھ واضح نظر آتا ہے، جس نے اپنی کتاب میں اس کے لیے اس عنوان کے تحت باب باندھا ہے: ''مومن اور کافر کی مٹی (خمیر) کا باب'' اور اس کے ضمن میں اس نے طینہ کے متعلق سات احادیث درج کی ہیں۔[4]

---

[1] دیکھیں: الأنوار النعمانية (١/ ٢٩٥)

[2] المصدر السابق (١/ ٢٩٣)

[3] المصدر السابق.

[4] أصول الكافي (٢/ ٢۔ ٦)

پھر کلینی کے بعد ان روایات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اور ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب کے باب "الطینة والمیثاق" میں ان میں سے ٦٧ احادیث لکھیں۔[1]

گویا قاری اس نظریے کی تفاصیل جاننے کا آرزو مند ہے، جو شیعہ کو یہ عقیدہ رکھنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ کبیرہ اور مہلک گناہ، جس کا وہ ارتکاب کرے گا، اس کا گناہ اہلِ سنت کو ہوگا اور ہر وہ نیک عمل جو اہلِ سنت کرتے ہیں، اس کا ثواب صرف شیعہ کو ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ علما اس نظریے کو اپنے عوام تک سے چھپا کر رکھتے ہیں کہ کہیں وہ ان کے لیے ہر جگہ فساد زدہ ماحول نہ پیدا کر دیں اور اللہ کی زمین اور اس کے بندے اس فساد کی لپیٹ میں نہ آ جائیں۔

اس عقیدے کی سب سے تفصیلی روایت کو ابن بابویہ نے "علل الشرائع" میں ذکر کیا ہے، جو پانچ صفحات پر مشتمل ہے اور اسی پر اس کی کتاب ختم ہو جاتی ہے۔[2] ایک ہم عصر شیعہ نے یہ رائے دی ہے کہ یہ اختتام مشک بند اور دل آویز ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''اس نے اس حدیث شریف کے ساتھ اپنی کتاب "علل الشرائع" کو ختم کیا ہے۔''[3]

خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ کی تخلیق ایک مخصوص مٹی اور خمیر سے ہوئی ہے اور سنی کی دوسرے خمیر سے۔ پھر ایک متعین انداز میں دونوں خمیروں کا آمیزہ بنا دیا گیا، چنانچہ شیعہ فرد کے اندر جو گناہ اور جرائم ہیں، وہ سنی خمیر کے اثر کی وجہ سے ہیں اور جو سنی میں نیکی اور امانت داری ہے، وہ شیعہ خمیر کے اثر کے نتیجے میں ہے۔

جب قیامت کا دن ہوگا تو شیعہ کی برائیاں اور مہلک گناہ اہلِ سنت کے سر ڈال دی جائیں گی اور اہلِ سنت کی نیکیاں شیعہ کو دے دی جائیں گی۔ ان کی ساٹھ سے زیادہ روایات اسی مفہوم کے گرد گھومتی ہیں۔ اس عقیدے کو اختیار کرنے کا سبب ائمہ کے سامنے پیش کیے گئے سوالات اور شکووں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

شیعہ اپنے ائمہ کی خدمت میں اپنی قوم کی ایک دوسرے کے ساتھ بد معاملگی، کبیرہ گناہوں میں غرقابی اور اس غم و الم اور اضطراب کا شکوہ کرتے، جس کا انھیں کوئی سبب نظر نہ آتا، تو ان کا امام ان تمام کیفیات اور اخلاقی پستی کو اولین تخلیق میں شیعہ خمیر میں سنی خمیر کے اثر کا نتیجہ قرار دیتا۔

---

[1] بحار الأنوار (٥/ ٢٢٥۔ ٢٧٦)

[2] دیکھیں: علل الشرائع (ص: ٦٠٦۔ ٦١٠)

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (٥/ ٢٣٣، حاشیه)

یہاں ہم ان کے چند ایک بھڑکانے والے سوالات سنتے ہیں، جو گھٹن کا شکار شیعہ معاشرے کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ ابن بابویہ اپنی سند کے ساتھ ابو اسحاق لیثی سے روایت کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علی باقر رحمہ اللہ سے پوچھا:

اے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے مومن بابصیرت (رافضی) کے بارے میں بتائیے، جب وہ معرفت میں کامل ہو جاتا ہے تو کیا زنا کرتا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا: کیا وہ شراب پیتا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا: کیا وہ ان کبیرہ گناہوں یا بدکاریوں میں سے کسی بدکاری یا گناہ کا ارتکاب کرتا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں...، میں نے کہا: اے جگر گوشۂ رسول! میں آپ کے شیعہ میں ایسے لوگوں کو پاتا ہوں، جو شراب پیتے ہیں، راہ زنی کرتے ہیں، راستوں میں دہشت پھیلاتے ہیں، زنا اور لونڈے بازی کرتے ہیں، سود کھاتے ہیں، فواحش کا ارتکاب کرتے ہیں، نماز، زکات اور روزے میں سستی کرتے ہیں، قطع تعلقی کرتے ہیں اور کبیرہ گناہ کرتے ہیں، یہ کس طرح ہے اور ایسا کیوں ہے؟

انھوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تیرے دل میں ان کے علاوہ کوئی اور بات بھی کھٹکتی ہے؟ میں نے کہا: ہاں اور وہ اس سے بھی بڑھ کر رہے، انھوں نے کہا: ابو اسحاق! وہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اے فرزندِ رسول! میں آپ کے دشمنوں اور نواصب (اہلِ سنت کی طرف اشارہ ہے) میں دیکھتا ہوں کہ وہ صوم و صلات پر بڑی کثرت سے کاربند ہیں، مسلسل حج وعمرہ کرتے ہیں، زکات نکالتے ہیں، جہاد کے بڑے آرزومند ہیں، نیکی اور صلہ رحمی کو ترجیح دیتے ہیں، اپنے بھائیوں کے حقوق پورے کرتے ہیں، اپنے مال سے ان کی غم گساری کرتے ہیں، شراب نوشی، زنا کاری، لونڈے بازی اور تمام فواحش سے اجتناب کرتے ہیں، یہ کیا ہے اور ایسا کیوں ہے؟

اے ابنِ رسول! میرے سامنے اس کے دلائل اور براہین کے ساتھ تفسیر پیش کیجیے، خدا کی قسم! اس کے بارے میں سوچ سوچ کر میری راتوں کی نیند اڑ چکی ہے اور دل سے چین رخصت ہو چکا ہے۔[1]

یہ ان سوالوں اور شکووں کی صرف ایک مثال ہے، جو ان کے اندرونی قلق و اضطراب کا اظہار کرتی ہے کہ کس طرح ان کی عملی حالت امت کے سلف، ائمہ اہلِ سنت بلکہ عمومی طور پر عوام اہلِ سنت کی عملی حالت اور ان کی نیکی، تقوے اور امانت داری کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے نافرمانیوں اور کبیرہ گناہوں سے بھری ہوئی ہے۔

سائل کو عقیدہ طینۃ کے تقاضے کے مطابق جواب دیا گیا کہ شیعہ میں جو گناہ پائے جاتے ہیں، وہ اہلِ سنت کے خمیر کی وجہ سے ہیں اور سنی معاشرے میں جن نیک اعمال کی کثرت اور غلبہ ہے، وہ شیعہ خمیر کا نتیجہ ہیں۔

---

[1] علل الشرائع (ص: ٦٠٦۔ ٦٠٧) بحار الأنوار (٥/ ٢٢٨۔ ٢٢٩)

ابواسحاق قمی نامی ایک دوسرا سائل آتا ہے اور ابوجعفر باقر سے کہتا ہے:

''میں آپ پر قربان جاؤں! میں موحد مومن کو دیکھتا ہوں، جو میرا ہم مذہب اور آپ کی ولایت کو اللہ کا دین مانتا ہے، میرے اور اس کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ وہ شراب نوشی، زنا کاری اور لونڈے بازی کرتا ہے۔ میں کسی ایک کام کے لیے اس کے پاس جاؤں تو اس کے چہرے پر تیوڑی چڑھ جاتی ہے، رنگ بدل جاتا ہے، میرا کام اس کے لیے بوجھ بن جاتا ہے اور وہ اس کو انتہائی زیادہ سست روی سے انجام دیتا ہے؟!

''لیکن میں اس کے عکس ناصبی (اہلِ سنت کی طرف اشارہ ہے) کو دیکھتا ہوں، جو میرے عقیدے کا مخالف ہے، وہ میرے متعلق یہ جانتا بھی ہے (کہ میں رافضی ہوں) میں کسی کام کے لیے جب اس کے پاس آتا ہوں تو اس کو خوش رو اور مسکراہٹ آمیز چہرے کے ساتھ پاتا ہوں، وہ میرا کام جلدی جلدی اور خوشی خوشی کرتا ہے اور اس کو کرنا ضروری خیال کرتا ہے، وہ کثرت کے ساتھ نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کا اہتمام کرتا ہے، زکات نکالتا ہے اور اس کے پاس امانت رکھوائی جاتی ہے تو وہ اسے امانتداری سے واپس کرتا ہے۔''[1]

یہ سائل پہلے سائل کے شکوے میں اپنے اصحاب کی بد معاملگی، خشونت اور بے وفائی کا اضافہ کرتا ہے، جب کہ اہلِ سنت کو، جو اس کے حریف اور دشمن ہیں، اپنے ہم مذہب افراد سے زیادہ حسنِ سلوک کرنے والا، جلدی ضرورت پوری کرنے والا اور اخلاقیات، معاملات اور عبادات میں افضل پاتا ہے۔

اسی سے ملتا جلتا شکوہ ایک اور شیعہ نے ابوعبداللہ سے بھی کیا اور کہا:

''میں اپنے بعض ہم مذہب اور ہم عقیدہ اصحاب کو بد زبان، بد معاملہ اور وعدے کو شاذ و نادر ہی پورا کرنے والا دیکھتا ہوں تو مجھ پر شدید غم طاری ہو جاتا ہے، لیکن میں اپنے مخالفین میں سے کسی آدمی کو جب دیکھتا ہوں تو اس کو حسنِ سیرت سے مالا مال اور صاحبِ کردار پاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ وعدہ بھی پورا کرتا ہے تو پھر مزید غم زدہ ہو جاتا ہوں۔''[2]

ایک چوتھا سائل بھی آ کر اپنے غم و اضطراب کا شکوہ کرتا ہے، جس کی اس کو بہ ظاہر کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ شیعہ کی روایت کہتی ہے:

---

[1] علل الشرائع (ص: ٤٨٩۔ ٤٩٠) بحار الأنوار (٥/ ٣٤٦۔ ٣٤٧)

[2] البرقي: المحاسن (ص: ١٤٧۔ ١٣٨) بحار الأنوار (٥/ ٢٥١)

''ابو بصیر سے مروی ہے، اس نے کہا: میں ابو عبداللہ کے پاس آیا، میرے ساتھ میرا ایک شیعہ دوست بھی تھا اور اس سے کہا: آپ پر قربان جاؤں! اے فرزندِ رسول! میں حزین اور غم زدہ ہو جاتا ہوں، لیکن میں اس کا سبب نہیں جانتا...''[1]

بہ ظاہر تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قلق و اضطراب کا باعث یہ غیر واضح عقیدہ ہے، جو روافض کے دلوں میں جڑ پکڑ چکا ہے، لیکن ان کا امام اس قلق و اضطراب کی عقیدہ طینت کے مطابق تفسیر کرتا ہے۔

یہ سوالات اور شکوے، جو بہت سارے ہیں،[2] شیعہ کی نفسیات، تعلقات، اخلاقیات، معاملات اور دینی امور میں ان کی ہیئت ترکیبی اور مزاج کی اچھی طرح وضاحت کرتے ہیں۔ شیعہ علما نے ان پریشان کن اور خوفناک مظاہر کے مقابلے میں اس احساس کا سامنا کرنے کے لیے، جو بعض سچے شیعہ افراد کے شعور پر چھایا ہوا تھا، بہت زیادہ ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ چناں چہ ان کے ان سوالات اور شکوؤں کے پرزور اصرار سے جان چھڑانے کی کوششوں میں سے ایک کوشش اس عقیدے کو پیش کرنا بھی تھا۔

یہاں ہم ان کے ان شکوؤں کے کچھ جوابات سنتے ہیں، ان کا امام کہتا ہے:

''اے اسحاق[3] (راویِ روایت) تم نہیں جانتے، تم کہاں سے لائے گئے ہو؟ میں نے کہا: نہیں آپ پر قربان جاؤں، بخدا میں نہیں جانتا، ہاں اگر آپ بتا دیں تو۔ اس نے کہا: اے اسحاق! جب اللہ تعالیٰ واحدانیت کے ساتھ اکیلا تھا، اس نے اشیا کی کسی شے کے بغیر ابتدا کی، اس نے سات دنوں اور سات راتوں تک زرخیز اچھی زمین میں میٹھا پانی چلا دیا، اس کے بعد پانی خشک ہوگیا، تو اس نے اس گارے اور خمیر کے صاف اور خالص حصے سے ایک مٹھی بھری، یہ ہمارا اہلِ بیت کا خمیر ہے، اس کے بعد اس نے گارے کے سب سے نچلے حصے سے ایک مٹھی بھری، جو ہمارے شیعہ کا خمیر ہے، اس کے بعد اس نے ہم کو اپنے لیے چن لیا۔ اگر ہمارے شیعہ کا خمیر اسی طرح چھوڑ دیا جاتا، جس طرح ہمارے خمیر کو چھوڑ دیا گیا تو ان میں سے کوئی بھی زنا کرتا نہ لونڈے بازی کرتا نہ کوئی نشہ آور چیز ہی

---

[1] بحار الأنوار (٥/ ٢٤٢) مجلسی نے یہ روایت علل الشرائع (ص: ٤٢) کی طرف منسوب کی ہے۔

[2] جو آپ کو کافی اور بحار کے ابواب طینہ میں نظر آئیں گے۔ عن قریب آیندہ صفحات میں ''عالمِ اسلام میں شیعہ اثرات'' کے باب میں اس کے نمونے درج کیے گئے ہیں۔

[3] یہ اس سوال کا جواب ہے، جو ان کے بقول اسحاق قمی نے کیا تھا، جس کی عبارت (ص: ٩٩٩) گزر چکی ہیں، باقی جوابوں میں ہم صرف حوالہ دینے پر اکتفا کریں گے، کیوں کہ ان تمام کو ذکر کرنا طوالت اور تکرار کا باعث ہوگا، کیوں کہ آخر میں یہ تمام جواب تقریباً ایک ہی جواب اور ایک ہی نتیجے تک پہنچتے ہیں۔

نوش کرتا اور ان گناہوں میں سے کسی کا بھی ارتکاب نہ کرتا، جن کا تم نے ذکر کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے سات دنوں اور سات راتوں تک ملعون زمین پر نمکین پانی چلایا، اس کے بعد اس سے پانی خشک ہوگیا، پھر اس نے اس سے ایک مٹھی بھری، یہ گندے کیچڑ سے بنا ہوا ملعون خمیر اور فاسد خمیر ہے، جو ہمارے دشمنوں کا خمیر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی مٹی اور خمیر کو اسی طرح چھوڑ دیتے، جس طرح اس سے مٹھی بھری تھی، تو تم ان کو آدمیوں کی خلقت میں نہ دیکھتے، نہ یہ لوگ کلمہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے، نہ نماز و روزے کے پابند ہوتے، نہ زکات دیتے نہ حج کرتے اور تم ان میں سے کسی ایک کو بھی حسنِ اخلاق کا مالک نہ دیکھتے۔

''لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں خمیروں کو یعنی تمھارے اور ان کے خمیر کو اکٹھا کر دیا، ان دونوں کا آمیزہ بنا دیا، چمڑے کے رگڑنے کی طرح ان دونوں کو رگڑا، پھر ان دونوں کو دونوں پانیوں کے ساتھ ملا دیا۔ چناں چہ جو تم نے اپنے بھائی میں شر، زنا کاری یا شراب نوشی اور دیگر فواحش کا تذکرہ کیا ہے، یہ اس کی فطرت، جوہر اور ایمان میں داخل نہیں، بلکہ یہ ناصبی کا اثر ہے، جس کی وجہ سے اس نے ان گناہوں کا ارتکاب کیا، جن کا تم نے ذکر کیا ہے اور جو ناصبی میں تم حسنِ سیرت، حسنِ اخلاق، صوم و صلات کی پابندی، حج کو ادا کرنا، صدقہ خیرات اور نیکی دیکھتے ہو تو وہ اس کی فطرت اور جوہریت میں شامل نہیں، بلکہ یہ تمام افعال ایمان کا اثر ہیں، جو اس نے کمایا تو یہ حقیقت میں ایمان کے اثر اور نشان کا اکتساب ہے۔

''میں نے کہا: آپ پر قربان جاؤں، قیامت کے دن کیا ہوگا؟ اس نے مجھ سے کہا: اے اسحاق! کیا اللہ تعالیٰ اچھائی اور برائی کو ایک جگہ اکٹھا کریں گے؟ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے ایمان کا اثر اور چھاپ نکال لیں گے اور اسے ہمارے شیعہ کی طرف لوٹا دیں گے اور شیعہ نے جو تمام گناہ کیے ہوں گے، یہ ناصبی کا اثر اس سے نکال دے گا اور ہمارے دشمن کو واپس کر دے گا اور ہر چیز اپنے عنصر اول کی طرف لوٹ جائے گی۔

''میں نے کہا: آپ پر جان قربان جاؤں! کیا ان کی نیکیاں لے کر ہمیں دے دی جائیں گی اور ہماری برائیاں ان کو دے دی جائیں گی؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔''[1]

یہ ہے شیعہ کا عقیدۂ طینت۔ قمی کی روایت کے سیاق کے شروع میں ہے:

[1] علل الشرائع (ص: ٤٩٠۔ ٤٩١) بحار الأنوار (٥/ ٢٤٧۔ ٢٤٨)

''جوتم نے سوال کیا ہے، اس کا اطمینان بخش جواب، اور اللہ تعالیٰ کے علم اور راز کے خزانوں سے چھپا ہوا علم تجھے دیا جاتا ہے۔''[1]

اس روایت کے آخر میں ہے:

''اے اسحاق! یہ تجھے پیش کی جاتی ہیں، انھیں پکڑ لو، یہ ہماری روشن احادیث، باطنی رازوں اور چھپے ہوئے خزانوں میں سے ہے۔ چلا جا اور ہمارا راز بابصیرت مومن کے علاوہ کسی کو نہ دینا۔ اگر تم نے ہمارے راز کو افشا کر دیا تو تم اپنی جان، مال، اہل اور اولاد میں آزمائش میں پڑ جاؤ گے۔''[2]

جس طرح آپ ملاحظہ کرتے ہیں سلطنتِ اسلام کی قوت اور شوکت کے دوران میں ایک خفیہ عقیدہ تھا، جس کے شروع اور آخر میں اس کو خفیہ رکھنے کی تاکید کی گئی، تو کیا اس عقیدے کو گھڑنے والے کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوا تھا کہ ایک دن یہ عقیدہ اہلِ سنت کے ہاتھ لگ سکتا ہے اور وہ اس کو ان کی ایک فضیحت اور رسوائی کے طور پر سرعام لوگوں کے سامنے پیش کریں گے؟

اس عقیدے پر تبصرہ وتنقید:

① یہ روایات خود اپنی تردید آپ کرتی ہیں، ان شکووں اور سوالات میں آپ نے دیکھا ہے کہ شیعی جرائم کی گہرائی میں ڈوبا ہوا، نافرمانیوں اور کبیرہ گناہوں کی دلدل میں آخر تک پھنسا ہوا، معاملات میں بدترین اور اخلاق اور دین میں انتہائی گھٹیا اور پست ہے، تو جس شخص کی یہ حالت ہے، وہ افضل خمیر سے گوندا گیا ہوتا ہے اور پاکیزہ ترین مخلوق ہوتا ہے؟

② اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام لوگوں کو فطرتِ اسلام پر پیدا فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ [الروم: ٣٠]

''پس تو ایک طرف کا ہو کر اپنا چہرہ دین کے لیے سیدھا رکھ، اللہ کی اس فطرت کے مطابق، جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدایش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں، یہی سیدھا دین ہے۔''

ان دونوں کے درمیان تفریق کرنا شیعہ کی منحرف کہانیوں اور افسانوں کا کمال ہے۔

---

[1] علل الشرائع (ص: ٦٠٧) بحار الأنوار (٥/ ٢٢٩)

[2] علل الشرائع (ص: ٦١٠) بحار الأنوار (٥/ ٢٣٣)

﴾٣﴿ شیعہ نے طینت کی روایات میں افعالِ عباد کے بارے میں اپنے مذہب کی خود تردید کی ہے، کیوں کہ ان روایات کا تقاضا ہے کہ بندہ اپنے فعل پر مجبور ہے، اس کو کوئی اختیار نہیں، کیوں کہ اس کے تمام افعال اس کے خمیر کا تقاضا ہیں، حالاں کہ ان کا مذہب معتزلہ کے مذہب کی طرح ہے کہ انسان اپنے فعل کا خود خالق ہے۔[1]

﴾٤﴿ شیعہ کی طینت کے متعلق روایات ثابت کرتی ہیں کہ ''شیعہ کے کبیرہ گناہ اور ان کا بوجھ اہلِ سنت اٹھائیں گے اور مسلمانوں کی تمام نیکیاں ان کو دے دی جائیں گے۔

یہ بات عدلِ ربانی کے خلاف ہے۔ نصوصِ شریعت اور اصولِ اسلام تو ایک طرف رہے، یہ صریح عقل اور سلیم فطرت کے ساتھ بھی اتفاق نہیں کرتیں۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ [الأنعام: ١٦٤، فاطر: ١٨، الزمر: ٧]

''اور نہ کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ اٹھائے گی۔''

نیز فرمایا:

﴿ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴾ [الطور: ٢١]

''ہر آدمی اس کے عوض جو اس نے کمایا گروی رکھا ہوا ہے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴾ [المدثر: ٣٨]

''ہر شخص اپنے کیے کے بدلے گروی رکھا ہوا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾ [الزلزال: ٧۔ ٨]

''تو جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔ اور جو شخص ایک ذرہ برابر برائی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ﴾ [الغافر/ المؤمن: ١٧]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (٦٨٦) دیکھیں۔

''آج ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا، آج کوئی ظلم نہیں۔''

دیگر بھی بہت ساری آیات ہیں۔ اس نظریے کا باطل ہونا بالکل واضح ہے، اس کے فساد اور خرابی کو جاننے کے لیے اس کا صرف تصور پیش کرنا ہی کافی ہے اور یہ اثنا عشری مذہب کی رسوائیوں اور شرمناکیوں میں ایک فضیحت ہے۔

آج تک شیعہ نے اس عقیدے کا علی الاعلان اظہار کرنے میں بالکل شرم محسوس نہیں کی۔ آپ اس جھوٹ اور الزام کی روایات "بحار الأنوار"[1] اور "الأنوار النعمانية"[2] میں پائیں گے اور شیعہ محقق نے جو ان پر تبصرہ کاری اور تعلیق نگاری کی ہے، وہ اس کی ان کہانیوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے اور ان کا اعتقاد رکھنے کی غماز ہے۔

"إذا لم تستح فاصنع ما شئت" (اگر تجھے شرم نہ آئے تو جو جی میں آئے کرتا پھر)۔

---

[1] دیکھیں: الأنوار النعمانية (١/ ٢٨٧) تعليقه، رقم (١)

[2] بحار الأنوار (٥/ ٢٣٣، حاشيه: ٣)